عرب جمہوریہ مصر

وزارتِ اوقاف

حالاتِ حاضرہ پر مشتمل خطبات کا

انسائیکلوپیڈیا

تیار کردہ

شعبہ قرآنی مباحث و شعبہ دعوت و تبلیغ

زیرِ نگرانی و مقدمہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مختار جمعہ

وزیرِ اوقاف

نظرثانی: ڈاکٹر احمد عبدالرحمن القاضی

1441ھ– 2020ء

حقوق الطبع محفوظة

اسم الکتاب: حالاتِ حاضرہ پر مشتمل خطبات کا انسائیکلوپیڈیا

الکاتب: أ.د محمد مختار جمعة

(وزیر الأوقاف، ورئیس المجلس الأعلی للشئون الإسلامیة، وعضو مجمع البحوث الإسلامیة)

المترجم: وحید الحسن

المراجع: أ.د أحمد محمد أحمد عبد الرحمن القاضي (رئیس قسم اللغة الأردیة کلیة اللغات والترجمة جامعة الأزهر)—القاهرة.

Email: qadiahmad94@gmail.com

الطبعة الأولی: 2020م

مقدمہ

اعتدال اور وسطیت پر مبنی فکر کو دنیا کی مختلف زبانوں میں عام کرنے میں اپنا کردار ادا کرتے ہوئے ہمیں خوشی محسوس ہورہی ہے کہ ہم حالاتِ حاضرہ پر مشتمل خطبات کے انسائکلوپیڈیا کی پہلی جلد اردو زبان میں پیش کررہے ہیں تاکہ یہ اردو زبان میں خطبہ جمعہ پڑھانے والے آئمہ وخطباء حضرات کے لئے ایک علمی ذخیرہ ثابت ہو،اوراسی طرح ہم امید کرتے ہیں کہ یہ اعتدال اور وسطیت پر مبنی فکر سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے اردو کے تمام قارئین کے لئے ایک علمی ذخیرہ ثابت ہوگا۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مختار جمعہ

وزیرِاوقاف

صدر سپریم کونسل برائے اسلامی امور

رکن اسلامی تحقیقاتی اکیڈمی،ازہر یونیورسٹی

اللہ کی معیت کے اسباب اور اثرات

اللہ کی معیت کی دو قسمیں ہیں: نگہبانی کی معیت، اور تائید و نصرت کی معیت، پہلی قسم سے مراد یہ ہے کہ تمام مخلوق اللہ تعالی کے احاطہ علم میں ہے، ارشاد باری ہے: {وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ} "اور اللہ تعالی ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں، (خزانے) ان کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔ اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں"۔

اور دوسری قسم سے مراد اللہ تعالی کی تائید و نصرت، توفیق اور حفاظت کی معیت ہے، اور یہ اللہ کے رسولوں، اس کے نیک بندوں کے ساتھ خاص ہے، اللہ تعالی نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس معیت کی طرف اشارہ کیا ہے جو اس کے برگزیدہ بندوں کو حاصل ہوتی ہے، اللہ کریم نے اپنے دو نبیوں موسی اور ھارون علیہما السلام کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: {اذْهَبْ أَنتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي * اذْهَبَا إِلَى

فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ *فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ *قَالَا رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ أَن يَفْرُطَ عَلَيْنَا أَوْ أَن يَطْغَىٰ *قَالَ لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ} "اب تو اپنے بھائی سمیت میری نشانیاں ہمراہ لیے ہوئے جا، اور خبردار میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی سرکشی کی ہے۔ اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔ دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمیں خوف ہے کہ کہیں فرعون ہم پر زیادتی نہ کرے یا اپنی سرکشی میں بڑھ نہ جائے۔ جواب ملا کہ تم بالکل خوف نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں اور سنتا دیکھتا رہوں گا"۔

اور جب موسی علیہ السلام کی قوم نے گمان کیا کہ فرعون اور اس کے لشکر نے انہیں پیچھے سے آن پکڑا ہے، اور وہ اس کی پکڑ سے نہیں بچ سکیں گے کیونکہ آگے سمندر رہے اور پیچھے فرعون اور اس کا لشکر ہے، تو وہ بلند آواز سے بولے "ہم تو یقینا پکڑ لیے گئے"، موسی علیہ السلام نے اللہ کی تائید ونصرت پر پختہ یقین کے ساتھ جواب دیا کہ: {قَالَ كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ} " موسی علیہ السلام نے کہا، ہرگز نہیں، یقین مانو، میرا رب میرے ساتھ ہے جو ضرور مجھے راہ دکھائے گا"۔

اور اللہ کی یہی معیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سفرِ ہجرت میں حاصل تھی، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں غار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، میں نے مشرکین کے قدموں کی طرف دیکھا اور عرض کی اے اللہ کے رسول، اگر ان میں سے کوئی شخص اپنے قدموں کی طرف دیکھے تو وہ ہمیں دیکھ لے گا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابو بکر! ان دو کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا خدا ہے؟"، اور اسی بارے میں اللہ تعالی قرآن میں ارشاد فرماتا ہے: {إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ} "اگر تم ان (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد نہ کرو تو اللہ ہی نے ان کی مدد کی اس وقت جبکہ انہیں کافروں نے (دیس سے) نکال دیا تھا، دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے، پس جناب باری تعالی نے اپنی طرف سے تسکین اس پر نازل فرما کر ان لشکروں سے اس کی

مدد کی جنہیں تم نے دیکھا ہی نہیں، اس نے کافروں کی بات پست کر دی اور بلند و عزیز تو اللہ کا کلمہ ہی ہے، اللہ غالب ہے حکمت والا ہے"۔

اور بندہ مومن کا اللہ کی معیت میں ہونا کتنی بڑی بات ہے، اور جو اللہ کی معیت میں ہوتا ہے اسے اس بات کا کوئی خوف نہیں ہوتا کہ کون اس کے ساتھ ہے اور کون اس کے مخالف ہے، بندے کے لئے خدا کی معیت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس تک رسائی حاصل کرنے کے ذرائع اختیار کرے جو اسے اس معیت الٰہی کے قابل بنا دے، اور اس کا سب سے اہم ذریعہ اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان ہے، ارشاد باری ہے: {وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ} "اور یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، روزِ آخرت اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائے، اور ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا اثر انسان کے کردار اور لوگوں کے ساتھ اس کے معاملات میں ظاہر ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: " سچا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنے مال و جان کے بارے میں بے خوف ہوں"۔

اور اللہ کی معیت کا دوسرا ذریعہ بندے کا تقوی اور احسان کی صفت سے متصف ہونا ہے، ارشاد باری ہے: {إِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ} "یقینا مانو کہ اللہ تعالی پرہیزگاروں اور نیکوکاروں کے ساتھ ہے"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "آپس میں حسد نہ کرو، ایک دوسرے کی عیب جوئی نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے کے خلاف خفیہ تدابیر نہ چلو، ایک دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرو، اور اے اللہ کے بندوں آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے دھوکہ دیتا ہے اور نہ ہی اس کو ذلیل ورسوا کرتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینے کی طرف تین دفعہ اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تقوی یہاں ہے، اور ایک بندے کے لئے یہی شر کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو ذلیل ورسوا کرے، ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے"۔

جبکہ احسان کی حقیقت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان میں بیان فرمایا ہے کہ: "احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالی کی اس طرح عبادت کرے کہ گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے، اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے"، اس چیز سے انسان میں

مکمل خوفِ خدا پیدا ہو جاتا ہے اور اسے مکمل یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ اس کا رب اس کی خلوت و جلوت اور اس کی حرکات و سکنات میں اس سے لاعلم نہیں ہے، ارشاد باری ہے: {أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَى} "کیا وہ جانتا نہیں ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے"۔

اور اللہ کی معیت میں داخل ہونے کا تیسرا ذریعہ صبر ہے، ارشاد باری ہے: {وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ} "اور صبر کرو بیشک اللہ تعالی صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جان رکھو کہ تمہارا ناپسندیدہ چیزوں پر صبر کرنے میں بہت بڑی بھلائی ہے"۔ صبر نفس کو بے صبری، زبان کو شکوی و شکایت اور اعضائے بدنیہ کو بے چینی و بے قراری سے روکنا ہے، اور یہ چیز مجاہدہ نفس سے حاصل ہوتی ہے اور یہ بہت بڑی نعمت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو صبر کرے گا اللہ تعالی اسے صبر کرنے کی طاقت عطا فرمائے گا اور کسی شخص کو صبر سے بڑی اور بہتر کوئی نعمت عطا نہیں کی گئ"۔

اور اللہ کی معیت اور قرب کے حصول کا چوتھا ذریعہ ضمیر کی بیداری ہے، زندہ ضمیر کا مالک شخص اس حقیقت کا علم رکھتا ہے کہ وہ سفر و حضر، خلوت و جلوت جہاں بھی ہو اس

کا رب ہمیشہ اس کے ساتھ ہے،اس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے،اور کوئی ظاہری یا باطنی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے، یہی حقیقت اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام کے ضمیر میں پختہ تھی جب دروازوں کو بند کر کے ان کے لئے گناہ کے تمام اسباب مہیا کر دیئے گئے تو انہوں نے اپنے رب کی پناہ مانگی جس کا ہر وقت اپنے ساتھ ہونے کا انہیں یقین کامل تھا، اور ان کی زبان مبارک سے یہ کلمات نکلے: {إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لاَ يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ} "یوسف نے کہا اللہ کی پناہ! وہ میرا رب ہے، مجھے اس نے بہت اچھی طرح رکھا ہے۔ بے انصافی کرنے والوں کا بھلا نہیں ہوتا"۔

اور عزیز مصر کی بیوی نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا جسے قرآن کریم بیان فرماتا ہے کہ: {وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ} "میں نے ہر چند اس سے اپنا مطلب حاصل کرنا چاہا لیکن یہ بال بال بچا رہا"۔ گناہ کو محسوس کرنے کی کیفیت کا پیدا ہو جانا ہی بہت بڑی بات ہے کیونکہ جب دنیا میں انسان کے اندر خوفِ خدا پیدا ہو جائے تو وہ قیامت کے دن اللہ کے عذاب سے محفوظ رہے گا، حدیث قدسی ہے کہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے کہ: "مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم، میں اپنے بندے پر دو خوف جمع نہیں کروں گا، اور نہ ہی اس پر امن و امان کی دو کیفیتیں اکٹھی کروں گا، اگر وہ دنیا میں مجھ

سے بے خوف رہاتو میں آخرت میں اسے خوف میں مبتلا کر دوں گا،اور اگر دنیامیں مجھے ڈر گیاتو میں آخرت میں اسے خوف سے محفوظ رکھوں گا"۔

اسی طرح انسان ذکرِالٰہی کے ذریعے بھی اللہ کی معیت میں داخل ہو جاتاہے،ارشاد باری ہے: { فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ } "لہذا تم میرا ذکر کرو، میں بھی تمہیں یاد کروں گا، میری شکر گزاری کرواور ناشکری سے بچو"۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے بارے میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے، اور اگر وہ خلوت میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی خلوت میں اس کا ذکر کرتا ہوں،اور اگر وہ مجلس میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اس سے بہتر مجلس میں اس کا ذکر کرتا ہوں"۔

برادرانِ اسلام:

بیشک اللہ کی معیت کے بہت بڑے اثرات ہیں جو دنیا و آخرت میں انسان کو حاصل ہوتے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں کہ جو شخص اللہ کی معیت میں داخل ہو جائے اللہ تعالی اسے ہر شر سے محفوظ کر دیتا ہے اور اس سے ہر نقصان کو دور کر دیتا ہے، ارشاد باری ہے: { الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا

حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ} " وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلے پر لشکر جمع کر لئے ہیں، تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے"۔

جب ہم مختلف انبیاء کرام کے بارے میں اللہ کریم کے فرامین میں غور و فکر کرتے ہیں تو ہمیں اللہ کی معیت، اس کی فضیلت اور اس کے اچھے اثرات کا علم ہوتا ہے۔ اللہ کریم نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا: {وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي} "تاکہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے کی جائے"۔ اور ارشاد باری ہے: {وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي} "اور میں نے تجھے خاص اپنی ذات کے لئے پسند فرمالیا"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا: {وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا} "اور آپ اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر سے کام لیں، بیشک آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں"۔ اور ارشاد باری ہے : {وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِندَ رَبِّهِمْ} " پس آپ ایمان والوں کو خوشخبری سنائیے کہ ان کے رب کے پاس ان کو پورا اجر و مرتبہ ملے گا"۔

بے شک اللہ کی معیت میں حقیقی طور پر داخل ہونا اطمئنانِ دل، تسکین جاں اور نفسیاتی آرام کے حصول اور بے قراری، پریشانی اور بے سکونی سے دور ہونے کا سب سے اہم

ذریعہ ہے،اور وہ شخص کس طرح پریشان ہو سکتا ہے جو صحیح اسباب کو اختیار کرتا ہے اور اس حقیقت کو جانتا ہے کہ تمام اختیار اس ذات کے قبضہ قدرت میں ہے جو جب کسی چیز کو کرنے کا ارادہ فرماتی ہے تو کہتی ہے ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے، ؟،ارشاد باری ہے: { قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ } "آپ کہہ دیجئے اے اللہ! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے"۔

بندوں کا اللہ کی معیت کو محسوس کرنا اور اس کی عظمت و جاہ کو پیشِ نظر رکھنا ان کے لئے اور معاشرے کے لئے امن وامان، پرامن بقائے باہمی اور نفسیاتی سلامتی کا باعث بنتا ہے، کیونکہ جب بندوں کو یقینی علم ہو جائے گا کہ وہ اللہ کی نگاہ سے نہیں چھپ سکتے تو وہ راہِ راست پر قائم رہیں گے،ان کے اخلاق میں بہتری آئے گی،وہ اللہ کے اوامر کی پابندی کریں گے اور اس کی نواہی سے اجتناب کریں گے،اس کی حدود کی پاسداری کریں گے اور اسباب اختیار کریں گے،تاکہ دین کے ساتھ ان کی دنیا بھی سنور جائے۔

دینِ اسلام

حقیقی اسلام اللہ تعالی کی اطاعت و فرمانبر داری، محبت الہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء و پیروی، حسنِ خلق، خشوع و خضوع، نیک سیرت، لوگوں سے معاملات کرتے وقت خندہ پیشانی سے پیش آنے، تمام مخلوق کے ساتھ شفقت ور حمت سے پیش آنے، تعمیر و ترقی اور تہذیب و تمدن کا نام ہے۔ اسلام ایک ضابطہ حیات کا نام ہے جسے اس کے پیروکار اپنی تمام تر حرکات و سکنات اور اقوال وافعال میں پیشِ نظر رکھتے ہیں۔

دینِ اسلام دین کے ذریعے اپنی اور دوسروں کی اصلاح کرنے اور کائنات کی تعمیر کی دعوت دیتا ہے دین کے نام پر کائنات کو تباہ و برباد کرنے کی دعوت نہیں دیتا۔ دین اسلام ساری دنیا میں رحمت، امن وامان اور سلامتی کی دعوت دیتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: { وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ } "اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے"۔

جبریل علیہ السلام نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ: اے محمد! مجھے اسلام کے بارے میں بتائیں تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں،

اور تو نماز قائم کرے، اور زکوۃ ادا کرے، اور رمضان کے روزے رکھے، اور اگر تو استطاعت رکھے تو بیت اللہ کا حج کرے"۔

مذکورہ بالا حدیث جبریل میں مذکور ارکانِ اسلام میں غور وفکر کرنے والا شخص اس حقیقت کا ادراک کرلیتا ہے کہ یہ ارکانِ اسلام ایک کامل شخصیت کی تعمیر سازی میں بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ انسان جب یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں تو وہ اس گواہی کو عملی جامہ پہنانے اور اللہ رب العزت کی اطاعت و فرمانبرداری کے لئے کوشش کرتا ہے اس کی اوامر کی پابندی کرتا ہے اس کی منع کردہ چیزوں سے اجتناب کرتا ہے اس کی حدود کی پاسداری کرتا ہے اپنے فرض میں کوتاہی نہیں کرتا اور اپنی ذات کے لئے کسی بھی ناحق چیز کا مطالبہ نہیں کرتا اور جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ شفقت ورحمت، تواضع وانکساری اور نرمی سے پیش آتے تھے وہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے ہوئے اسی طرح لوگوں سے پیش آنے کی کوشش کرتا ہے۔

بے شک نماز اسلام کا سب سے بڑا اور اہم رکن ہے جس کے ثمرات برائی اور بے حیائی سے رکنے اور دین حق پر ثابت قدم رہنے کی صورت میں بندے کو حاصل ہوتے ہیں اور ایک مسلمان اپنی ذات کے ساتھ پر سکون اور معاشرے کے ساتھ امن وامان کی زندگی گزارتا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے: { وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ } "اور نماز قائم کریں، یقینا نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے، بیشک اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے اللہ خبر دار ہے"۔

زکوۃ کی ادائیگی میں جو ایمانی اور انسانی پہلوؤں ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں بیشک زکوۃ انسانی نفس کی تربیت کرتی ہے تاکہ وہ مادیات میں ہی غرق نہ ہو جائے۔اس کے ذریعے انسان اس حقیقت کو پالیتا ہے کہ مال ایک وسیلہ ہے غایت ومقصد نہیں اور اسی طرح یہ باہمی تعاون، رحم دلی اور دوسروں کا احساس کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

مسلم معاشرہ میں انانیت اور منفی رجحانات نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ ہمارا دین ایثار وقربانی، جودوسخا کا دین ہے ذاتی منفعت، بخل اور کنجوسی کا دین نہیں ہے۔ مومن سخی اور فراخ دل ہوتا ہے۔اللہ تعالی انصارِ مدینہ کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

{وَالذِيْنَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ} "اور (ان کے لئے) جنہوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے اور اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو (بات یہ ہے) کہ جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا وہی کامیاب (اور بامراد) ہے"۔

اسی طرح روزہ بھی خوفِ خدا کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنے کے ذریعے ایک مسلمان کے اخلاق کی اصلاح کرتا ہے اور اسے صبر، تحمل و برداشت اور اپنے نفس کو ہر اس چیز سے دور رکھنے کا عادی بنادیتا ہے جو اللہ تعالی کی ناراضگی کا سبب بنے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اور روزہ ڈھال ہے پس جب تم میں سے کوئی شخص روزہ دار ہو تو وہ نہ تو فحش کلامی کرے اور نہ ہی شور وغل کرے اور اگر کوئی شخص اس کو گالی دے یا اس سے جھگڑا کرے تو وہ کہہ دے میں روزہ دار ہوں" اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: "جس شخص نے جھوٹی بات کہنے اور اس پر عمل کرنے کو ترک نہ کیا تو اس کے کھانے پینے چھوڑنے کی اللہ تعالی کو کوئی ضرورت نہیں ہے"۔

اور اسی طرح حج بھی مناسک حج کی ادائیگی سے قبل، اس کے دوران اور اس کے بعد ایک اخلاقی طرز عمل کی پابندی کا نام ہے۔ارشاد باری تعالی ہے: {الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ} "حج کے مہینے مقرر ہیں اس لئے جو شخص ان میں حج لازم کرلے وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے، گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑے کرنے سے بچتا رہے، تم جو نیکی کروگے اس سے اللہ تعالی باخبر ہے اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو، سب سے بہتر توشہ اللہ تعالی کا ڈر ہے اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو"۔

اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ: "جس نے اللہ تعالی کے لئے حج کیا اور (اس کے دوران) اپنی بیوی سے میل ملاپ نہ کیا اور نہ ہی کوئی گناہ کیا تو اس دن کی طرح واپس لوٹا جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا"۔

اس طرح ارکانِ اسلام کے ہر رکن کے اثرات اور ثمرات ہیں جو معاشرے کے لئے بھلائی اور امن وامان کا باعث بنتے ہیں۔

بے شک جو شخص ہمارے دین میں غور و فکر کرتا ہے وہ اس حقیقت تک رسائی حاصل کر لیتا ہے کہ یہ دین مکارمِ اخلاق کا حامل ہے اور اس کا پیغام انہیں مکارمِ اخلاق کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے آیا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں مکارمِ اخلاق کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے مبعوث کیا گیا ہے "

اس لئے یہاں بھی صدق ووفا، امانت، نیکی، صلہ رحمی، جود و کرم، باہمی مدد، عزت وو قار، مروت، لوگوں سے تکلیف کو دور کرنا، محتاج کی مدد کرنا، ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا، تکلیفوں میں مبتلا افراد سے تکلیفیں دور کرنا اور جانوروں کے ساتھ نرمی و شفقت کرنا جیسے اخلاق و صفات پائی جائیں گی وہ ہی حقیقی اسلام اور اس کا پیغام اور مقصد ہو گا۔

بے شک اسلام کی حقیقت کو سمجھنا، آسانی و نرمی پر مبنی اس کے پیغام کے اسرار ورموز کو جاننا، اس کے اعلی مقاصد اور غرض و غایات سے واقف ہونا، اور ان کو وقت کے تقاضوں کے مطابق نافذ کرنا، یہ سب موجودہ چیلنجز کا سامنا کرنے، انتہاپسند اور

دہشت گرد جماعتوں کی سرکشی کو لگام دینے، انتہاپسند فکر کا محاصرہ کرنے، جمود، تنگ نظری، اور غلط فہم کے حصار کو توڑنے اور اس تنگ نظری سے نکل کر ایسے وسیع وعریض عالم میں آنے کے لئے انتہائی ضروری ہے جہاں عقل وشعور اور بصیرت میں پختگی بھی نسبتا زیادہ ہو اور وہ جگہ انسانی وملکی مفادات کے حصول اور ان اعلی انسانی اقدار کو عام کرنے کے لئے زیادہ موزوں ہو جو ساری انسانیت کے لئے سعادت مندی، امن وسلامتی اور استحکام کا باعث بنتی ہیں۔

سب سے اہم فرض اور ذمہ داری جو ہر مسلمان کو سرانجام دینی چاہیے وہ یہ ہے کہ وہ تمام لوگوں کے سامنے دین اسلام کی عظمت کے پہلوؤں واضح کرے تاکہ ساری دنیا کو علم ہو جائے کہ اسلام امن وسلامتی کا دین ہے امن وسلامتی کی دعوت دیتا ہے اور اس کی ہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ سلام اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے ارشاد باری تعالی ہے: { هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ } "اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سب کا بادشاہ، نہایت مقدس، سلامت رکھنے والا"۔

اسلام میں ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت کہے جانے والا لفظ بھی "سلام" ہے ارشاد باری تعالی ہے: {وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا} "اور جو تم سے السلام علیکم کہے تم اسے یہ نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا مانگتے تھے کہ: "اللهم انت السلام، ومنک السلام، تبارکت یاذالجلال والاکرام" "اے اللہ! تو سلامتی والا ہے، اور تیری طرف سے ہی سلامتی ہے، اے عزت وجلال کے مالک! تو ہر عیب سے پاک ہے"۔

دینِ اسلام انسان کی عزت وناموس کی حفاظت کرتا ہے اسے غیبت، چغلی، باہمی حسد وبغض سے باز رکھتا ہے کسی کو حقیر سمجھنے اور کسی بھی صورت میں تکلیف اور اذیت پہنچانے سے روکتا ہے خواہ وہ تکلیف اور اذیت قول یا فعل کی شکل میں ہو، اشارۃ یا صراحتا ہو، ارشاد باری تعالی ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ} "اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں، اور آپس میں ایک دوسرے کو

عیب نہ لگاؤ، اور نہ کسی کو برے لقب دو۔ ایمان کے بعد فسق برا نام ہے، اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے اپنے بھائی کی طرف کسی ہتھیار کے ساتھ اشارہ کیا تو فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس کو نیچے رکھ دے اگرچہ وہ اس کا سگا بھائی ہی ہو"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے پر نشان ڈالنے اور چہرے پر مارنے سے منع فرمایا ہے۔ اور جب آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک جانور دیکھا جس کے چہرے پر داغ کر نشان ڈالے گئے تھے تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "اللہ تعالی نشان ڈالنے والے پر لعنت کرے"۔

اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسی عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جو دن کو روزے رکھتی ہے اور رات قیام میں گزار دیتی ہے مگر وہ اپنے پڑوس کو اذیت پہنچاتی ہے تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "وہ جہنمی ہے"۔ اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے کہ: "جو شخص اللہ تعالی اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ پہنچائے، اور جو شخص اللہ تعالی اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ

مہمان کی عزت و تکریم کرے، اور جو شخص اللہ تعالی اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے"۔

برادرانِ اسلام:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نرمی و سہولت پر مبنی اسلامی تعلیمات، عمدہ اخلاق اور اعلی انسانی اقدار کو اپنے اصحاب کے دلوں میں پختہ کر دیا تھا یہاں تک وہ تعلیمات اور اخلاق ایک ضابطہ حیات کی شکل اختیار کر گئے تھے جس کے مطابق وہ زندگی بسر کرتے اور لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے سامنے کھڑے ہو کر بڑے عمدہ انداز اور خوبصورت الفاظ میں چند انہیں اقدار اور اخلاقیات کو بیان کیا انہوں نے کہا: اے بادشاہ: ہم جاہل لوگ تھے، بتوں کی پوجا کیا کرتے، مردار کھایا کرتے اور بدکاریاں کیا کرتے، رشتہ داروں کے ساتھ قطع تعلقی کرتے، پڑوسیوں کے ساتھ برا سلوک کرتے، ہم میں سے طاقتور، غریب کو کھا جاتا کرتا، ہمارا یہ حال تھا کہ اللہ تعالی نے ہماری طرف ہم میں سے ایک ایسا رسول بھیجا جس کے نسب کو بھی ہم جانتے ہیں، جس کی صداقت، امانت اور عفت سے بھی ہم اچھی طرح آگاہ ہیں اس نے

ہمیں اللہ تعالی پر ایمان لانے کی دعوت دی کہ ہم اس کو وحدہ لاشریک مانیں، اور اسی کی عبادت کریں اور وہ بت اور پتھر جن کی پوجا ہم اور ہمارے آباؤاجداد کیا کرتے تھے ان کی بندگی کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکیں۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سچ بولیں۔ امانت میں خیانت نہ کریں، صلہ رحمی کریں، ہمسایوں کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آئیں، برے کاموں اور خون ریزیوں سے باز رہیں، اس نے ہمیں فسق وفجور، جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال کھانے، اور پاک دامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع کیا، اور ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف اللہ تعالی کی عبادت کریں، کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ بنائیں اور نیز اس نے ہمیں نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔

حقیقی مسلمان جھوٹ نہیں بولتا، ملاوٹ نہیں کرتا، خیانت نہیں کرتا، حقیقی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں اور حقیقی مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان ومال اور عزت وناموس کے بارے میں بے خوف رہیں، حقیقی مسلمان وہ ہے جس کے کردار سے اسلام کے اخلاق ظاہر ہو رہے ہوں اور وہ لوگوں کے لئے صرف بھلائی اور خیر کا باعث بنتا ہو اگر ہم حقیقی مسلمان کی ایک جامع اور مانع تعریف کرنا

چاہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعریف سے زیادہ جامع اور بہتر کوئی تعریف نہیں ہو سکتی کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "کیا میں تمہیں مومن کے بارے میں خبر نہ دوں؟ (مومن وہ ہے) جس سے لوگ اپنے اموال اور جانوں کے بارے میں بے خوف ہوں اور مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ ہوں، اور مجاہد وہ ہے جس نے اللہ تعالی کی اطاعت وفرمانبرداری میں اپنے نفس سے جہاد کیا اور مہاجر وہ ہے جس نے غلط کام اور گناہ چھوڑ دیئے"۔

اسلام کا پیغام انسانیت، حکمت، رواداری، رحمت اور فراخدلی کا پیغام ہے یہ اتحاد و یکجہتی کا پیغام ہے فرقہ واریت اور امت کا شیرازہ بکھیرنے کا پیغام نہیں ہے۔ اسلام سراسر عدل وانصاف، رحمت، رواداری، نرمی وآسانی اور انسانیت کا نام ہے۔ ہر وہ چیز جو ان اعلی معانی کے تحقق کا باعث بنتی ہے وہ حقیقی اسلام ہے اور جو چیز ان معانی سے متصادم ہے وہ درحقیقت اسلام، اس کی غرض وغایت اور اس کے مقاصد سے متصادم ہے۔

ایمان کے فوائد و ثمرات

اللہ تعالی کا اپنے بندوں پر احسانِ عظیم ہے کہ اس نے انسان کے ہر نیک عمل پر اچھے ثمرات مرتب کئے ہیں، اور ایمان ان اعمال میں سے ہے جس کے اچھے ثمرات انسان اور معاشرے دونوں کو نصیب ہوتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ایمان کی حقیقت کو بیان فرمایا ہے جو کہ ایک بندہ مومن کے دل میں راسخ ہونا چاہیے، آپ علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام سے ایمان کے بارے میں سوال کی تو جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ "تم اللہ تعالی پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، روزِ آخرت پر، اور اچھی اور بری قدر پر ایمان لاؤ، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: تم نے سچ کہا"، ایمان محض زبان سے ادا کئے جانے والے لفظ کا نام نہیں ہے، بلکہ ایمان دل سے یقین رکھنے، زبان سے اقرار کرنے اور اعضائے بدنیہ سے عمل کرنے کا نام ہے، ایمان وہ ہے جو دل میں راسخ ہو جائے اور اللہ تعالی کے اوامر کی اتباع اور نواہی سے اجتناب کرنے سے عمل اس کی تصدیق کرے۔

جس وقت امام حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا تم مومن ہو؟ تو آپ نے کہا: ایمان دو طرح کے ہیں، اگر تو تم اللہ تعالی، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے

رسولوں، جنت، حشر نشر اور حساب کتاب پر ایمان رکھنے کے بارے میں پوچھ رہے ہو تو میں مومن ہوں، اور اگر تم اللہ تعالی کے اس فرمان کے بارے میں پوچھ رہے ہو کہ {إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَاناً وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ * الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ * أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقّاً} "بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالی کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں"۔

تو مجھے نہیں علم کہ میں ان میں سے ہوں یا نہیں؟۔

حقیقی ایمان جب دل میں راسخ ہو جائے اور نفس پر غالب آ جائے تو پھر قلوب واذہان، فرد اور معاشرے پر اس کے اچھے ثمرات ظاہر ہوتے ہیں، درج ذیل سطور میں ہم ایمان کے چند ثمرات بیان کرتے ہیں:

☆ حسنِ خلق: ایمان انسان میں حسنِ خلق جیسی صفت پیدا کرتا ہے، کیونکہ ایمان اور امانتداری دو جڑوی چیزیں ہیں، جو کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس شخص کا ایمان ہی نہیں ہے جس کے پاس امانتداری نہیں، اور اس شخص کا دین ہی نہیں ہے جو عہد کی پاسداری نہیں کرتا"، اسی طرح ایمان اور حیا بھی لازم وملزوم ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایمان اور حیا دونوں ایک ساتھ ہوتے ہیں، جب ان میں سے ایک اٹھالیا جاتا ہے تو دوسرا خود بخود اٹھ جاتا ہے"، اسی طرح ایمان اور سچائی لازم وملزوم ہیں، صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی کہ کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے؟ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا(ہاں)، عرض کی گئی کہ کیا مومن بخیل ہو سکتا ہے؟، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا(ہاں)، پھر عرض کی گئی کہ کیا مومن جھوٹا ہو سکتا ہے ؟، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا(ہر گز نہیں)، بعض علماء نے ایمان کی تعریف ہی سچائی کی ہے، انہوں نے کہا: حقیقی ایمان یہ ہے کہ تو اپنی ذات پر سچ بولنے کے نقصان ہونے کا یقین ہونے کے باوجود سچ بول، اور اپنی ذات کے لئے جھوٹ بولنے کا فائدہ ہونے کا یقین ہونے کے باوجود جھوٹ نہ بول، اگر تمہیں کہیں اچھے اخلاق نظر آتے

ہیں تو یہ حقیقی ایمان کے ثمرات ہیں، مومن ہمیشہ اچھی بات کہتا ہے جو فتنہ وفساد، تباہی وبربادی اور تخریب کاری کی بجائے اصلاح، اور تعمیر وترقی کا باعث بنتی ہے، کیونکہ ہمارا دین اخلاقیات، اصلاح اور تعمیر وترقی کا دین ہے، جو شخص اخلاق میں تجھ سے بہتر ہے وہ درحقیقت دین میں تجھ سے بہتر ہے۔

☆اطمئنان ووقار: جب ایمان انسان کے دل میں راسخ ہو جاتا ہے تو اس کا ثمر یہ نصیب ہوتا ہے کہ اس کا دل اطمئنان اور یقین ورضا کی دولت سے مالامال ہو جاتا ہے، اور اسے دنیاوآخرت کی سعادت مل جاتی ہے، حقیقی مومن اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتا ہے جو کچھ اسے ملا ہے وہ اسے ہر صورت مل کر رہنا تھا، اور جو اسے نہیں ملا وہ اس کے نصیب میں ہی نہیں تھا، اور یہ چیز انسان کو خوشحالی کے وقت شکر ادا کرنے اور تنگی کے وقت صبر کرنے کے مقام پر فائز کردیتی ہے، اور وہ اس بات پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اللہ کا ہر فیصلہ اس کے لئے بہتر ہے، ارشاد باری تعالی ہے: {وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ} " جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: "بندہ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کا سارا معاملہ ہی خیر پر مبنی ہے، یہ بندہ مومن کے علاوہ کسی اور کے لئے نہیں ہے،

اگراسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تووہ شکر کرتاہے،اور یہ اس کے لئے بہتر ہے،اوراگر اسے کوئی تنگی پہنچتی ہے تووہ صبر کرتاہےاور یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے"۔

☆ایمان کے ثمرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایمان انسان کوگناہِ کبیرہ کاارتکاب کرنے سے محفوظ رکھتاہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"زانی جب زنا کررہا ہوتاہے تووہ ایمان کی حالت میں نہیں ہوتا،اور انسان جب شراب پی رہاہوتاہے تو ایمان کی حالت میں نہیں ہوتا،اور جب وہ کوئی سامان چوری کرتاہے جس کی وجہ سے لوگ اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں تووہ ایمان کی حالت میں نہیں ہوتا"

اسی طرح حقیقی مومن اپنے آپ کو ہر اس چیز سے دور رکھتاہے جو دوسرے کے جذبات کے لئے تکلیف کاباعث بنے جیساکہ لوگوں کامذاق اڑانا،ان کے بارے میں برا گمان رکھنا وغیرہ،ارشاد باری تعالی ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَى أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَى أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ} "اے ایمان والو! مرد دوسرے مرد کامذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں کامذاق اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں،اور آپس میں ایک

دوسرے کو عیب نہ لگاؤاور نہ کسی کو برے لقب دو۔ایمان کے بعد فسق برانام ہے،اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں"۔

ایمان انسان کو حسنِ ظن جیسی خوبی سے مزین کر دیتاہے،ارشاد باری تعالی ہے: {لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ} "اسے سنتے ہی مومن مردوں عورتوں نے اپنے حق میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ توکھلم کھلا صریح بہتان ہے"۔

☆ اللہ کی نصرت وتائید کا حصول: سچاایمان بندہ مومن کواللہ کی معیت نصیب کر دیتا ہے،ارشاد باری تعالی ہے: {وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ} "اور بیشک اللہ تعالی مومنوں کے ساتھ ہے"۔

اور اللہ کی معیت نصرت وتائید کا تقاضہ کرتی ہے،ارشاد باری تعالی ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ} "اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گااور تمہیں ثابت قدم رکھے گا"۔ {وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ} "ہم پر مومنوں کی مدد کرنالازم ہے"۔

☆ایمان کے ثمرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی لوگوں کے دلوں میں بندہ مومن کی محبت پیدا کر دیتا ہے: آپ دیکھیں گے کہ حقیقی مومن بڑا شفیق اور نرم مزاج ہوتا ہے، لوگوں کے درمیان الفت پیدا کرتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: {إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا} "بیشک جو ایمان لائے اور اچھے اعمال کئے ان کے لئے رحمن محبت پیدا کر دے گا"۔

جب بندہ مومن سچے دل سے اللہ کی بارگاہ میں متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالی اپنی مخلوق کے دلوں کو اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے، حدیث قدسی ہے کہ: "جب اللہ تعالی کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو نداء دیتا ہے کہ اللہ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے لہذا تو بھی اس سے محبت کر، پس جبریل اس سے محبت کرنے لگتا ہے، اور جبریل آسمان والوں میں منادی کر دیتا ہے کہ اللہ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، اور پھر زمین میں اسے مقبولیت دی جاتی ہے"۔

اسی طرح حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: "میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، اور

جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے، اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرے تو میں ضرور اسے وہ عطا کروں گا، اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو میں ضرور اس کو پناہ دوں گا"۔

☆اسی طرح ایمان غم، پریشانیاں اور تکلیفیں دور کرنے کا سبب ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا میں تمھیں ایسی چیز کے بارے خبر نہ دوں کہ جب تم میں سے کسی شخص پر دنیا کی کوئی پریشانی یا تکلیف آجائے تو اس کے ذریعے دعا مانگے اللہ اس کی تکلیف کو دور کر دے گا؟" عرض کی گئی، جی ہاں، اللہ کے رسول، تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "وہ چیز یونس علیہ السلام کی یہ دعا ہے: لاالہ الاانت سبحانک انی کنت من الظالمین"، اس دعا کے بعد اللہ تعالی نے فرمایا: {فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَلِكَ نُنجِي الْمُؤْمِنِينَ} "ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات دے دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچا لیا کرتے ہیں"۔

برادرانِ اسلام:

ایمان کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ معاشرتی امن وامان کا باعث بنتا ہے، جب حقیقی مومن کے دل میں ایمان راسخ ہو جاتا ہے تو وہ امن و سلامتی کا مرکز بن جاتا ہے، لوگ اپنی جان ومال اور عزت وناموس کے بارے میں اس سے بے خوف ہو جاتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سچا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ ہوں، اور مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان ومال اور عزت کے بارے میں بے خوف ہوں"، پرامن لوگوں کو خوفزدہ کرنا اور ان پر ظلم کرنا مسلمانوں کے اخلاق نہیں ہیں، اگرچہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے کسی ذمی کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا، جبکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے محسوس کی جاتی ہے"۔

جو شخص اپنے پڑوسی کو تکلیف دے، یا اس کے بھوکا ہونے کا علم ہونے کے باوجود خود پیٹ بھر کر سوئے، نبی کریم نے اس کے کامل مومن ہونے کی نفی کی ہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے کہ: "اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے، عرض کی گئی، اے اللہ کے رسول کون مومن نہیں ہے؟، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا جس کے شر سے اس کا پڑوسی

محفوظ نہ ہو"،اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جو اپنے پہلو میں اپنے پڑوسی کے بھوکا ہونے کا علم ہونے کے باوجود اپنا پیٹ بھر کر سوئے"۔

حقیقی ایمان بندہ مومن کو نیک اعمال کرنے اور دوسروں کی مدد کرنے کی ترغیب دیتا ہے، یہ مومن کے اخلاق کی اصلاح کرتا ہے،اور اس کا اثر اس کے طرزِ عمل،اس کے روزمرہ کے معاملات اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ تعامل میں ظاہر ہوتا ہے،وہ اللہ تعالی کی رضا کی خاطر انسانوں، جانوروں اور جمادات کے لئے باعث رحمت بن جاتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: {وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا* إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا} "اور اللہ تعالی کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ تم تو تمہیں صرف اللہ تعالی کی رضامندی کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکر گزاری"۔

ایمان کا سب سے بڑا پھل اللہ تعالی کا آخرت میں مومنوں کے لئے تیارہ کردہ اجر عظیم اور دائمی نعمتیں ہیں، ارشاد خداوندی ہے: {إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُم بِإِيمَانِهِمْ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ} "بیشک جو لوگ ایمان لائے

اور نیک اعمال کئے ان کا رب ان کو ان کے ایمان کے سبب ان کے مقصد تک پہنچائے گا ان کے نیچے جنت کے باغوں میں نہریں جاری ہوں گی"۔

اور حدیث قدسی میں کہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: "میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل پر ان کا خیال گزرا ہے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی {فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ} "کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے پوشیدہ کر رکھی ہے، یہ ان اعمال کا بدلہ ہے جو وہ کیا کرتے تھے"۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اعتقاد، اور قول وفعل سے ایمان کو ثابت کریں تاکہ رحمدلی، باہمی تعاون، سچائی، حیا، سخاوت اور پاکدامنی جیسے اعلی اخلاق عام ہوں، ہم جھوٹ، ملاوٹ، خیانت، غیبت، چغلی، بے حیائی، ظلم اور دوسروں کی آبروریزی جیسے گھٹیا اخلاق سے دور ہوں، اور ہم اپنی جانوں کی حفاظت، اپنے مال کے حقوق اور اپنے وطن کی عزت وناموس کی حفاظت کریں۔

اچھے اور برے عمل کا مفہوم

اللہ تعالی نے انسان کی تکریم فرماتے ہوئے اسے اپنے دستِ قدرت سے بہترین صورت میں پیدا کیا، اس میں اپنی روح پھونکی، عقل کے ذریعے اسے تمام مخلوق پر فوقیت بخشی، تمام فرشتوں سے اس کو سجدہ کرایا، ساری کائنات کو اس کے تابع کر دیا، اور بہت سی مخلوق پر اسے فضیلت عطا فرمائی، ارشاد باری تعالی ہے : { وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي ءَادَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلاً } "یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی"۔

یہ اس لئے کہ اس نے ایک ایسی امانت کی ذمہ داری اٹھائی جو کہ آسمانوں اور زمین پر پیش کی گئی تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے، اور یہ شرعی مکلف بننے کی امانت ہے جو فرض عبادات کے علاوہ جدو جہد، عمل اور زمین کی آبادکاری کا تقاضہ کرتی ہے، ارشاد باری تعالی ہے : { فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا

مِن فَضۡلِ اللّٰہِ وَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا لَّعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ } " پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور بکثرت اللہ کا ذکر کیا کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ"۔

ایک مسلمان کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ وہ اپنی زندگی میں جو بھی عمل کرتا ہے وہ اس کے اچھے یا برے نامہ اعمال میں لکھا دیا جاتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: { فَمَن یَعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَرَہ * وَمَن یَعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَرَہ } " پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا"۔ عمل کا مفہوم ہر اس قول و فعل کو شامل ہے جو ایک انسان سے سرزد ہوتا ہے، اور اچھے عمل کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے لئے ہو، اور پختہ ہو، ارشاد باری تعالی ہے: { وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِیَعۡبُدُوا اللّٰہَ مُخۡلِصِینَ لَہُ الدِّینَ حُنَفَاءَ وَیُقِیمُوا الصَّلَاۃَ وَیُؤۡتُوا الزَّکَاۃَ وَذَلِکَ دِینُ الۡقَیِّمَۃِ } "انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین کو خالص رکھیں۔ ابراہیم حنیف کے دین پر اور نماز کو قائم رکھیں اور زکوۃ دیتے رہیں یہی ہے دین سیدھی ملت کا"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :"اللہ تعالی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کو سرانجام دے تو اسے پختگی سے سرانجام دے"۔

بے شک اسلام میں اچھے عمل کا مفہوم بہت وسیع ہے جو کہ اللہ تعالی کے اپنے بندوں پر فرض کردہ نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ جیسے تمام اعمال کو شامل ہے، یہ تمام اعمال اسلام کے بنیادی ارکان ہے جن کو ادا کرنا ایک مسلمان پر فرض ہے، ارشاد باری تعالی ہے : {یَا أَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا ارْکَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُونَ} "اے ایمان والو ! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور بھلائی کے کام کرو تاکہ تم فلاح پاجاؤ"۔ {وَأَقِیمُوا الصَّلَاۃَ وَآتُوا الزَّکَاۃَ وَأَطِیعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُونَ} "اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ : "صفائی نصفِ ایمان ہے، الحمد اللہ میزان کو بھر دیتا ہے، سبحان اللہ اور الحمد اللہ آسمانوں اور زمین کے درمیانی خلا کو بھر دیتا ہے، نماز نور ہے، صدقہ برہان ہے، صبر روشنی ہے، قرآن یا تو تیسرے حق میں یا

تیسرے خلاف حجت ہے، ہر شخص صبح کے وقت نکلتا ہے، پس وہ اپنے نفس کو بیچنے والا ہے یاتو اس کو آزاد کر دیتا ہے، یا اسے ہلاک کر دیتا ہے"۔

جن اچھے اعمال سے ایک مسلمان کو مزین ہونا چاہیے ان میں سے سچ بولنا، اچھی بات کہنا، اور سلام وغیرہ کو عام کرنا ہے جس کی وجہ سے انسان دوسروں سے مانوس ہوتا ہے اور دوسروں کو مانوس کرتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: { وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ } "اور میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بہت ہی اچھی بات منہ سے نکالا کریں"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے نزدیک تم میں سے محبوب ترین لوگ وہ ہیں جن کے اخلاق سب سے زیادہ اچھے ہیں، جو نرمی و عاجزی سے پیش آتے ہیں، دوسرے سے مانوس ہوتے ہیں اور ان کو مانوس کرتے ہیں"، اور بندہ مومن کی حالت کو بیان کرتے ہوئے آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ: "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے کہ مومن کی مثال شہد کی مکھی کی طرح ہے جو پاکیزہ چیز کھاتی ہے، اور پاکیزہ شہد نکالتی ہے، اور جب کسی ٹہنی پر بیٹھتی ہے تو نہ تو اسے توڑتی ہے اور نہ ہی اسے ضائع کرتی ہے"۔

اچھا عمل کسی ایک پہلو میں ہی منحصر نہیں ہے، بلکہ ہر وہ چیز جو انسانی اخلاق کا باعث بنے، اور ایک ایسے پاکیزہ اور مستحکم معاشرے کی تعمیر میں کردار ادا کرے یہاں پیار و محبت اور باہمی تعاون کا دور دورہ ہو، اور رواداری، محبت اور رحمدلی کی فضا قائم ہو، تو وہ اچھا عمل ہے، اگر کوئی انسان کام کے لئے نکلتا ہے تاکہ وہ حرام کھانے سے اپنے آپ کو بچائے اور اپنی محنت سے اپنی اولاد اور اپنے خاندان کے لئے رزق حاصل کرے تو اسلام نے اسے بھی نیک عمل قرار دیا ہے جس کا اسے اجر عطا کیا جائے گا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو اللہ کی راہ میں نکلنا قرار دیا ہے، ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا، جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کی جسم اور اس کی پھرتی کو دیکھا، تو عرض کی اے اللہ کے رسول، کاش یہ شخص اللہ کی راہ میں ہوتا، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا اگر یہ شخص اپنی چھوٹی اولاد کے لئے زرق کی تلاش میں نکلا ہے تو یہ اللہ کی راہ میں ہے، اور اگر یہ شخص اپنے بوڑھے والدین کے لئے رزق کی تلاش میں نکلا ہے تو یہ اللہ کی راہ میں ہے، اور اگر یہ اپنے لئے رزق کی تلاش میں نکلا ہے جس سے یہ اپنے نفس کو حرام سے بچا سکے تو یہ اللہ کی راہ میں ہے، اور اگر یہ دکھاوے یا فخر کے لئے نکلا ہے تو یہ شیطان کی راہ پر ہے"۔

ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام اپنے کام خود سرانجام دیتے تھے اور اپنے اہلِ خانہ کی خدمت کیا کرتے تھے، ام المومنین سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جوتا خود سیتے تھے، اپنے کپڑوں کو پیوند لگاتے تھے اور اپنے گھر میں اسی طرح کام کرتے تھے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنے گھر میں کام کرتا ہے"، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب انسان ثواب کی نیت سے اپنے اہلِ خانہ پر خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے لئے صدقہ ہے"، اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے کہ : "تم میں سے سب سے اچھا وہ شخص ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے لئے سب سے زیادہ اچھا ہے، اور اور میں اپنے اہلِ خانہ کے لئے تم میں سے سب سے زیادہ اچھا ہوں"۔

اسی طرح ہر وہ کام جس سے انسان کسی دوسرے کو فائدہ پہنچائے خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ، مادی ہو، یا معنوی، وہ بھی ایک نیک عمل ہے، ارشاد باری تعالی ہے: {لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا} "ان کے اکثر خفیہ مشوروں میں کوئی خیر نہیں، ہاں! بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح

کرانے کا حکم کرے اور جو شخص صرف اللہ تعالی کی رضامندی حاصل کرنے کے ارادہ سے یہ کام کرے اسے ہم یقینا بہت بڑا ثواب دیں گے"۔

اسی طرح اصلاح وتعمیر کرنا بھی نیک عمل میں شمار ہوتا ہے، ایک اعلی معاشرے کی تعمیر وترقی میں کردار ادا کرنے والے ہر عمل کو اسلام عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، قرآن کریم میں تقریبا تین سو ساٹھ آیات میں عمل کا ذکر آیا ہے، اللہ تعالی نے ہمارے لئے ان لوگوں کی مثالیں ذکر کی ہیں جو اچھے اعمال سرانجام دیتے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: {هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا} "اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی نے اس زمین میں تمہیں بسایا ہے"۔

یہ آیت اس بات کی تاکید کرتی ہے کہ زراعت، صنعت کاری اور تجارت کرنے والے لوگوں کے لئے ان کی محنت کے عوض بہت بڑا اجر ہے، اور اس کے علاوہ اللہ تعالی نے بہت سے پیشوں کا ذکر بھی کیا ہے جو زندگی میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، لوہے کے پیشے میں ارشاد فرمایا: {وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ} "اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں سخت ہیبت و قوت ہے اور لوگوں کے لئے اور بھی فائدے ہیں"۔

کشتیاں بنانے کے پیشے کے بارے میں ارشاد فرمایا: {فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا} "اور ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے تیار کریں"۔

کپڑے تیار کرنے کے پیشے کے بارے میں ارشاد فرمایا: {وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَمَتَاعًا إِلَى حِينٍ} "اوران کی اون اور روؤں اور بالوں سے بھی اس نے بہت سے سامان اورایک وقت مقررہ تک کے لئے فائدہ کی چیزیں بنائیں"۔ {وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُم بَأْسَكُمْ} "اوراسی نے تمہارے لئے کرتے بنائے ہیں جو تمہیں گرمی سے بچائیں اورایسے کرتے بھی جو تمہیں لڑائی کے وقت کام آئیں"۔

چمڑے کے پیشے کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے: {وَجَعَلَ لَكُم مِّن جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ} "اوراسی نے تمہارے لئے چوپایوں کی کھالوں کے گھر بنادیے ہیں، جنہیں تم ہلکا پھلکا پاتے ہو اپنے کوچ کے دن اوراپنے ٹھہرنے کے دن بھی"۔

نیک عمل صرف اسی عمل تک منحصر نہیں ہے جو لوگوں کے نفع کا باعث بنے، بلکہ یہ ہر اس عمل کو بھی شامل ہے جو جانوروں اور جمادات کے لئے نفع کا باعث بنے، جس

وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک لاغر اونٹ کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا: "ان بے زبان چوپائیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، تندرست چوپائیوں پر سوار ہو کرو، اور انہیں تندرست ہی چھوڑا کرو"، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "ایک آدمی راستے سے گزر رہا تھا، اس نے راستے پر کانٹے کی ٹہنی دیکھی تو اسے راستے سے دور کر دیا، پس اللہ تعالی نے اس کے اس عمل کی قدر دانی کی اور اسے بخش دیا"، اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "میں نے ایک شخص کو جنت میں ایک درخت کے نیچے ٹہلتے ہوئے دیکھا جسے اس نے راستے سے کاٹ دیا تھا کیونکہ وہ لوگوں کے لئے تکلیف کا باعث بنتا تھا"۔

برا عمل ہر اس عمل کو شامل ہے جو اللہ کے غضب کا باعث بنے، اور انسان کو اصلاح کے دائرہ کار سے نکال کر فتنہ وفساد کے دائرہ میں داخل کر دے، جس بنا پر وہ فرض عبادت سے دور ہونا شروع ہو جائے، اور گناہوں اور برائیوں کا ارتکاب کرنا شروع کر دے، جیسا کہ والدین کی نافرمانی کرنا، دوسروں کے مال اور عزت وناموس پر حملہ کرنا، اور اسی طرح انسان کا اپنے خاندان کے متعلق اپنی ذمہ داری میں لاپرواہی کا مظاہرہ کرنا، اپنی اولاد کی دیکھ بھال میں کوتاہی کرنا، اور ان کی اچھی تربیت نہ کرنا، ارشاد باری تعالی ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا} "اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: "انسان کے لئے یہ گناہ ہی کافی ہے کہ وہ اپنی زیرِ کفالت افراد کو ضائع کردے"۔

اسی طرح تخریبی افکار و نظریات عام کرنے، جھوٹی افواہیں پھیلانے اور پر امن لوگوں کو ڈرانے کے ذریعے زمین میں فتنہ وفساد برپا کرنا بھی برے عمل میں شمار ہوتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: {وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا} "اور دنیا میں اس کے بعد کہ اس کی درستی کر دی گئی ہے، فساد مت پھیلاؤ"۔ {إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ} "جو لوگ اللہ تعالی سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا مخالف سمت سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں، یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے، یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت اور خواری، اور آخرت میں ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے"۔ {وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ

إِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِینَ } "اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو، یقین مان کہ اللہ مفسدوں کو ناپسند کرتا ہے"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کی بھلائی کی امید رکھی جائے اور اس کے شر سے محفوظ رہا جائے، اور تم میں سے بدترین شخص وہ ہے جس کی بھلائی امید نہ رکھی جائے اور نہ اس کے شر سے محفوظ رہا جائے"، اسی طرح رستوں پر لوگوں کو تکلیف پہنچانا بہت برا عمل اور گناہ کبیرہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہ نقصان پہنچے اور نہ نقصان پہنچایا جائے۔

اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے کہ: "جس نے مسلمانوں کو ان کے رستوں پر تکلیف پہنچائی تو اس پر ان کی لعنت واجب ہو گئی"۔

اور اسی طرح لوگوں کے درمیان بغض وعدوات پیدا کرنے اور ان کے لئے تکلیف کا باعث بننے والی چیز بھی برا عمل ہے، جیسا کہ غیبت، چغلی، مذاق اڑانا، برے القاب سے پکارنا، گالی گلوچ دینا، اور بری بات وغیرہ کہنا، ان تمام چیزوں سے اسلام نے منع کیا ہے کیونکہ یہ سب انسانی اخلاق اور فطرت سلیمہ کے منافی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے نزدیک تم میں سے سب سے ناپسندیدہ لوگ چغلی کرنے

والے،دوست احباب کے درمیان جدائی کرنے والے اور بے گناہوں کی غلطیاں تلاش کرنے والے ہیں"۔

برادرانِ اسلام:

انسان جو عمل بھی سرانجام دیتا ہے اس کے ثمرات دنیا و آخرت میں اسے نصیب ہوتے ہیں،نیک عمل کا ثمر یہ ہے کہ:

☆اسے دنیاوآخرت میں اچھی زندگی نصیب ہو گی،ارشاد باری تعالی ہے: {مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجۡزِيَنَّهُمۡ اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ} "جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت، لیکن باایمان ہو تو ہم اسے یقینا نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے۔اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں ضرور ضرور دیں گے"۔

☆موت کے بعداس کااجر جاری رہے گا،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: "سات چیزیں ایسی ہیں جن کا اجر انسان کی موت کے بعد بھی اس کے لئے جاری رہتا ہے جبکہ وہ اپنی قبر میں ہوتا ہے، جس نے کوئی سکھایا، یا کوئی نہر نکالی، یا کوئی گڑھا کھودا،

یا کوئی کھجور کا درخت لگایا، یا مسجد بنائی، یا کسی کو قرآن دیا، اور اپنے پیچھے اپنی اولاد چھوڑ گیا جو اس کی موت کے بعد اس کے لئے بخشش طلب کرتی ہے۔

☆اس کے گناہوں کو بخش کر انہیں نیکیوں میں تبدیل کر دیا جائے گا، ارشاد باری تعالی ہے: {وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ} "اور جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ہم ان کے تمام گناہوں کو ان سے دور کر دیں گے اور انہیں ان کے نیک اعمال کا بہترین بدلہ دیں گے"۔

☆اسے بہت بڑا اجر عطا کیا جائے گا اور انبیاء، صدیقین اور شہداء کی سنگت نصیب ہو گی، ارشاد باری تعالی ہے: {إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا} "اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے یقیناً ان کے لئے الفردوس کے باغات کی مہمانی ہے"۔

جس طرح نیک عمل کے ثمرات ملتے ہیں، اسی طرح برے عمل کے اثرات بھی دنیا و آخرت میں اس گناہگار شخص پر مرتب ہوتے ہیں، برے عمل کے اثرات یہ ہیں کہ

☆ وہ انسان گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: {أَفَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ} "کیا پس وہ شخص جس کے لئے اس

کے برے اعمال مزین کر دیئے گئے ہیں پس وہ انہیں اچھا سمجھتا ہے (کیا وہ ہدایت یافتہ شخص جیسا ہے)، (یقین مانو) کہ اللہ تعالی جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے راہ راست دکھاتا ہے"۔

☆اس کی زندگی پریشانی اور اضطراب میں مبتلا رہتی ہے، ارشاد باری تعالی ہے: {وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا} "اور جو ہماری یاد سے رو گردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی"۔

اور قیامت کے دن اس کا بہت برا ٹھکانہ ہو گا، ارشاد باری تعالی ہے: {إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا} "جو لوگ ناحق ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ میں جائیں گے"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے تھوڑی سی زمین پر بھی ناحق قبضہ کیا، تو قیامت کے دن اسے اسی کے ساتھ ساتوں زمینوں میں دھنس دیا جائے گا"۔

آج ہمیں کس قدر ضرورت ہے کہ ہم ہر نفع بخش بھلائی کا کام کریں، اور ہر نقصان دہ برے کام سے دور رہیں، اور حق کی ایک دوسرے کو وصیت کریں اور باہمی تعاون کریں، ارشاد باری تعالی ہے: {وَالْعَصْرِ * إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ * إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ} "زمانے کی قسم۔ بیشک انسان سرتاسر نقصان میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور (جنہوں نے) آپس میں حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی"۔

انسانی نفوس کو راہِ حق پر قائم رکھنے میں اللہ کے ذکر کی اہمیت

اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو بکثرت ذکر کرنے کا حکم دیا ہے اور اس پر اجرِ عظیم کا ان سے وعدہ فرمایا ہے، اللہ تعالی نے قرآن کریم کے متعدد مقامات پر ذکر کا حکم دیا ہے ارشاد خداوندی ہے: { يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا * وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا } ، "اے ایمان والو! بکثرت اللہ کا ذکر کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو"۔ دوسری جگہ پر ارشاد باری ہے: { وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا } ، "اور بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، اللہ نے ان سب کے لئے بخشش اور عظیم اجر تیار فرما رکھا ہے"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کو بکثرت اللہ کا ذکر کرنے کی ترغیب فرمائی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "کیا میں تم کو یہ خبر نہ دوں کہ تمہارا کون سا عمل سب سے اچھا ہے اور تمہارے رب کے نزدیک سب سے پاکیزہ ہے اور تمہارے درجات میں سب سے زیادہ بلند ہے اور تمہارے لئے سونے اور چاندی کو خرچ کرنے سے بہتر ہے اور اس سے افضل ہے کہ تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو اور تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں، صحابہ نے عرض کی: کیوں نہیں! آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا ذکر "،اور جب ایک شخص نے نبی کریم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اے اللہ کے رسول اسلام کے احکام میرے لئے بہت زیادہ ہیں مجھ کو ایسا عمل بتایئے جس پر میں پابندی سے عمل کروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر بہ تر رہے"۔

اللہ کا ذکر دلوں کو زندہ کرتا ہے، روح کو تازگی بخشتا ہے اور اللہ تعالی کی بارگاہ میں سب سے زیادہ محبوب کلام ہے، ابو موسی اشعری رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور جو ذکر نہیں کرتا، ان کی مثل زندہ اور مردہ کی طرح ہے"۔اور مسلم کی ایک حدیث کے الفاظ ہیں کہ "جس گھر میں اللہ کا ذکر کیا جائے اور جس گھر میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے، ان کی مثال زندہ اور مردہ کی طرح ہے"۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے تو میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اللہ تعالی کے نزدیک سب سے زیادہ کون سا کلام محبوب ہے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کلام کو اللہ تعالی نے اپنے فرشتوں کے لئے منتخب فرمالیا ہے "سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ وبحمدہ"۔اور حضرت

سَمُرہ بن جُندَب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالی کی بارگاہ میں سب سے محبوب کلام چار ہیں: سبحان اللہ، الحمد للہ، لاالہ الا اللہ، اور اللہ اکبر"۔

اللہ کا ذکر ایک ایسی عبادت ہے جو ہر حال میں انسان پر لازم ہے اور ایک مسلمان ہر وقت اور ہر حال میں اس کو ادا کرنے کا پابند ہے، ارشاد خداوندی ہے: {إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ * الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ} "بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور شب و روز کی گردش میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے بہت سے اذکار اور دعائیں بیان فرمائی ہیں جن کی پابندی کرنا ایک مسلم کے لئے ضروری ہے، حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب صبح ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے "اے اللہ تیرے نام کے ساتھ ہم نے صبح کی اور تیرے نام کے ساتھ ہم نے شام کی تیرے نام پر ہم زندہ رکھتے ہیں اور تیرے نام پر ہم مریں گے اور تیری طرف ہی اٹھنا ہے" اور

جب شام ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے "اے اللہ تیرے نام کے ساتھ ہم نے شام کی اور تیرے نام کے ساتھ ہم نے صبح کی، تیرے نام پر ہم زندہ رکھتے ہیں اور تیرے نام پر مریں گے اور تیری طرف ہی لوٹنا ہے"، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس شخص نے صبح کے وقت یہ کہا کہ :اے اللہ ! مجھے یا تیری مخلوق میں سے کسی شخص کو جو نعمت نصیب ہوئی وہ صرف تیری طرف سے ہے تیرا کوئی شریک نہیں ہے، تمام تعریفیں تیرے لئے ہے اور تیری ذات ہی شکر کی مستحق ہے تو اس شخص نے اس دن کا شکر ادا کر دیا"، اور جس شخص نے شام کے وقت بھی ایسا ہی کہا تو اس نے اس رات کا شکر ادا کر دیا اور یہ کتنی اچھی چیز ہے کہ انسان اپنے دن کا آغاز اور اس کا اختتام اللہ کے ذکر سے کرے اور صبح وشام کے دوران اپنے رب کے ذکر کی پابندی کرے۔

اسی طرح گھر سے نکلتے وقت اور گھر میں داخل ہوتے وقت کی دعائیں بھی حدیث میں وارد ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے گھر سے نکلتے وقت یہ کہا کہ : بسم اللہ توکلت علی اللہ، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ تو اس سے کہا جائے گا تجھے سیدھی راہ دکھائی گئی ہے اور شر سے بچا لیا گیا ہے اور شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے" ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی گھر سے نکلتے

تو اپنے دستِ مبارک آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتے کہ اے اللہ میں اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں راستہ بھٹک جاؤں یا کوئی مجھے راستہ بھلا دیا جاؤں، میں پُھسل جاؤں یا میں پھسلا دیا جاؤں، میں کسی پر ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے، میں کسی چیز سے غافل رہوں یا مجھے غافل رکھا جائے"، اور گھر میں داخل ہوتے وقت دعا مانگنے کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ: جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہو تو انہیں یہ کہنا چاہیے کہ: اے اللہ ! میں تجھ سے بہترین مدخل اور بہترین مخرج کا سوال کرتا ہوں، اللہ کے نام پر ہم داخل ہوئے اور اللہ کے نام پر ہم باہر نکلے اور اپنے پروردگار اللہ پر ہم نے بھروسہ کیا اور پھر وہ اپنے اہلِ خانہ کو سلام کرے"، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم میں سے کوئی شخص ہر روز ایک ہزار نیکیاں کرنے سے عاجز ہے؟ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک نے سوال کیا: ہم میں سے کوئی شخص ایک ہزار نیکیاں کیسے کر سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ سو مرتبہ سبحان اللہ کہے اس کے لئے ایک ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی یا اس کے ایک ہزار گناہ مٹا دیے جائیں گے"۔

اسی طرح کھانے پینے کے وقت پڑھی جانے والی دعائیں بھی احادیث میں وارد ہوئی ہیں جیسا کہ کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا اور آخر میں الحمد اللہ کہنا، عمر بن ابی سلمہ

رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ کی گود میں چھوٹا بچہ تھااور میرا ہاتھ پلیٹ میں گھوم رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: "اے بچے! اللہ کے نام سے شروع کر، اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھااور اپنی طرف سے کھا" اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھا لیتے تو فرماتے: "تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے جس نے ہمیں کھانا کھلایا اور ہمیں پانی پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا"۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بازار میں داخل ہوتے وقت کی دعا بتائی اور اس پر اجر عظیم کو بیان فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بازار میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھی کہ: "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک، ولہ الحمد، یحی و یمیت، وھو حی لا یموت، بیدہ الخیر کلہ، وھو علی کل شئ قدیر، تو اس کے لئے دس لاکھ نیکیاں لکھی دی گئیں اور اس کے دس لاکھ گناہ مٹا دیئے گئے اور اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنادیا گیا"۔

اسی طرح ایک مسلمان کو کوئی اچھی چیز نظر آئے تو اسے یہ کہنا چاہیے کہ: "ماشاءاللہ، لا قوۃ الا باللہ"، ارشاد باری ہے: {وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ}، "اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے کیوں نہیں کہا: "ماشاءاللہ لا قوۃ الا باللہ"۔

جب وہ مصیبت میں مبتلا کسی شخص کو دیکھے تو اسے خاموشی سے اللہ کی حمد و ثنا کرنی چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے مصیبت میں مبتلا کسی شخص کو دیکھا اور کہا کہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے جس نے مجھے اس مصیبت سے عافیت میں رکھا جس میں تجھے مبتلا کیا ہے اور مجھے اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت بخشی تو اسے اس مصیبت سے محفوظ رکھا جائے گا چاہے وہ کوئی بھی ہو"،

مصیبت کے وقت بھی ایک مومن کو اللہ کے ذکر کی پناہ لینی چاہیے، ارشاد باری تعالی ہے: {وَذَا النُّونِ إِذ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ * فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَٰلِكَ نُنجِي الْمُؤْمِنِينَ} "اور ذوالنون جب وہ (اپنی قوم پر) غضبناک ہو کر چل دیئے پس انہوں نے یہ خیال کر لیا کہ ہم اس پر قادر نہیں ہے پھر اس نے تاریکیوں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری ذات پاک ہے، بیشک میں زیادتی کرنے والوں میں سے تھا۔ پس ہم نے اس کی دعا قبول فرمالی اور ہم نے انہیں غم سے نجات بخشی اور اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیا کرتے ہیں"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مصیبت کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے کہ: "اللہ عظیم، حلیم کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اللہ

تعالیٰ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے اور عرش کا رب ہے"۔

یہ چند اذکار اور دعائیں ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے بیان فرمائی ہیں، جس شخص نے ان کو پابندی سے پڑھا تو یہ اس کے لئے ہدایت، غفلب سے نجات اور شیطان سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہوں گی، ارشاد باری ہے : {اللهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللهِ ذَلِكَ هُدَى اللهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُضْلِلِ اللهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ} "اللہ ہی نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے، جو ایک کتاب ہے جس کی باتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں (جس کی آیتیں) بار بار دہرائی گئی ہیں، جس سے ان لوگوں کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کی جلدیں اور دل نرم ہو جاتے ہیں اللہ کے ذکر کی طرف۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کے ذریعے ہدایت دیتا ہے۔ اور اللہ جسے گمراہ کر دیتا ہے تو اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں ہے"۔ دوسری جگہ پر ارشاد باری ہے: {وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ} "اور اپنے رب کا ذکر کرو اپنے دل

میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ڈرتے ہوئے اور میانہ روی سے، صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی، اور غافلوں میں سے نہ ہو جاؤں"۔ اور اللہ تعالی کا فرمان ہے: {وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ} "اور جو شخص رحمان کے ذکر سے صرفِ نظر کرلے تو ہم اس کے لئے ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے"۔

برادرانِ اسلام:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک اللہ کا ذکر ایک ضابطہ حیات کی حیثیت رکھتا تھا جسے وہ عملی طور پر اپنی زندگیوں میں نافذ کرتے تھے، ان کے معاشرے میں خوفِ خدا کو پیش نظر رکھتا جاتا اور ظلم وزیادتی سے دور رہا جاتا تھا، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو قضا کے منصب کی ذمہ داری سونپی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک سال تک اس منصب پر فائز رہے لیکن ایک شخص بھی کوئی مقدمہ لے کر نہ آیا اور جب آپ نے منصب قضا کو ترک کرنے کا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا اے عمر! کیا منصب قضا کی مشقت کی وجہ سے چھوڑنا چاہتے ہو؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے خلیفہ

رسول! ایسی بات نہیں ہے لیکن میں تو اس لئے چھوڑنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کو میری ضرورت نہیں ہے، ان میں سے ہر فرد کو اپنے حق کا علم ہے اس لئے وہ اپنے حق سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کرتا، اور ہر فرد کو اپنی ذمہ داری کا علم ہے اس لئے وہ اس کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتا، ان میں سے ہر کوئی اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرتا ہے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے، اور جب ان میں سے کوئی غائب ہوتا ہے تو وہ اس کے مشتاق ہوتے ہیں اور جب وہ بیمار ہوتا ہے تو وہ اس کی عیادت کرتے ہیں اور جب اس پر غربت آتی ہے تو وہ اس کی مدد کرتے ہیں اور جب اسے کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اس کے ساتھ تعاون کرتے ہیں اور جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اس سے تعزیت کرتے ہیں اور اس کو تسلی دیتے ہیں، ان کا دین نصیحت ہے اور ان کا اخلاق نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہے، پس وہ کسی چیز میں جھگڑا کر سکتے ہیں ؟۔

جب ایک مسلمان اللہ کے ذکر کو اپنے دل میں پختہ کر دیتا ہے، اپنی زبان سے اس کا ورد کرتا ہے اور اس کو عملی طور پر اپنے اعضائے بدنیہ پر نافذ کرتا ہے تو اس کے نفس کو راہ حق پر استقامت نصیب ہو جاتی ہے، اسے اللہ تعالی کی خوشنودی نصیب ہو جاتی ہے، اللہ تعالی اس کے رزق میں برکت ڈال دیتا ہے، اس کے سارے غم ختم ہو جاتے ہی۔

قرآن کریم اور اخلاقی اقدار

قرآن کریم میں عظمت کے بے شمار پہلو مذکور ہیں، قرآن کریم اللہ کی مضبوط رسی ہے، یہ وہ مینارہ نور اور صراط مستقیم ہے جس میں نہ تحریف ہو سکتی ہے، نہ اس میں باطل آ سکتا ہے، نہ مرورِ زمان کے ساتھ اس کے تابانیاں ماند پڑ سکتی ہے اور نہ ہی اس کے عجائب ختم ہو سکتے ہیں، جس نے قرآن کی بات کی اس نے سچ بولا، جس نے اس پر عمل کیا وہ اجر پا گیا، جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے عدل وانصاف کیا، اور جس نے اس کی دعوت دی اسے سیدھے راستے کی ہدایت دی گئی، ارشاد باری تعالی ہے: {وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ} "اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا شافی بیان ہے، اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لئے"۔ {مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ} "ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی"۔

قرآن میں عظمت کا ایک پہلو یہ ہے کہ اس نے ان اصول وضوابط اور اخلاق واقدار کے ذریعے قوموں اور افراد کی اخلاقی تربیت کا اہتمام کیا ہے جو انسانی سلوک کو منظم کرتی ہیں، اور ایک ایسے معاشرے کو جنم دیتی ہیں جس میں پاکیزہ دل اور اعلی نفوس کے

مالک انسان پرورش پاتے ہیں، وہ آپس کے معاملات صداقت، امانتداری، رحمدلی اور عدل وانصاف کے ساتھ طے کرتے ہیں، ان میں سے ہر شخص لوگوں میں اختلاف رائے پائے جانے، پرُامن بقائے باہمی، دوسرں کے احترام، اور دین کے ذریعے دنیا کو آباد کرنے کے قانون پر یقین رکھتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: {يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ} "اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے اور قبیلے بنا دیئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے"۔ {وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ * إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ...} "اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی راہ پر ایک گروہ بنا دیتا۔ وہ تو برابر اختلاف کرنے والے ہی رہیں گے۔ بجز ان کے جن پر آپ کا رب رحم فرمائے"۔ {هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا} "اسی نے تمہیں زمیں سے پیدا کیا اور اس میں تمہیں آباد کیا"۔

قرآن کریم کی آیتوں میں غور وفکر کرنے والا شخص اس حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے کہ قرآن کریم نے جن اخلاقی اقدار کی دعوت دی ہے وہ کسی عیش وعشرت یا تحسینیات کا نام نہیں ہے جن سے بالکل مستغنی ہونا، یا صرف بعض معاشروں میں ان پر عمل کرنا ممکن ہو، بلکہ یہ ایسی دائمی اقدار کا مجموعہ ہے جو زمان و مکان کے تبدیل ہونے سے تبدیل نہیں ہوتی، اس بات پر اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ یہ اخلاقی اقدار ایک ضابطہ حیات ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عملی زندگی میں نافذ کیا، اور اس کی دعوت اور ترغیب دی، ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے سائل کے سامنے مختلف اخلاق گننا شروع نہیں کر دیے، بلکہ قرآن کی طرف اشارہ کیا، قرآن کریم اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: {وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ} "بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں"۔

اس آیتِ کریمہ کے بارے میں سعد بن ہشام بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا اے ام المومنین کیا تم مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کے بارے نہیں بتاؤ گی، آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تم قرآن پڑھتے ہو؟ میں

نے کہا، جی ہاں، آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس فرمان میں اس بات کی تاکید ہے کہ قرآن کریم بشمولِ عقائد، احکام، عبادات اور معاملات کے بنیادی طور پر انسان کی اخلاقی تربیت کے لئے ایک مضبوط دعوت کا نام ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے تمام تر معاملات میں اس کا بہترین نمونہ ہیں۔

قرآن کریم نے جس اخلاقی اقدار کی دعوت دی ہے ان میں سے چند اہم اخلاقی اقدار درج ذیل ہیں:

☆ انسان کا احترام کرنا، اس کی عزت وناموس کی حفاظت کرنا اور اس کی بے حرمتی نہ کرنا: اللہ کریم نے قرآن کریم میں مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہر اس قول وفعل سے باز رکھیں جو لوگوں کے احساسات وجذبات کے لئے تکلیف کا باعث بنے، جیسا کہ مذاق اڑانا، اور بدگمانی کرنا، ارشادِ باری تعالی ہے: { يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ } "اے ایمان والو! مرد دوسرے مرد کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان

سے بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں، اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ کسی کو برے لقب دو۔ ایمان کے بعد فسق برا نام ہے، اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں۔ {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ} "اے ایمان والو! بہت بد گمانیوں سے بچو یقین مانو کہ بعض بد گمانیاں گناہ ہیں۔ اور بھید نہ ٹٹولا کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے"۔

قرآن کریم تمام گھٹیا اخلاق اور کینہ و بغض سے دلوں کو پاک رکھنے اور بد گمانی نہ کرنے کا حکم دیتا ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: {لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ} "اسے سنتے ہی مومن مردوں عورتوں نے اپنے حق میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو کھلم کھلا صریح بہتان ہے"۔

☆ باہمی تعاون، باہمی کفالت اور رحمدلی: قرآن کریم نے معاشرے کے تمام افراد کو نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے سے تعاون کرنے کا حکم دیاہے، ارشادِ باری تعالی ہے: {وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ} "نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ اور ظلم وزیادتی میں تعاون نہ کرو"۔

معاشرے کے افراد کے درمیان باہمی تعاون ملک کے استحکام اور معاشرے میں امن وامان کی بحالی کا ایک اہم سبب ہے، ہر انسان کی کچھ ضروریات ہوتی ہیں جن کے حصول کے لئے وہ تگ ودو کرتاہے، اگر معاشرے میں باہمی کفالت کا جذبہ پیدا ہو جائے تو وہ ان ضروریات کے حصول میں مطمئن ہو جائے گا اور اسے سکون کی دولت نصیب ہو جائے گی، بلکہ وہ بھی اپنی استطاعت کے مطابق معاشرے میں باہمی کفالت کو پروان چڑھانے میں اپنے حصے کا کردار ادا کرے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیثِ مبارکہ میں باہمی تعاون کی اہمیت کو بیان فرمایاہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے کہ "مسلمان باہمی محبت، رحمدلی، اور شفقت میں ایک جسم کی مانند ہیں، جب اس کا ایک حصہ درد کی شکایت کرتاہے تو سارا جسم بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتاہے" اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے، اور نہ اسے چھوڑتا ہے، جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے، اللہ اس کی ضرورت پوری کرتا ہے، جو کسی مسلمان کی مشکل دور کرتا ہے اللہ قیامت کے دن کی مشکلوں میں سے ایک مشکل اس سے دور کر دے گا، اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالی قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا"۔

☆ غور و فکر اور تدبر: اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو زمین و آسمان میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے اور غور و فکر کرنے والوں کی تعریف کی ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: {إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ * الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ} "آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقینا عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ جو اللہ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور آسمانوں و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! تم نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا، تو پاک ہے پس ہمیں

آگ کے عذاب سے بچالے"۔ {أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ} "اور کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کے عالم میں غور نہیں کیا"۔

اللہ تعالی نے ہمارے لئے غور وفکر اور تدبر کے دروازے کو کھولا چھوڑا ہے ارشادِ باری تعالی ہے : {اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا} "اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کر رکھا ہے کہ تم انہیں دیکھ رہے ہو"۔ {قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِن جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُم بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ أَفَلَا تُبْصِرُونَ} " پوچھیئے! کہ یہ بھی بتادو کہ اگر اللہ تعالی تم پر ہمیشہ قیامت تک دن ہی دن رکھے تو بھی سوائے اللہ تعالی کے کوئی معبود ہے جو تمہارے پاس رات لے آئے؟ جس میں تم آرام حاصل کرو، کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو؟"۔

اسی طرح اللہ تعالی نے ہمیں خود اپنی ذات میں غور وفکر کرنے کا حکم دیا ہے، ارشادِ باری تعالی ہے : {أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ} "کیا ان لوگوں نے خود اپنی ذات میں غور نہیں کیا؟" {وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ * وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ} "اور یقین والوں کے لئے تو زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔اور خود تمہاری ذات میں بھی، تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟"۔

اللہ تعالی نے انسان کے نفع کا باعث بننے والی ہر چیز میں غور وفکر کرنے کی ہمیں اجازت دی ہے، اور یہ غور وفکر کرنا ایک عبادت ہے جس کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سمجھا، اور اس مقصد تک رسائی حاصل کی، حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک گھڑی کا غور وفکر پوری رات کے قیام سے بہتر ہے، وھب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے طویل غور وفکر کیا اس نے چیز کو سمجھ لیا، اور جس نے سمجھ لیا اس نے جان لیا، اور جس نے جان لیا اس نے عمل کیا۔

☆ باہمی مکالمہ اور دوسروں کا احترام: قرآن کریم کی بہت سے آیات لوگوں کی زندگی میں باہمی مکالمہ کی اہمیت کی طرف امت مسلمہ ہی کیا پوری انسانیت کی راہنمائی کرتی ہے، باہمی مکالمہ ایک ایسا اسلوب ہے جسے اللہ تعالی نے اپنے نبیوں کے لئے پسند فرمایا ہے تاکہ وہ اس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے تمام لوگوں تک اپنے رب کا پیغام پہنچائیں، کیونکہ اسلام مذہبی آزادی پر ایمان رکھتا ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: { لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ قَدۡ تَّبَیَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَیِّ } "دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے"۔

اللہ کے نبی نوح علیہ السلام نے دعوتِ دین کی راہ میں اپنی طویل زندگی کے ایک موقع پر اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: {..يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَانِي رَحْمَةً مِّنْ عِندِهِ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ أَنُلْزِمُكُمُوهَا وَأَنتُمْ لَهَا كَارِهُونَ} "اے میری قوم! مجھے بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کسی دلیل پر ہوا اور مجھے اس نے اپنے پاس کی کوئی رحمت عطا کی ہو، پھر وہ تمہاری نگاہوں میں نہ آئی تو کیا زبردستی میں اسے تمہارے گلے منڈھ دوں، حالانکہ تم اس سے بیزار ہو"۔

اور اللہ کے نبی ابراہیم علیہ السلام منطقی گفتگو کے ذریعے ظالم حکمران پر حجت قائم کرتے ہیں جس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ کریم نے فرمایا: {أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ} "کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جو سلطنت پا کر ابراہیم (علیہ السلام) سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا، جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے، وہ کہنے لگا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں، ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اللہ تعالی سورج کو مشرق کی طرف سے لے آتا ہے تو اسے

مغرب کی جانب سے لے آ۔اب تو وہ کافر بھونچکارہ گیا، اور اللہ تعالی ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا"۔

اور فرعون کے ساتھ مکالمہ میں موسی علیہ السلام نے بھی یہ اسلوب اختیار کیا، اس بارے میں ارشادِ باری تعالی ہے: {قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ * قَالَ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ * قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُونَ * قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ * قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ * قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ * قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ} "

فرعون نے کہا رب العالمین کیا (چیز) ہے؟۔ موسی (علیہ السلام) نے فرمایا وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے، اگر تم یقین رکھنے والے ہو۔ فرعون نے اپنے ارد گرد والوں کو کہا کہ کیا تم سن نہیں رہے؟۔ موسی (علیہ السلام) نے فرمایا وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا پرودگار ہے۔ فرعون نے کہا (لوگو) تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یہ تو یقینا دیوانہ ہے۔ موسی (علیہ السلام) نے فرمایا وہی مشرق و مغرب کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے، اگر تم عقل

رکھتے ہو۔ فرعون کہنے لگا سن لے ! اگر تونے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں ڈال دوں گا"۔

قرآن کریم نے باہمی مکالمہ کو جو اہمیت دی ہے یہ دراصل رنگ، نسل، دین، عصبیت وغیرہ سے قطعِ نظر انسانی شعور کو بلند کرنے اور دوسروں کا احترام کرنے کی ایک دعوت ہے، کیونکہ قرآن کریم نے جنسِ بشریت کو صرف اور صرف انسانیت کی وجہ سے تکریم بخشی ہے، اور ان کی اصل ایک ہونے کا ذکر کیا ہے اگرچہ ان کی جنس مختلف ہی کیوں نہ ہو، ارشادِ باری تعالی ہے : {وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا} "یقیناہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔ {يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا} "اے لوگو ! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں، اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک

دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو بے شک اللہ تعالی تم پر نگہبان ہے"۔

برادرانِ اسلام:

قرآن کریم نے جن اخلاقی اقدار کی دعوت دی ہے ان میں سے ایک اپنے نفس اور غصے کو کنڑول کرنا ہے، یہ بات معلوم ہے کہ انسان کو بعضِ اوقات زندگی میں ایسے حالات وواقعات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کی وہ سے اس کو غصہ آجاتا ہے اور اس کا نفس مشتعل ہو جاتا ہے، لہذا قرآن کریم نے بہت سے مقامات پر اپنے نفس اور غصے کو کنڑول کرنے اور عفو ودر گزر کو اختیار کرنے کی دعوت دی ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: {وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ} "اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جو لوگ آسانی میں اور سختی کے موقعہ پر بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، غصہ پینے والے اور لوگوں سے در گزر کرنے والے ہیں، اللہ تعالی ان نیک کاروں سے محبت کرتا ہے"۔ {وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ

مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَى وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ} "تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں انہیں اپنے قرابت داروں اور مسکینوں اور مہاجروں کو فی سبیل اللہ دینے سے قسم نہ کھا لینی چاہیے، بلکہ معاف کردینا اور درگزر کرلینا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالی تمہارے قصور معاف فرمادے؟ اللہ تعالی بہت معاف فرمانے والا مہربان ہے"۔ {وَلا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ} "نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست۔ اور یہ بات انہیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں اور اسے سوائے بڑے نصیبے والوں کے کوئی نہیں پاسکتا"۔ {فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ} "اور جو معاف کردے اور اصلاح کرلے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے"۔

☆اسی طرح آپس میں صلح کرنا بھی ان اہم اخلاقی اقدار میں سے ایک ہے جن کی قرآن کریم نے دعوت دی ہے: قرآن کریم کی کتنی ہی آیات ہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم دیتی ہے، اور صلح کرانے والوں کو اجرِ عظیم کی بشارت دیتی ہے، ارشاد

باری تعالیٰ ہے: {لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا} "ان کے اکثر خفیہ مشوروں میں کوئی خیر نہیں، ہاں! بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے اور جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے ارادے سے یہ کام کرے اسے ہم یقینا بہت بڑا ثواب دیں گے"۔

{فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ} "ہاں جو شخص وصیت کرنے والے کی جانب داری یا گناہ کی وصیت کر دینے سے ڈرے پس وہ ان میں آپس میں اصلاح کرادے تو اس پر گناہ نہیں، اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے"۔

{وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَى، قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ، وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ، وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ} "اور آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ ان کی خیر خواہی بہتر ہے، تم اگر ان کا مال اپنے مال میں ملا بھی لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں، بدنیت اور نیک نیت ہر ایک کو اللہ خوب جانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا، یقینا اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے"۔

اور اللہ تعالی نے ان لوگوں سے سخت متنبہ کیا ہے جو لوگوں کے درمیان فساد پھیلاتے ہیں، ارشادِ باری تعالی ہے: { وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ * وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ * وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ } " بعض لوگوں کی دنیاوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کر دیتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ بناتا ہے، حالانکہ دراصل وہ زبردست جھگڑالو ہے۔ جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اللہ تعالی فساد کو ناپسند کرتا ہے۔ اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو تکبر اور تعصب اسے گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے، ایسے کے لئے بس جہنم ہی ہے اور یقیناً وہ بدترین جگہ ہے"۔

آج ہمیں کسی قدر اشد ضرورت ہے کہ ہم ان اخلاقی اقدار پر عمل کریں جن کی قرآن کریم نے دعوت دی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی زندگی میں عملی طور پر نافذ کیا ہے، تاکہ ہم اس تہذیب و ترقی تک رسائی حاصل کر سکیں جن تک ہمارے آباء واجداد نے رسائی حاصل کی تھی۔

سورۂ حجرات اور انسانی اقدار

قرآن کریم کی بہت سی آیات میں مکارم اخلاق اور اعلی انسانی اقدار کا ذکر کیا گیا ہے، بلکہ بعض پوری سورتیں ہی ایک اعلی اور بہترین معاشرے کے اصول وضوابط وضع کرنے کے لئے نازل ہوئی ہیں، جیسا کہ سورۂ حجرات ہے جس میں بہت سے اعلی اخلاق اور انسانی اقدار کا ذکر کیا گیا ہے، جن میں سے چند اخلاق اور انسانی اقدار کا ہم یہاں ذکر کرتے ہیں:

☆ تمام امور میں تحقیق و تمحیص کام لینا، بالخصوص جب معاملہ لوگوں سے تعلق رکھتا ہو تو اس وقت تحقیق کرنا اور بھی زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے، ارشاد باری ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ} "اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ"۔ اسلام ہر چیز کی بنیاد تحقیق اور یقین پر رکھتا ہے، جب وقت ہدہد سلیمان علیہ السلام کے ایک ایسی قوم کی خبر لے کر آیا جو اللہ کو چھوڑ کر سورج کی پوجا کرتے ہیں، اور اس نے اسے ایک بہت بڑی خبر قرار دیا، تو سلیمان علیہ السلام نے اس کی بات کو من وعن قبول

نہیں کر لیا، بلکہ اس کی تحقیق و تفتیش کی، اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ان کی زبانی ارشاد فرمایا: {قَالَ سَنَنظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ} "سلیمان نے کہا: اب ہم دیکھیں گے کہ تونے سچ کہا ہے یا تو جھوٹا ہے"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "آدمی کے لئے یہ گناہ ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو آگے بیان کر دے"، امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عموما انسان سچی جھوٹی باتیں سنتا رہتا ہے، پس اگر وہ ہر سنی سنائی بات کو آگے بیان کر دے گا تو وہ ایسی بات کہنے کی وجہ سے جھوٹا ہو جائے جس کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں ہے، اور ایک شخص عمر بن عبدالعزیز کے پاس آیا اور کسی دوسرے شخص کے بارے میں کوئی بات ذکر کی، عمر بن عبدالعزیز نے کہا: اگر تو چاہے تو ہم تیری بات کی تحقیق کرتے ہیں، پس اگر تو جھوٹا ہوا تو تیرا شمار ان لوگوں میں ہوگا جن کے بارے میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: {إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا} "اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو"۔ اور اگر تو سچا ہوا تو تیرا شمار ان لوگوں میں ہوگا جن کے بارے میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: {هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ} "بے وقار، کمینہ عیب گو، چُغَل خور"۔ اور اگر تو چاہے تو ہم تجھ سے در گزر کرتے ہیں، اس نے کہا:

اے امیر المومنین! مجھے معاف کرو، میں دوبارہ کبھی ایسا نہیں کروں گا،اگر ہم میں سے ہر شخص کوئی حکم صادر کرنے، یا اپنے تک پہنچنے والی ہر بات کو پھیلانے سے پہلے تحقیق و تفتیش کرلے تو جھوٹی افواہوں کا کوئی اثر باقی نہیں رہے گا،اوراور لوگوں کے درمیان جھوٹی افواہوں کو ہوا دینے والے ختم ہو جائیں گے۔

☆غیبت سے دور رہنا: ارشاد باری ہے: {وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ} "اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے ؟تم کو اس سے گھن آئے گی،اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے"۔اور ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے ؟)، صحابہ نے عرض کی، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: (غیبت تیرا اپنے بھائی کے بارے میں ایسی بات ذکر کرنا ہے جسے وہ ناپسند کرتا ہو)، عرض کی گئی کہ یہ بتائیں کہ اگر وہ بات میرے بھائی میں پائی جائے جو میں اس کے بارے میں کہہ رہا ہوں ؟، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: (اگر اس میں وہ بات پائی جائے جو تو کہہ رہا ہے تو تو نے

اس کی غیبت کی، اور اگر وہ بات اس میں نہ ہو تو تو نے اس پر بہتان باندھا)، انسان اسی وقت لوگوں کی غیبت کرنے لگتا ہے جب وہ اپنے عیبوں کو چھوڑ کر لوگوں کے عیبوں پر نگاہ رکھنے میں مشغول ہو جاتا ہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "تم میں ایک شخص کو اپنے بھائی کی آنکھ میں ایک تِنکا بھی نظر آ جاتا ہے، جبکہ اپنی آنکھ میں پورا تنا بھول جاتا ہے"۔ بلکہ انسان اس بات کا پابند ہے کہ وہ اپنے بھائی کی عزت کا دفاع کرے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے اپنے بھائی کی عزت کا دفاع کیا اللہ تعالی قیامت کے دن اس کے چہرے سے جہنم کی آگ دور کر دے گا"۔

☆ عیب جوئی سے پرہیز کرنا: ارشاد باری ہے: {وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ} "اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ"۔ دوسری جگہ پر ارشاد باری ہے: {وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ} "بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو عیب ٹٹولنے والا غیبت کرنے والا ہے"۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں، ان پر عیب لگاتے ہیں، انہیں ناپسندیدہ ناموں اور القابات سے پکارتے ہیں، اس آیت میں لوگوں پر نکتہ چینی کرنے اور عیب جوئی کرنے والوں کو متنبہ کیا گیا ہے اور ان کو سخت وعید سنائی گئی ہے، ابن مسعود بیان

کرتے ہیں کہ: "جس وقت ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا تو ہم ایک دوسرے کا بوجھ اٹھارہے تھے،ابو عقیل اپنا آدھا صاع کر حاضر ہوا،ایک اور شخص اس سے زیادہ مال لے کر حاضر ہوا، تو منافقوں نے کہا کہ اللہ تعالی اس صدقہ سے بے نیاز ہے،اور اس شخص نے یہ صدقہ ریاکاری کے لئے کیا ہے، چنانچہ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی: {الذِيْنَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالذِيْنَ لاَ يَجِدُونَ إِلاَّ جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ} "جو لوگ ان مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں جو دل کھول کر صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جنہیں سوائے اپنی محنت و مزدوری کے اور کچھ میسر ہی نہیں، پس یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ بھی ان سے تمسخر کرتا ہے انہی کے لئے دردناک عذاب ہے"۔

☆لوگوں کا مذاق نہ اڑانا: حقیقی مومن کسی کا مذاق نہیں اڑاتا، ارشاد باری ہے: {يَا أَيُّهَا الذِيْنَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَى أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَى أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِنهن} "اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں"۔اسلام نے ہمیں دوسرے کے لئے تکلیف کا باعث بننے والی ہر چیز سے منع کیا

ہے،ایک مومن کی صفات یہ ہیں کہ وہ کسی کے لئے تکلیف کا باعث نہیں بنتا،اور اس سے لوگوں اور انسانیت کو صرف بھلائی اور نفع ہی ملتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے جذبات کے لئے تکلیف کا باعث بننے والے ہر قول و فعل اور اشارے سے منع کیا کرتے تھے، آپ ایک انسان میں ایسے اخلاق پیدا کرتے تھے جس سے لوگوں کی نگاہ میں اس کا مقام و مرتبہ بلند ہو جاتا،ام موسی بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوا، تو آپ نے ان کے فضائل بیان کرنے کے بعد کہا کہ ایک مرتبہ وہ اپنے دوستوں کے لئے پھل اتارنے کے لئے ایک درخت پر چڑھے، تو ان کی کمزور پنڈلیوں کی وجہ سے ان کے ساتھی ہنس پڑے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: تم کسی بات پر ہنس رہے ہو؟ یہ کمزور پنڈلیاں قیامت کے دن میزان میں احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہوں گی"۔

برادرانِ اسلام:

سورۂ حجرات میں سب سے اہم جس انسانی قدر کا ذکر کیا ہے وہ بھائی چارہ اور لوگوں کے درمیان صلح کرانا ہے، ارشاد باری ہے: {إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا

اللہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُونَ} "سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔ لوگوں کے درمیان صلح کرانا وہ سب سے اہم انسانی قدر ہے جس کی اس سورت نے ترغیب دی ہے، اور ہمارا دین متین بھی اس کی تعلیم دیتا ہے جس کا مقصد ایک مستحکم انسانی معاشرے کو قائم کرنا، اور تمام تر اختلافات سے دور رہتے ہوئے باہمی پیار و محبت کے ماحول میں بقائے باہمی کو فروغ دینا ہے، اور یہی تمام تر اختلافات اور نزاعات کا حل ہے۔

اور خاندانی سطح پر جب میاں بیوی کے درمیان اختلاف ہو جائے اور اس کو حل کرنا ناممکن نظر آرہا ہو تو اسلام نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ان دونوں کے اہلِ خانہ میں سے نیک پرہیز گار افراد کو ان کے درمیان صلح کرانے کی دعوت دیں، ارشاد باری ہے: {وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا} "اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان آپس کی ان بن کا خوف ہو تو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو، اگر یہ دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ دونوں میں ملاپ کرادے گا، یقینا خوب پورا علم رکھنے والا پوری خبر رکھنے والا ہے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے درمیان صلح کرانے کی جزااور ان میں فتنہ و فساد اور اختلافات پیدا کرنے کے شر کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "کیا میں تمہیں نماز اور صدقہ سے بھی ایک درجہ بہتر چیز کے بارے میں نہ بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کی، ضرور اللہ کے رسول، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: لوگوں کے درمیان صلح کرانا، جبکہ ان کے درمیان اختلاف پیدا کرنا تباہ کر دینے والی چیز ہے"۔

حقیقی مومن لوگوں کے درمیان صلح کرانے کو اپنا ضابطہ حیات بنالیتا ہے، ہم یہاں بھی اسے دیکھیں گے سراپائے خیر پائیں گے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کچھ لوگ بھلائی کی راہیں کھولنے والے اور برائی کی راہ بند کرنے والے ہیں، اور کچھ لوگ برائی کی راہیں کھولنے والے اور بھلائی کی راہیں بند کرنے والے ہیں، خوشخبری ہے ان لوگوں کو جن کے ہاتھوں میں اللہ تعالی نے بھلائی کی کنجیاں رکھ دی ہیں، اور ہلاکت ہے ان لوگوں کے ہاتھوں میں اللہ تعالی نے برائی کی کنجیاں رکھ دی ہیں"۔

سنتِ نبوی اور اس کی تشریعی حیثیت

اللہ تعالی نے اپنے انبیاء اور رسل کو انسانیت کی ہدایت، انہیں اندھیروں سے نکال کر نور ایمان کی طرف لانے اور انہیں تباہی و بربادی کے راستے سے بچا کر فلاح و کامیابی کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے مبعوث فرمایا، ارشاد باری ہے: {لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ} "یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں"۔ اللہ تعالی نے رسالت کے سلسلے کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا اور آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا: {شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا * وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا} "اے نبی! یقیناً ہم نے ہی آپ کو (رسول بنا کر) گواہیاں دینے والا، خوشخبریاں سنانے والا، اور آگاہ کرنے والا بھیجا ہے۔ اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری رسالت لے کر تشریف لائے جو کہ ہر زماں اور مکاں کے لئے صلاحیت رکھتی ہے، آپ پر قرآن کریم کی صورت میں ایک ایسی محکم کتاب نازل کی گئی جس میں کسی صورت باطل داخل نہیں ہو سکتا، پھر اس کتاب قرآن کی تشریح اور بیان کے لئے آپ کی طرف سنت

مطہرہ کا الہام کیا گیا، ارشاد باری ہے : { وما ینطق عن الھوی * إن ھو إلا وحی یوحی } " اور وہ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے"۔ دوسری جگہ پر ارشاد باری ہے : { وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ } " یہ ذکر ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان فرمادیں، شاید کہ وہ غور و فکر کریں"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " مجھے قرآن اور اس کے ساتھ اس کی مثل عطا کی گئی ہے"۔

قرآن کریم میں تدبر اور غور کرنے والا شخص دیکھتا ہے کہ اللہ تعالی نے بہت سے مقامات پر اپنے حکم اور اپنے رسول کے حکم کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے، ارشاد باری ہے : { يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ } "اے ایمان والو ! تم اللہ اور اس کے رسول کے کہنے کو بجالاؤ، جب کہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں"۔ اور اللہ تعالی نے اپنی رضا اور اپنے رسول کی رضا کو ایک ساتھ ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: { وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ } "اور

اللہ اور اس کا رسول اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ وہ انہیں راضی کریں اگر وہ مومن ہیں"۔

اسی طرح اللہ تعالی نے اپنی اطاعت اور اپنے رسول کی اطاعت کو ایک ساتھ ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: {مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ} "جو رسول کی اطاعت کرے گا تو اس نے اللہ کی اطاعت کی"۔ اور اس اطاعت کو حصول رحمت کا ذریعہ قرار دیا، ارشاد باری ہے: {وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ} "اور تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے"، دوسری جگہ ارشاد فرمایا: {وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ} "اور تم رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔ اور یہ اطاعت آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت کی اتباع کرنے سے ہی ممکن ہے، ارشاد باری ہے: {قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ} "فرما دیجیئے کہ اگر تم اللہ تعالی سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ تعالی بڑا بخشنے والا مہربان ہے"۔

امت کے تمام علماء اور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سنت نبوی حجت ہے اور قرآن کے بعد قانون سازی کا دوسرا مصدر ہے، ارشاد باری ہے: {وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ

وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا} "اللہ تعالی نے تم پر کتاب وحکمت اتاری ہے اور تمہیں وہ سکھایا ہے جسے تم نہیں جانتے تھے، اور اللہ تعالی کا تم پر بہت بڑا فضل ہے"۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: {وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا} "اور تمہارے گھر میں اللہ کی جو آیتیں اور رسول کی جو احادیث پڑھی جاتی ہیں ان کا ذکر کرتی رہو، بیشک اللہ تعالی لطف فرمانے والا باخبر ہے"۔

اور سنت مطہرہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے قول، فعل اور تقریر کو شامل ہے، ارشاد باری ہے: {لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا} "یقینا تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالی کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالی کا ذکر کرتا ہے"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زندگی کے تمام حالات میں ہمارے لئے نمونہ ہیں، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو چیز بھی سنتا تھا اسے لکھ لیا کرتا تھا، میں اسے حفظ کرنا چاہتا تھا، لیکن قریش نے مجھے اس سے منع کیا، اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو چیز بھی سنتے ہو لکھ

لیتا ہو، حالانکہ بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوشی اور بعض اوقات غصے کی حالت میں گفتگو فرما رہے ہوتے ہیں، سو میں نے لکھنا چھوڑ دیا، اور بعد میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا ذکر کیا تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے ہاتھ سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "تم لکھا کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس منہ سے صرف حق ہی نکلتا ہے"۔

قرآن کریم قانون سازی کا پہلا مصدر ہے اور سنت مطہرہ اس کا دوسرا مصدر ہے، کیونکہ سنت مطہرہ قرآن میں مذکور احکام کی تشریح اور وضاحت کرتی ہے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی مراد کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں، اور آپ کا فیصلہ اور حکم درحقیقت اللہ کا فیصلہ اور حکم ہے، ارشاد باری ہے: {وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ} "اور کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا"۔ اور ارشاد باری ہے: {فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا} "سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلافات میں آپ کو حاکم نہ مان لیں،

پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دلوں میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں"۔ اور ارشاد باری ہے: {وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ} "جہاں انہیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کر دیا، حالانکہ اگر یہ لوگ اسے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے، تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے۔ اور اللہ تعالی نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت سے متنبہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: {فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ} "سنو جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے"۔

سنت مطہرہ نے قرآن کریم میں مذکور بہت سے مجمل احکامات کی وضاحت و تشریح فرمائی ہے، قرآن کریم میں نماز اور زکوۃ کے بارے مجمل حکم آیا ہے، ارشاد باری ہے: {وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ} "اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو"۔ ہم سنت مطہرہ کی

وضاحت کے بغیر نماز، زکوۃ، حج جیسے ارکان اسلام کو کیسے ادا کریں گے ؟،اس کے لئے ہمیں سنت مطہرہ کی ضرورت ہے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے نماز کی کیفیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: "تم اسی طرح نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھو"،اور اپنے قول سے نماز کی کیفیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: "جب تم نماز کے لئے کھڑے ہوں تو تکبیر تحریمہ کہو، پھر جس قدر ممکن ہو قرآن پڑھو، پھر رکوع کرو، یہاں تک کہ تم رکوع کی حالت میں پر سکون ہو جاؤ، پھر رکوع سے اٹھو یہاں تک کہ تم بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ تم سجدہ کی حالت میں پر سکون ہو جاؤ، پھر سجدے سے اٹھو یہاں تک کہ تم اطمئنان سے بیٹھ جاؤ، پس اسی طرح مکمل نماز ادا کرو"۔

زکوۃ کے بہت سے فروعی احکامات کی سنت مطہرہ نے وضاحت کی ہے اور اس کے نصاب کی مقدار بیان فرمائی ہے،اور اسی طرح حج کے بارے میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھ سے مناسک حج لے لو"،ایک آدمی عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہنے لگا کہ تم قرآن کو چھوڑ کر یہ کیا احادیث بیان کرتے رہتے ہو؟ انہوں نے اسے کہا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ اگر آپ اور آپ کے ساتھی قرآن پڑھیں، تو

قرآن کے کس حصے سے آپ کو پتہ چلے گا کہ ظہر کی اتنی رکعتیں ہیں، عصر کی اتنی رکعتیں ہیں، عصر کی نماز کا یہ وقت ہے، مغرب کی نماز کا یہ وقت ہے، قیام میدان عرفہ میں کیا جاتا ہے، اور رمی جمرات اس طرح کی جاتی ہے۔

جس طرح سنت مطہرہ نے قرآن کریم کے بہت سے مجمل احکام کی وضاحت و تشریح فرمائی ہے اسی طرح اس نے مطلق احکام کو مقید بھی کیا ہے، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ سنت نے وصیت کو ترکہ کے تیسرے حصہ میں مقید کر دیا ہے، اور یہ کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری بیماری کی حالت میں میری عیادت فرماتے تھے، میں نے عرض کی: میرے پاس مال ہے، کیا میں اپنے سارے مال کی وصیت کر دوں ؟، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "نہیں"، میں نے عرض کی آدھے مال کی وصیت کر دوں ؟، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "نہیں" میں نے عرض کی: مال کے تیسرے حصے کی وصیت کر دوں ؟ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "ہاں تیسرے حصہ کی اور تیسرا حصہ بہت زیادہ ہے، تمہارا اپنے ورثہ کو مالدار چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ تم اسے مفلس چھوڑ دو جو لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں"۔

برادرانِ اسلام:

ہم تشریع میں سنت مطہرہ کی اہمیت، اس کی حجیت اور اس کی حیثیت کی تاکید کرتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم ان چیزوں میں واضح فرق کرنا چاہتے ہیں جو عبادات کی سنن سے تعلق رکھتی ہیں اور جو عرف وعادات سے تعلق رکھتی ہیں جو کہ زمان ومکان اور لوگوں کے عرف کے بدلنے سے تبدیل ہو جاتی ہیں، جیسا کہ وہ چیزیں جو لباس، ذرائع آمدورفت وغیرہ، یہ لوگوں کے عرف کے تابع ہیں، ہر زمانے کا اپنا عرف اور عادات ہوتی ہیں جو کہ پہلے زمانے سے مختلف ہوتی ہیں، یہ کوئی معقول بات نہیں ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے نام پر لوگوں کو ذرائع آمدورفت، لباس اور کھانے پینے کی چیزوں میں مخصوص عادت پر مجبور کریں، عادات کا مرجع ومصدر عرف اور وہ تمام چیزیں ہیں جو اس دور اور معاشرے کے موافق ہو، بشرطیکہ وہ شریعت کے قطعی احکام کے مخالف نہ ہو، جس وقت امام شافعی رحمہ اللہ نے مرد کے لئے سرڈھانپنے کو مروت کالازمی عنصر قرار دیا تو یہ اس دور اور معاشرے کے مطابق تھا، جبکہ آج کے دور میں اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ عرف اور عوامی ذوق اس کا انکار نہیں کرتے۔

ہم اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ سنت مطہرہ کے بدترین دشمن دو قسم کے ہیں: پہلی قسم دین کے نام پر تجارت کرتے والے، اور اس میں تحریف کرنے والے ان لوگوں کی ہے جو اپنے ذاتی مقاصد کے لئے دینی نصوص کو سیاق و اسباق سے ہٹا کر پیش کرتے ہیں، اور خون ریزی کرتے ہیں، دین کے نام پر تخریب کاری کرتے ہیں، اور گمان کرتے ہیں کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں، جبکہ دین ان سے بری ہے، یہی وہ غلو کرنے والے لوگ ہیں جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں متنبہ کیا ہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے: "غلو کرنے والے ہلاک ہو گئے"، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اسے تین بار دوہرایا، اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خوف زبان دراز منافق کا ہے"۔

اور دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اپنے آپ کو علم اور اس کے آلات سے آراستہ نہیں کیا، ان کے خطرات کو بیان کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالی علم کو اس طرح نہیں اٹھاتا کہ بندوں کے دلوں سے چھین لے، بلکہ وہ علماء کو اٹھانے سے علم کو اٹھالیتا ہے، یہاں تک کہ جب ان میں کوئی عالم باقی نہیں رہتا تو

لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنا لیتے ہیں، پس جب ان سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ بغیر علم کے فتوی دیتے ہیں جس کی وجہ سے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں"۔

سنتِ مطہرہ ہر اس انتہا پسندی سے بری ہے جو اسلام کی رواداری، اعتدال پسندی اور اس کے منہج کے مخالف ہو، اور انتہا پسندی کی ایک اور صورت بھی ہے کہ سنت مطہرہ کا مکمل انکار کیا جاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عنقریب اپنے تکیے پر ٹیک لائے ہوئے ایک شخص میری احادیث بیان کرے گا، اور وہ کہے گا کہ میرے اور تمہارے درمیان بس اللہ کی کتاب ہے، پس جو چیز ہم اس میں حلال پائیں گے اسے حلال قرار دیں گے، اور جو چیز اس میں حرام پائیں گے اسے حرام قرار دیں گے، سن لو جس چیز کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے وہ اسی چیز کی طرح حرام ہے جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے"۔

غلو اور تشدد اسلام کے منہج اور اس کی وسطیت سے دور انتہا پسندی اور اس سنت مطہرہ پر بہت بڑا ظلم ہے جو قرآن کریم کے عمومی مقاصد کے ساتھ مکمل موافقت رکھتی ہیں، اس کے مقاصد کو سمجھنے سے ہی ہم دین متین کے عمومی مقاصد سے آگاہی حاصل کر

سکتے ہیں، دین اسلام سراسر عدل، رحمت، رواداری، آسانی، اور انسانیت کا نام ہے، متقدمین اور معاصرین اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر وہ چیز جو ان عظیم مقاصد کے حصول کا باعث بنے وہی حقیقی اسلام ہے، اور جو چیز ان مقاصد کے مخالف اور متصادم ہے وہ اسلام، اس کے مقاصد اور اس کی اہداف سے متصادم ہے۔

ہمیں اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم سنت مطہرہ کو اس کے اہداف و مقاصد کی روشنی میں سمجھیں، اور اس کے مقاصد و اہداف کو سمجھے بغیر نصوص کے ظاہر تک ہی محدود نہ رہیں، اور یہ اسی صورت ممکن ہے کہ ہم سنت مطہرہ کا معاصرانہ مطالعہ کریں جو دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق ہو، اور سنت مطہرہ کو لوگوں کے قریب کرنے کا باعث بنے، اور یہی وہ تجدید ہے جس کی سنت مطہرہ دعوت دیتی ہے، ارشاد نبوی ہے کہ: "اللہ تعالی ہر صدی کے شروع میں اس امت کے لئے ایسے شخص کو بھیجتا ہے جو اس کے لئے اس کے دین کی تجدید کرتا ہے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی: حقیقی اسلام کا عملی نمونہ

بے شک اللہ تعالی نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو راہِ ہدایت دکھانے والا، خوشخبریاں دینے والا، اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو ہر زمان ومکان کے لئے صلاحیت رکھنے والا ایک آفاقی اور آخری شریعت عطا فرمائی جو اس بات کی متقاضی ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام ذات اپنے اقوال وافعال اور اپنی حرکات وسکنات میں حقیقی اسلام کا عملی نمونہ ہو اور اس بات میں کوئی تعجب نہیں ہے کیونکہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام اپنے رب کے ساتھ اپنے تعلقات میں قرآن کے منہج کی پیروی کرتے تھے اور لوگوں کی مختلف جنسوں، رنگ ونسل اور اعتقادات کے باوجود ان کے ساتھ اپنے تعلقات میں بھی قرآن کے منہج کی پابندی کرتے تھے اسی لئے جب سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: "آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا اخلاق قرآن ہے"۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں غور وفکر کرنے والا شخص اس حقیقت کا ادراک کر لیتا ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام اپنی تمام تر حرکات وسکنات اور اقوال وافعال میں

بہترین اسوہ اور نمونہ تھے۔ ہم ذیل میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے اسوہ کے چند روشن پہلو ذکر کرتے ہیں:

☆آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق وامانت: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ساری زندگی صدق وامانت کا عملی پیکر تھے یہاں تک کہ بعثت سے قبل ہی آپ اپنی قوم میں صدق و امانت کے لقب سے مشہور تھے۔

اور جب بادشاہِ روم ھرقل نے ابوسفیان بن حرب کو اس کے اسلام قبول کرنے سے پہلے اپنے پاس بلایا تاکہ وہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ سوالات پوچھے تو ان دونوں کے درمیان طویل گفتگو ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ھرقل نے ابوسفیان سے کہا: کیا اس کے دعوی نبوت کرنے سے پہلے تم اس پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟ ابوسفیان نے کہا: نہیں، اس نے کہا: کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: ہمارا ان سے ایک مدت تک معاہدہ ہے، ہم نہیں جانتے وہ اس دوران کیا کرنے والے ہیں۔ پھر ابوسفیان نے کہا: اس بات کے سوا مجھے آپ کے خلاف کوئی اور بات کہنے کی گنجائش نہیں ملی۔

ہجرت کی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امانتداری کے تمام تر تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اس کی اعلی ترین مثال قائم کی۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حکم ارشاد فرمایا کہ وہ آپ کے بستر پر سو جائیں اور ان امانتوں کو ان کے حقداروں تک واپس پہنچانے کے لئے یہیں انتظار کریں حالانکہ ان لوگوں نے آپ سے دشمنی کی، آپ کو مکہ سے نکال دیا، آپ کو اور آپ کے اصحاب کو تکلیفیں پہنچائیں اور ان کی ساری مال و دولت اور جائیداد چھین لی لیکن اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو امانت واپس کرنے کے لئے اس رات اپنے بستر پر انتظار کرنے کا حکم دیا تاکہ آپ اپنی امت کو تعلیم دے سکیں کہ دشمنوں کے ساتھ بھی خیانت کرنا ایک مومن کے لئے جائز نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: {وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ} "اور اگر تجھے کسی قوم کی خیانت کا ڈر ہو تو برابری کی حالت میں ان کا عہد نامہ توڑ دے، اللہ تعالی خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ : "جس نے تیرے پاس امانت رکھی تو اس کی امانت واپس کر اور جس نے تیرے ساتھ خیانت کی تو اس کے ساتھ خیانت نہ کر"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاداری : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ وفا کرنے والے تھے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کبھی بھی کسی کے احسان کو فراموش نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے ہر محسن کو اس کے احسان کا بدلہ دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے قبل فرمایا: "جس شخص کا بھی ہم پر کوئی احسان تھا ہم نے اس کا بدلہ دے دیا ہے سوائے ابو بکر کے کہ اس کا ہمارے اوپر ایسا احسان ہے جس کا بدلہ روزِ قیامت اللہ تعالی انہیں عطا فرمائے گا"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاداری کے مختلف مظاہر ہیں ان میں سے ایک مظہر آپ کا سیدۃ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے وفاداری کرنا ہے آپ ان کے زندگی میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی ان سے محبت کرتے تھے ان کی قدر کرتے تھے اور ان سے وفا کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدۃ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قدر و منزلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اللہ تعالی نے ان سے بہتر کوئی عورت مجھے عطا نہیں کی، وہ

اس وقت مجھے پر ایمان لائیں جب لوگوں نے میرا انکار کر دیا، اور اس وقت میری تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا،اور اس وقت اپنے مال سے میری مدد کی جب لوگوں نے مجھے محروم کر دیا اور اللہ تعالی نے ان سے مجھے اولاد عطا فرمائی جب مجھے دوسری عورتوں کے شکم سے اولاد سے محروم رکھا"، سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ مجھے ازواجِ مطہرات میں کسی پر اتنی غیرت نہیں آئی جتنی غیرت خدیجہ پر آئی حالانکہ میں نے اسے دیکھا بھی نہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا ذکر کثرت سے کیا کرتے تھے اور جب کبھی بکری ذبح کرتے تو اس کے اعضا کے ٹکڑے بناتے اور انہیں خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہلیوں کے گھر بھیجتے۔

آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی وفا کے مظاہر میں سے ایک مظہر آپ کا غیر مسلموں کے ساتھ وفا کرنا ہے بدر کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتے اور وہ ان قیدیوں کے بارے میں مجھ سے بات کرتے تو میں ضرور ان کو آزاد کر دیتا" مطعم بن عدی کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک احسان تھا کہ جب آپ سفرِ طائف سے واپس لوٹے تو اس کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے تھے۔

اور اسی طرح حالتِ جنگ میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دشمنوں کے ساتھ وفا کرتے تھے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے جنگ بدر میں شریک ہونے سے صرف اس چیز نے روکا کہ میں اور میرے والد (مکہ) سے نکلے تو کفار قریش نے ہمیں پکڑ لیا اور کہا: تم محمد کے پاس جانا چاہتے ہو، ہم نے کہا: ہم اس کے پاس نہیں جانا چاہتے، ہم تو صرف مدینہ جانا چاہتے ہیں انہوں نے ہم سے پختہ عہد و پیمان لیا کہ ہم مدینہ ہی جائیں گے اور محمد کے ساتھ مل کر نہیں لڑیں گے پس ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو یہ خبر سنائی تو آپ نے فرمایا: "تم دونوں واپس چلے جاؤ، ہم ان کے عہد کو پورا کریں گے اور اللہ سے ان کے خلاف مدد مانگیں گے"۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ حسنِ تعامل کا بہترین اسوہ اور بے مثال نمونہ تھی آپ نے اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ ایک عمدہ زندگی گزاری جس میں مودت ورحمت، تواضع وانکساری اور نرمی کے تمام پہلو ظاہر تھے آپ نہ تو ان پر اپنی برتری ثابت کرتے اور نہ ہی اپنے آپ کو ان سے بالاتر سمجھتے بلکہ آپ اللہ تعالی کے ان فرامین پر عمل کرتے ہوئے ان سب کے ساتھ حسنِ

سلوک سے پیش آتے کہ: {وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ} "اور تم ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بود و باش رکھو"۔

{وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ} "اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے آرام پاؤ اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کردی، یقیناً غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مشفق و مہربان خاوند تھے اپنی عورتوں کے ساتھ شفقت و مہربانی کا برتاؤ کرتے۔ یہ منظر کتنا خوبصورت اور انسانیت کی عکاسی کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کے چہرے سے آنسوؤں کے اثرات دور کرتے ہیں اپنے دستِ مبارک سے ان کی آنکھیں صاف کرتے ہیں اور انہیں تسلی دیتے ہیں۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: "ایک سفر میں سیدۃ صفیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں کیونکہ اس دن ان کی باری تھی میں قافلہ میں سست رفتار سے چلا پس جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے تو یہ روتے ہوئے کہہ رہی تھیں کہ آپ نے مجھے سست رفتار اونٹ پر

سوار کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے ان کی آنکھیں صاف کرنے لگے اور انہیں خاموش کرانے لگے"۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اولاد اور نواسوں کے ساتھ بھی حسنِ تعامل کا بہترین اسوہ اور نمونہ تھے۔ آپ کتنے عظیم باپ اور مہربان نانا تھے کہ جن کا دل اپنی اولاد اور نواسوں کے لئے محبت و شفقت اور رحمت کے جذبات سے لبریز تھا۔ ام المومنین سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: "میں نے فاطمہ بن محمد سے بڑھ کر کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل و صورت، ہیئت و وقار اور تعلیمات کے مشابہ نہیں دیکھا"، اور وہ فرماتی ہیں کہ: "جب فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں تو آپ اس کے لئے کھڑے ہوتے ان کو بھوسہ دیتے اور انہیں اپنی جگہ پر بیٹھاتے"۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی کو بوسہ دیا جبکہ اقرع بن حابس تمیمی آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اقرع نے کہا: میرے پاس دس بیٹے ہیں میں نے ان میں سے ایک کو بھی بوسہ نہیں دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا "جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا

"، ایک دن آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے طویل سجدہ کیا اور جب نماز مکمل کی تو لوگوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول آپ نے اس نماز میں ایسا سجدہ کیا ہے کہ جو پہلے نہیں کیا کرتے تھے کیا آپ کو کسی چیز کا حکم دیا گیا ہے یا آپ کی طرف وحی کی گئی ہے ؟ آپ نے فرمایا: "ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن میرا بیٹا میری پیٹھ پر سوار ہو گیا تھا اس لئے میں نے جلدی کرنے کو ناپسند کیا یہاں تک کہ وہ نیچے اتر آئے"۔

ہم اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ یہ چیز صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹوں اور نواسوں کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ اس منہج کو آپ علیہ الصلاۃ والسلام سب لوگوں پر لاگو کرتے ہیں ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے تھے آپ سب کے ساتھ حسن سلوک کرتے اسامہ بن زید رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اور حسن کو پکڑ کر فرمایا کرتے تھے کہ : "اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں پس تو بھی ان دونوں سے محبت کر"۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی آپ نے کبھی بھی مجھے اف تک نہیں کہا اور جو کام میں نے کیا اسکے بارے

میں آپ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ تو نے یہ کام کیوں کیااور جو کام میں نے ترک کر دیااس کے بارے میں کبھی یہ نہیں کہا کہ تو نے یہ کام کیوں ترک کیا"۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ حسنِ تعامل میں بھی ایک قابل تقلید مثال ہیں۔آپ ان کی خوشیوں اور غموں میں شریک ہوتے، غائب شخص کا حال احوال پوچھتے، بیمار کی عیادت کرتے، ان کے معاملات پر توجہ دیتے اور ان کی زندگی کے معاملات میں ان کے جذبات کا لحاظ رکھتے۔ سماک بن حرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے کہا: کیاتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے ؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، بہت زیادہ بیٹھا کرتا تھا، آپ علیہ الصلاۃ والسلام جس جگہ صبح کی نماز ادا کرتے اس جگہ سے نہیں اٹھتے تھے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جاتااور جب سورج طلوع ہوتاتوآپ اٹھ جاتے جبکہ صحابہ کرام آپس میں گفتگو کر رہے ہوتے تھے اور وہ زمانہ جاہلیت کی باتیں کر کے ہنستے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے تھے۔

برادرانِ اسلام:

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اخلاق اور شخصیت میں حقیقی اسلام کا عملی نمونہ تھے اسی طرح آپ میانہ روی اور اعتدال پسندی میں بھی ایک قابل تقلید مثال تھے شریعت محمدی کے احکامات میں غور وفکر کرنے والا شخص اس کے ہر شعبہ میں میانہ روی اور اعتدال پسند کی واضح جھلک دیکھ سکتا ہے۔ام المومنین سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ :"جب بھی نبی کریم کو دو چیزوں میں اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں سے زیادہ آسان چیز کا انتخاب فرمایا بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو اور اگر وہ گناہ ہوتا تو آپ سب سے زیادہ اس سے دور رہتے"،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دین یسر یعنی آسانی کا نام ہے جس نے بھی دین میں سختی کی دین اس پر غالب آگیا،لوگوں کی راہنمائی کرو، باہمی قربتیں پیدا کرو، خوشخبریاں دو، اور صبح و شام اور رات کے تھوڑے سے حصے سے مدد حاصل کرو"۔

اس میانہ روی، وسطیت اور اعتدال پسند کی حفاظت کی خاطر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کے غلو اور بالخصوص دین میں غلو کرنے سے متنبہ کیا ہے اور آپ کے اصحاب میں سے جو کوئی حد اعتدال سے نکل کر کسی عبادت میں مبالغہ کرتا تو آپ صلی

اللہ علیہ وسلم اس کو ملامت کرتے، آپ نے فرمایا: "اے لوگو! دین میں غلو سے بچو، بے شک دین میں غلو نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا ہے"۔

آج ہمیں کتنی اشد ضرورت ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور تعلیمات کی پیروی کریں اور جس طرح اللہ تعالی نے اس پیغام ہدایت کو نرمی و آسانی اور رحمت کے ساتھ تمام انسانیت کے لئے نازل فرمایا ہے اسے اس کی حقیقی صورت میں تمام لوگوں تک پہنچانے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں۔ بے شک اسلام کا پیغام سراسر رحمت، عدل، نرمی، نفع اور انسانیت کا نام ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے اصحاب کے بارے میں گواہی اور ان کی عظمت کا بیان اور اس سے حاصل شدہ اسباق

جس طرح اللہ تعالی اپنے پیغامات کے لئے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے چن لیتا ہے۔اس ذہنی اور قلبی پاکیزگی، اچھی فطرت اور اعلی اخلاق کی بناپر جن پر انہیں پیدا کیا ہے۔ اسی طرح وہ ذات اپنے نبیوں کے لئے ایسے لوگوں کو منتخب کرتی ہے جو ان کی سنگت، ان کے پیغام کا دفاع کرنے اور ان کے بعد قربانی، صداقت اور امانت کے ساتھ اس پیغام کو آگے پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہو۔

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: {اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ} "اللہ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو منتخب فرمالیتا ہے، بیشک اللہ تعالی خوب سننے والا دیکھنے والا ہے"۔اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس امت میں سے سب سے اچھے دل والے، سب سے زیادہ گہرا علم رکھنے والے اور سب سے کم تکلف کرنے والے تھے، اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالی نے اپنے نبی کی سنگت، اپنے دین کو قائم کرنے اور اسے تمام لوگوں تک پہنچانے کے لئے منتخب کرلیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے بارے میں گفتگو کرنا انبیاء اور رسولوں کے بعد انسانیت میں سے افضل ترین ہستیوں کے بارے میں گفتگو کرنا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: { قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى } "آپ فرمادیجئے! تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور سلام ہو اُسکے اِن بندوں پر جنہیں اس نے منتخب فرمالیا ہے" اس فرمان میں منتخب لوگوں سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: "اللہ تعالی نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی اور بندوں کے دلوں میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو سب سے بہتر پایا تو اسے اپنے لئے منتخب کر لیا اور اپنے پیغام کے لئے مبعوث فرمایا، پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کے بعد بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی اور بندوں کے دلوں میں سے صحابہ کے دلوں کو سب سے بہتر پایا تو انہیں اپنے نبی کے وزیر بنا دیا، وہ اس کے دین کا دفاع کرتے ہیں، پس جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں اچھی اور جسے وہ برا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بری ہے "۔ مسند امام احمد۔

بیشک جو شخص قرآن کریم میں غور وفکر کرتا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے بلند مقام ومرتبے اوران کی عظمت کو جان لیتاہے، یہ وہ لوگ ہیں جن سے اللہ عزوجل راضی ہو گیاہے اوران کے لئے سچے ایمان کی گواہی دی ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: {لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا} "بیشک اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے سو جوان کے دلوں میں تھااللہ نے معلوم کر لیاتو اللہ نے ان پر خاص تسکین نازل فرمائی اور انہیں ایک بہت ہی قریب فتح کا انعام عطا کیا"۔اللہ کے فرمان "فعلم مافی قلوبھم" کی تفسیر میں مفسرین نے کہاہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں صبر، صدق ووفا، اطاعت وفرمانبرداری اوراِس حق کے بارے میں ان کی عمدہ بصیرت کو جان لیاہے جس کی طرف اللہ نے انہیں ہدایت دی ہے۔

حق سبحانہ وتعالی نے قرآن کریم کے متعدد مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی عظمت بیان کی ہے، ان میں سے چند مقامات درج ذیل ہیں۔ارشاد خداوندی ہے: {الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ* الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا

حَسْبُنَا اللّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ * فَانقَلَبُواْ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُواْ رِضْوَانَ اللّهِ وَاللّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ} "جن لوگوں نے زخم کھا چکنے کے بعد بھی اللہ اور رسول کے حکم پر لبیک کہا، ان میں جو صاحبانِ احسان اور پرہیز گار ہیں، ان کے لئے بڑا اجر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگ تمہارے لئے جمع ہو چکے ہیں سو ان سے ڈرو تو اِس بات نے ان کے ایمان کو اور بڑھا دیا اور انہوں نے کہا: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا اچھا ساز گار ہے۔ پھر وہ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ لوٹے انہیں کوئی برائی نہ پہنچی اور انہوں نے رضائے الٰہی کی پیروی کی، اور اللہ بڑے فضل والا ہے"۔ مہاجرین اور انصار کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے: {لِلْفُقَرَاء الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُوْلَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ * وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ} "نادار مہاجرین کے لئے جو اپنے گھروں اور اپنے اموال سے باہر نکال دیئے گئے ہیں، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا و خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ ہی سچے مومن ہیں۔ اور جنہوں نے ان سے

پہلے ہی شہر اور ایمان کو گھر بنالیا تھا۔ یہ لوگ ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے ہیں۔ اور یہ اپنے سینوں میں اِس مال کی کوئی طلب نہیں پاتے جو اِن (مہاجرین) کو دیا گیا اور اپنی جانوں پر انہیں ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انہیں شدید حاجت ہی ہو، اور شخص اپنے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا پس وہ لوگ ہیں کامیاب ہیں"۔

جس طرح قرآن کریم کی آیات نے انتہائی بلیغ اور عمدہ تعریف وتوصیف اور انتہائی عظمت وشان کے ساتھ صحابہ کرام کے ذکر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باقی رکھا ہے اسی طرح صحیح احادیث نبویہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ان کے مقام ومرتبے کی گواہی دیتی ہیں، اس کی قربانیوں کو واضح بیان کرتی ہیں اور ان کے سچے ارادوں کو ظاہر کرتی ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وتوقیر کی، آپ کی مدد کی، آپ کے ساتھ نازل کئے جانے والے نور کی پیروی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنی ذات، اپنے اہلِ خانہ اور تمام لوگوں کی محبت پر ترجیح دی، پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں سب سے اعلی نشانِ امتیاز عطا کیا اور انہیں اعلی ترین مناقب کا تاج پہنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مقامات پر ان کی گواہی

دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "سب سے بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں پھر وہ جوان کے بعد آئیں گے اور پھر وہ جوان کے بعد آئیں گے "(متفق علیہ)، اور آپ کا فرمان ہے: "ستارے آسمانوں کے لئے امان ہے اور جب ستارے ختم ہو جائیں گے تو آسمان پر وہ چیز آ جائے گی جس سے تم کو ڈرایا گیا ہے یعنی قیامت، اور میں اپنے صحابہ کے لئے امان ہوں اور جب میں چلا جاؤں گا تو میرے اصحاب پر وہ فتنے آ جائیں گے جن سے انہیں ڈرایا گیا ہے اور میرے اصحاب میری امت کے لئے امان ہیں اور جب وہ چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ فتنے آ جائیں گے جن سے اسے ڈرایا گیا ہے" (صحیح مسلم)۔

اور آپ ہی کا فرمان ہے: "تم اُس وقت تک خیر کے ساتھ رہوں گے جب تک تم میں سے وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے مجھے دیکھا اور میری سنگت اختیار کی اور اللہ کی قسم تم اس وقت تک خیر کے ساتھ رہوں گے جب تک تم میں سے وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے اسے دیکھا جس نے مجھے دیکھا اور اس کی سنگت اختیار کی جس نے میری سنگت اختیار کی، اللہ کی قسم تم اس وقت تک خیر کے ساتھ رہوں گے جب تک تم میں سے وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے اسے دیکھا جس نے مجھے دیکھنے والے کو دیکھا اور اس کی

سنگت اختیار کی جس نے میری سنگت اختیار کرنے والے کی سنگت اختیار کی"(مصنف ابن أبی شیبۃ)، اس حدیث پاک میں صحابہ کرام کے بعد آنے والوں کو یہ فضیلت صرف اس لئے دی گئی کیونکہ انہیں صحابہ کرام کی سنگت کا شرف حاصل ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ خاص طور پر السابقون الاولون کی خاص تعریف وتوصیف بیان کی ہے تاکہ فضیلت وعظمت میں ان کے سبقت لے جانے کو بیان کیا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت میں سے میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والا ابو بکر ہے، اللہ کے حکم میں ان میں سے سب سے زیادہ قوی عمر ہے، ان میں سے سب سے زیادہ حیاوالا عثمان ہے اور ان میں سے سب سے بڑا قاضی علی بن ابی طالب ہے، میری امت کا امین ابوعبیدہ بن جراح ہے، میری امت میں سے حلال وحرام کو سب سے زیادہ جاننے والا معاذ ہے، ان میں سب سے بڑا قاری ابی بن کعب ہے اور سب سے زیادہ وراثت کے مسائل کو جاننے والا زید ہے"۔

جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر چڑھے اور آپ کے ساتھ ابو بکر، عمر اور عثمان بھی تھے تو پہاڑ نبی کریم اور آپ کے صحابہ سے خوشی کی وجہ سے حرکت میں آ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے احد ٹھہر جا، بیشک تیرے اوپر ایک نبی،

ایک صدیق اور دو شہید کھڑے ہیں" (صحیح البخاری)، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے مقام و مرتبے کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "جنت میں بلند درجے والے نچلے درجے والوں کو اسی طرح دکھائی دیں گے جس طرح آسمان کے افق پر روشن ستارہ نظر آتا ہے اور ابو بکر اور عمر بلند درجوں میں ہوں گے" (ابن ماجہ)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی حوصلہ افزائی کرنے اور ان کی ارادوں کو بلند کرنے کے لئے ان کے مقام و مرتبے کو ظاہر کرنے، ان کی عظمت و شان اور قدر و منزلت کو بیان کرنے پر خواھاں تھے تاکہ وہ امت کی آنے والی نسلوں کے لئے اسوہ ثابت ہوں، ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " میرے صحابہ کے بارے میں مجھے اذیت نہ دو، اللہ تعالی نے مجھے ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور تم نے کہا: تو نے جھوٹ بولا، اور ابو بکر نے کہا: آپ نے سچ بولا، اگر اللہ تعالی نے اسے صاحب یعنی ساتھی نہ کہا ہوتا تو میں اسے خلیل بنالیتا" (بخاری و غیرہ اور الفاظ طبرانی کے ہیں)، عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: "اللہ نے عمر کی زبان اور دل پر حق جاری کر دیا ہے" (مسند احمد)، عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: "کیا میں اس آدمی سے حیاء نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیاء کرتے ہیں" (صحیح

مسلم)اور علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا: "تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں" (متفق علیہ)۔

جو شخص صحابہ کرام کی عظمت اور نبی کریم کی ان کے حق میں گواہی کے متعلق احادیث کا مطالعہ کرتا ہے اسے اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے وفا، سچی محبت اور اچھے طریقے سے معاملات کرنے کی ایسی اعلی ترین مثال قائم کی ہے جس کی نظیر تاریخ نے نہیں دیکھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دکھ درد کو محسوس کرتے، ان کے ساتھ ہمدردی کرتے، غائب شخص کی خبر گیری کرتے، مریض کی عیادت کرتے، جنازے میں شرکت کرتے، دعوت کو قبول کرتے، معاملات میں ان سے مشورہ کرتے، ان سے شفقت ونرمی سے پیش آتے، ان کے قرض کو ادا کرتے اور ان کے لئے اور ان کے اولاد کی دعا فرماتے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عثمان بن مظعون کے پاس آئے جبکہ وہ وفات پا چکے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر جھکے، اسے بوسہ دیا اور پھر اس قدر روئے کہ میں نے آپ کے رخساروں پر آنسوؤں کو بہتے ہوئے دیکھا" (مصنف عبد الرزاق)، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مسلمانوں اور مشرکین

کے درمیان رونما ہونے والے معرکہ کے ختم ہونے کے بعد اپنے صحابہ کی خبر لی اور انہیں کہا: "کیا تم کسی ساتھی سے محروم ہو رہے ہو؟" انہوں نے کہا: ہاں، فلاں، فلاں، اور فلاں شخص ساتھی نہیں ہے، آپ نے پھر فرمایا: "کیا تم کسی ساتھی سے محروم ہو رہے ہو؟" انہوں نے کہا: ہاں فلاں، فلاں، اور فلاں شخص نہیں ہے، آپ نے پھر فرمایا: "کیا تم کسی ساتھی سے محروم ہو رہے ہو؟" انہوں نے کہا: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لیکن میں جلیبیب کو نہیں پا رہا پس تم اس کو تلاش کرو" انہیں مقتولین میں تلاش کیا گیا تو انہوں نے اسے ان سات لوگوں کے پہلو میں پایا جن کو اس نے قتل کیا اور پھر انہوں نے اسے قتل کر دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس کے کھڑے ہوئے اور کہا: "اس نے سات لوگوں کو قتل کیا اور پھر انہوں نے اسے قتل کیا، یہ مجھ میں سے ہے اور میں اس میں سے ہوں، یہ مجھ میں سے ہے اور میں اس میں ہوں، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا اسے اپنے بازوں پر اٹھایا یہاں تک کہ اسے اس کی قبر میں رکھ دیا گیا" (صحیح مسلم)

برادرانِ اسلام:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری امت کو اپنے سارے صحابہ کے بارے میں وصیت کی، ان کی گستاخی کرنے یا اس کی حق تلافی کرنے سے متنبہ کیا اور واضح بیان کر دیا کہ ان کی محبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی دلیل اور ان سے بغض آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض کی دلیل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد انہیں ہدفِ تنقید نہ بناؤ، پس جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا، اور جس نے انہیں اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی، جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جس نے اللہ کو اذیت دی تو وہ عنقریب اس کی پکڑ کرے گا" (احمد و ترمذی)، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میرے صحابہ کو گالی مت دو، اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر دے تو وہ نہ تو ان کی ایک مدِ مقدار کو پہنچے گا اور نہ ہی اس کے آدھے حصے کو پہنچے گا" (بخاری)۔

جو شخص صحابہ کرام کی سیرت کا مطالعہ کرتا ہے وہ اس حقیقت کو جان لیتا ہے کہ انہوں نے یہ بلند مقام و مرتبہ صرف اللہ کے لئے اپنے اخلاص، اس کے رسول سے سچی محبت،

اپنے نفسوں سے جہاد کرنے، حق کی مدد اور اس کا دفاع کرنے، عمومی مصلحت کو ترجیح دینے اور اسے ذاتی مصلحت پر مقدم رکھنے، اپنے اچھے اخلاق اور تمام لوگوں کے ساتھ اچھے طریقے سے معاملات کرنے کے ذریعے حاصل کیا ہے، وہ اللہ کی تعریف وتوصیف کے مستحق ٹھہرے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے اعتماد کے اہل قرار پائے۔

صحابہ کرام کی نسل کو زندگی کا رخ بدلنے اور باطل اور ظلم وجبر کے ان اندھیروں کو دور کرنے میں سبقت حاصل ہے جن سے دنیا کا کونہ کونہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بھرا پڑا تھا، پس انہوں نے وحی الٰہی کے نور کے ذریعے اسے حق، عدل وانصاف اور مساوات میں تبدیل کر دیا، اسی لئے صحابہ کرام کی محبت سنت، ان کے حق میں دعا کرنا قربت، ان کی اقتدا و پیروی کرنا وسیلہ اور ان کے نقشِ قدم پر چلنا شرف وفضیلت ہے، حق سبحانہ وتعالی نے مہاجرین وانصار کے اوصاف بیان کرنے کے بعد فرمایا: { وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ } "اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی، جو

ایمان لانے میں ہم سے آگے بڑھ گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کوئی کینہ اور بغض باقی نہ رکھ۔اے اللہ ہمارے رب! بیشک تو بہت شفقت فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے"۔امام رازی نے کہا: ان کے لئے دعائے رحمت کرنا مہاجرین اور انصار کے بعد آنے والوں لوگوں کے معمول کا حصہ ہے۔

ہم اس بات کی یقین دہانی کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کے مقام ومرتبے کے بارے میں گفتگو کرنا اور ان کی عظمت کو بیان کرنا ایسے بہترین نمونے کے کردار کو پختہ کرتا ہے جس سے ہماری اولاد اور نوجوان مستغنی نہیں ہے، نمونہ کے ذریعے تربیت کرنے کا بالعموم معاشرے اور بالخصوص نئی نسل اور نوجوانوں میں مثبت طرزِ عمل، عمدہ اخلاق اور اعلی اقدار کو راسخ کرنے میں بہت گہرا اثر ہے، نوجوانوں پر لازم ہے کہ وہ اسلام کے بارے میں صحابہ کرام کی درست فہم وفراست سے جنم لینے والے معتدل اور وسطیت پر مبنی فکر کو مضبوطی سے تھام لیں اور ان کی شخصیت نمایاں ہو تاکہ وہ پیغام اور امانت ادا کرنے، اور امت کو کشمکش اور پریشانی کی کیفیت سے نکال کر رشد وہدایت، امن وامان، سعادت، استحکام اور ترقی کے راہوں پر ڈالنے کے لئے نجات کی کشتی کی قیادت کرنے کا اہل ہو سکے۔

کاش ہم صحابہ کرام کی قدر و منزلت کا ادراک کر لیں، ان کے اخلاق کی پیروی کریں، ان کے نقشِ قدم پر چلیں، ان کی سیرت سے قربانی دینے، راہِ حق میں خرچ کرنے اور مال، جان اور اولاد کا نذرانہ پیش کرنے کی روح کو پالیں، اور اس کائنات کو آباد کرنے، تہذیب کی تیاری اور لوگوں اور ملکوں کو ایسی چیز کے ساتھ نفع دینے کے لئے جو اسلام کی حقیقت اور رواداری کو ظاہر کرے، صحابہ کرام کے نقشِ قدم پر چلیں۔

صحابہ کرام کی زندگی کے روشن پہلو

اللہ کریم نے اپنی مخلوق میں سے اپنے نبیوں اور رسولوں کو منتخب فرمایا، ارشاد باری ہے: {اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ} "اللہ تعالی فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو منتخب فرمالیتا ہے، بے شک اللہ تعالی سننے والا دیکھنے والا ہے"۔ اور اللہ تعالی نے اپنے رسولوں کے لئے ایسے لوگوں کو منتخب فرمایا جو رسولوں کے لئے اپنے رب کا پیغام پہنچانے میں مددگار ثابت ہوتے۔ اللہ تعالی نے اپنے نبی مکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسی نفوسِ قدسیہ اور پاک ہستیوں کا انتخاب کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں، آپ کی عزت وتوقیر کی، آپ کی مدد کی اور آپ پر نازل کردہ نور قرآن کی پیروی کی، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: "اللہ تعالی نے بندوں کے دلوں پر نگاہ ڈالی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرما کر اپنے پیغام کے لئے مبعوث فرمایا اور اپنے علم کے ذریعے چن لیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بندوں کے دلوں پر نگاہ ڈالی تو صحابہ کو آپ کے لئے منتخب فرمالیا اور انہیں اپنے دین کے مددگار اور اپنے نبی کے وزیر بنادیا، پس جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں اچھی ہے اور جسے وہ برا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بری ہے"۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سب سے زیادہ سچے ایمان والے، سب سے زیادہ علم والے، سب سے گہرا فہم رکھنے والے اور سب سے زیادہ عمل والے تھے جنہوں نے حکمت وتدبر اور اچھی نصیحت کے ذریعے دنیا کے کونے کونے میں اسلام کے علم کو بلند کیا اور بہترین طریقے سے اپنے رب کے پیغام کو پہنچایا جس کی بنا پر وہ اس بات کے مستحق ٹھہرے تھے کہ وہ ایسی مقدس اور برگزیدہ ہستیاں قرار پائیں جنہیں اللہ تعالی نے اپنے نبی کے لئے منتخب فرمالیا تھا، ارشاد باری ہے: { قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى } "آپ فرمادیجئے! تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور سلام ہو اِس کے اِن بندوں پر جنہیں اُس نے منتخب فرمالیا ہے"۔

مذکورہ بالا فرمان کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اِس میں منتخب لوگوں سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں جنہیں اللہ نے اپنے نبی کے لئے منتخب فرمالیا تھا اور یہی وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جو اسلام کے حقیقی سرچشمہ سے سیراب ہوئیں اور صراطِ مستقیم سے ذرہ بھر بھی انحراف نہ کیا۔

صحابہ کرام کی زندگی کے ایسے بے شمار روشن پہلوؤں ہیں جو حقیقی اسلام کی عملی تصویر پیش کرتے ہیں، ہم درج ذیل سطور میں صحابہ کرام کی زندگی کے چند روشن پہلوؤں کا ذکر کرتے ہیں۔

☆ رحمت کا پہلو: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے دلوں میں رحمت کے جذبہ کو پختہ کر دیا تھا یہی وجہ تھی کہ ایک دن عیینہ بن حصن نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ اپنی اولاد میں سے کسی کو اپنی گود میں بیٹھا کر اسے بوسہ دے رہے ہیں تو عیینہ نے کہا: کیا آپ امیر المومنین ہوتے ہوئے بھی بچے کو بوسہ دے رہے ہیں ؟ اگر میں امیر المومنین ہوتا تو میں اپنے کسی بچے کو بوسہ نہ دیتا، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر اللہ تعالی نے ہی تیرے دل سے رحمت کو چھین لیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں ؟ اللہ تعالی اپنے رحم دل بندوں پر رحم فرماتا ہے. در حقیقت اس طرزِ عمل میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرع بن حابس کے سامنے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو بوسہ دیا تو اقرع بن حابس نے کہا: میرے دس بیٹے ہیں میں نے ان میں سے ایک کو بھی

بوسہ نہیں دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا اور پھر فرمایا: "جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا"۔

☆ عفو و در گزر کا پہلو: اسی طرح صحابہ کرام عفو و در گزر میں بھی قابلِ تقلید مثال تھے، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسطح بن اثاثہ کو معاف کر کے عفو و در گزر کی سب سے اعلیٰ اور عمدہ مثال قائم کی آپ رضی اللہ عنہ مسطح سے قرابت داری اور اس کی غربت کی وجہ سے اس پر خرچ کیا کرتے تھے اور مسطح اُس افراد میں شامل تھا جنہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازیبا الفاظ کہے تھے جب اللہ تعالیٰ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت اور پاکدامنی کے بارے میں آیات نازل کیں تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُس پر آئندہ خرچ نہ کرنے کا ارادہ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اِس موقع پر اِس آیت کا نزول فرمایا کہ: {وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ} "اور تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں انہیں اپنے قرابت داروں اور مسکینوں اور مہاجروں کو فی سبیل اللہ دینے سے قسم نہ کھا لینی چاہیے، بلکہ معاف کر دینا اور در گزر کر لینا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف فرما

دے ؟ اللہ تعالی قصوروں کو معاف فرمانے والا مہربان ہے"۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالی مجھے معاف فرمادے اور آپ نے یہ کہتے ہوئے اس پر دوبارہ خرچ کرنا شروع کیا کہ میں کبھی بھی اس سے یہ خرچہ ختم نہیں کروں گا۔

☆بلند ہمتی اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا: صحابہ کرام نے بلند ہمتی، نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا اور اعلی چیزوں کو حاصل کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو یہ سب سے اعلی جنت ہے اس کے اوپر رحمن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں"۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام ہر جگہ اعلی چیزوں کے خواہش مند رہتے تھے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: "ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا اور اتفاق سے اُس وقت میرے پاس مال تھا، میں نے کہا: اگر میں کسی دن ابو بکر سے سبقت لے سکتا ہوں تو آج اس سے سبقت لے سکتا ہوں، پس میں اپنا آدھا مال لے کر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: "تم اپنے اہلِ خانہ کے لئے کیا چھوڑ کر آئے ہو

؟" میں نے عرض کی: اتنا ہی مال (اہل خانہ کے لئے چھوڑ کر آیا ہوں)، عمر کہتے ہیں کہ ابو بکر اپنا سارا مال لے کر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: "تم اپنے اہلِ خانہ کے لئے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟" ابو بکر نے عرض کی: میں ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول چھوڑ کر آیا ہوں، (عمر کہتے ہیں کہ) میں نے کہا: میں کبھی بھی کسی چیز میں آپ سے مقابلہ نہیں کروں گا۔

جلیل القدر صحابی کعب اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات گزارتا تھا میں آپ کے وضو کا پانی لے کر آپ کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: (مجھ سے مانگو) میں نے عرض کی: میں آپ سے جنت میں آپ کی سنگت کا سوال کرتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اور اس کے علاوہ) میں نے عرض کی: بس یہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (کثرتِ سجود سے اپنے بارے میں میری مدد کرو)۔

☆ ایثار وقربانی اور خودداری واستغنا کا پہلو: انصار صحابہ نے ایثار وقربانی کی اعلی ترین مثال قائم کی، ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول، مجھے بھوک لگی ہے، آپ نے

ازواجِ مطہرات کی طرف پیغام بھیجا لیکن ان کے پاس کوئی چیز نہ پائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (کیا کوئی شخص نہیں ہے جو اِس رات اسے مہمان بنائے ؟، اللہ اس پر رحم فرمائے)، انصار میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول، میں (اس کو مہمان بناتا ہوں)، وہ آدمی اپنے اہلِ خانہ کے پاس گیا اور اپنی بیوی سے کہا: (یہ) اللہ کے رسول کا مہمان ہے، اس سے کوئی چیز بچا کر نہ رکھنا، اس نے کہا: اللہ کی قسم میرے پاس بچوں کے کھانے کے سوا کچھ نہیں، اس آدمی نے کہا: جب بچے کھانا مانگے تو تو ان کو سُلا دینا، اور آؤ تم چراغ کو بجھا دو، اور ہم آج رات بھوکے رہتے ہیں، اس (عورت) نے ایسا ہی کیا، پھر صبح آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالی فلاں مرد اور فلاں عورت سے حیران ہوا) اور اللہ تعالی نے اُس وقت اِس آیت کا نزول فرمایا: {وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ} "اور خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو"۔

اور سیدنا سعد بن ربیع اور سیدنا عبدالرحمن بن عوف کا یہ واقعہ انصار صحابہ کے جذبہ ء ایثار اور مہاجر صحابہ کی خودداری و استغنا کی بڑی عمدہ منظر کشی کرتا ہے کہ سعد بن ربیع

نے عبدالرحمن بن عوف کو یہ پیش کش کی کہ وہ اپنا آدھا مال انہیں دے دیتے ہیں عبدالرحمن بن عوف نے مکمل استغنا کے ساتھ جواب دے دیا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ بازار کی طرف ان کی رہنمائی کر دیں، سیدنا عبدالرحمن نے تجارت میں اس قدر محنت کی کہ آپ مدینہ کے سب سے زیادہ مالدار شخص بن گئے۔

☆حق بات کی طرف رجوع کرنے کا پہلو: صحابہ کرام ہمیشہ حق کے متلاشی رہتے تھے اور حق کی طرف رجوع کرنے میں تکبر اور ہٹ دھرمی کو آڑے نہیں آنے دیتے تھے ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے سے آواز سنی کہ: "اے ابو مسعود، تیرے اس غلام پر قادر ہونے سے زیادہ اللہ تعالی تیرے اوپر قادر ہے" میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول، یہ اللہ کی رضا کی خاطر آزاد ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تو ایسا نہ کرتا تو دوزخ کی آگ تیرے چہرے کو جھلسا دیتی"۔

☆وفائے عہد کا پہلو: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے دلوں میں وفائے عہد کی اہمیت کو پختہ کرتے ہوئے انہیں وفائے عہد کی ترغیب دی تھی، سیدنا معاویہ

رضی اللہ عنہ اور روم کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا تھا لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ وہ روم کی سرحدوں کے قریب گھات لگاتے ہیں اور جب معاہدے کی مدت ختم ہو جائے گی تو وہ اچانک ان پر حملہ کر دیں گے، اصحاب رسول میں سے ایک شخص پیچھے سے انہیں جا ملا اور وہ کہہ رہا تھا کہ اللہ اکبر، اللہ اکبر، معاہدہ پورا کرو، غداری نہ کرو، انہوں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف ایک شخص کو بھیجا اس نے اس صحابی سے پوچھا تو اس نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ (جس شخص اور قوم کے درمیان کوئی معاہدہ ہو تو نہ تو اس کی گرہ کو مضبوط کیا جائے اور نہ ہی کھولا جائے یہاں تک کہ اس کی مدت پوری ہو جائے یا برابری کی بنیاد پر اس کو توڑا جائے) پس معاویہ رضی اللہ عنہ واپس لوٹ آئے۔

برادرانِ اسلام:

صحابہ کرام دین کے نام پر دنیا کی تعمیر و ترقی کرنے کا ایک عمدہ نمونہ ہے ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک خاص کام اور پیشہ تھا جس سے وہ عمدہ طریقے اور پختگی سے سرانجام دیتے تھے، ان میں تاجر، قائد، عالم وغیرہ موجود تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: "میری امت میں سے میری امت پر سب سے زیادہ رحم دل ابو بکر، دین کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت عمر، سب سے سچی حیا والا عثمان، حلال و حرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا معاذ بن جبل، اور قرآن کا سب سے بڑا قاری ابی بن کعب، اور علم میراث کو سب سے زیادہ جاننے والا زید بن ثابت ہے، اور ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور میری امت کا امین ابو عبیدہ بن جراح ہے"۔

صحابہ کرام کے کاموں کے بڑے اچھے نتائج سامنے آئے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی حوصلہ افزائی کرتے، انہیں اپنے کام کو پختگی سے کرنے کی تلقین کرتے، صحابہ اور ان کے کام کی تعریف کرتے، غزوہ تبوک کے موقع پر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جھولی میں ڈال دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کے بعد عثمان نے جو کام بھی کیا وہ اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا"۔

☆رزقِ حلال کی تلاش اور تمام معاملات میں خوفِ خدا کو پیش نظر رکھنے کا پہلو: سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے خادم کو ایک گھوڑا خریدنے کا حکم دیا اس نے آپ کے لئے تین سو درہم کا ایک گھوڑا خریدا اور اسے اور اس کے مالک کو ساتھ لے کر

آپ کے پاس آیا تاکہ اسے قیمت ادا کی جائے، حضرت جریر نے گھوڑے کے مالک کو کہا : تیرا گھوڑا تین سو درہم سے بہتر ہے، کیا تو اس کو چار سو درہم میں بیچے گا؟ اس نے کہا: معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے، جریر رضی اللہ عنہ نے کہا: تیرا گھوڑا اس سے بھی بہتر ہے، کیا تو اس کو پانچ سو درہم میں بیچے گا؟ آپ ایک سو کا اضافہ کرتے گئے یہاں تک کہ بات آٹھ سو تک پہنچ گئی اور آپ نے وہ گھوڑا آٹھ سو درہم میں خریدا، اس بارے میں آپ سے کہا گیا تو آپ نے کہا: "میں نے اس بات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی کہ میں ہر مسلمان کو نصیحت کروں گا"۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ہر کوئی اپنی ذمہ داری کو جانتے ہوئے اس کو احسن طریقے سے ادا کرتا تھا اور اپنے دائرہ کار سے تجاوز نہ کرتا تھا، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو قضا کے منصب کی ذمہ داری سونپی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک سال تک اس منصب پر فائز رہے لیکن کوئی شخص بھی مقدمہ لے کر نہ آیا اور جب آپ نے منصبِ قضا کو ترک کرنے کا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا اے عمر! کیا منصبِ قضا کی مشقت کی وجہ سے چھوڑنا چاہتے ہو؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے خلیفہء رسول! ایسی بات نہیں ہے لیکن

میں تو اس لئے چھوڑنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کو میری ضرورت نہیں ہے، ان میں سے ہر فرد کو اپنے حق کا علم ہے اس لئے وہ اپنے حق سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کرتا، اور ہر فرد کو اپنی ذمہ داری کا علم ہے اس لئے وہ اس کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتا، ان میں سے ہر کوئی اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرتا ہے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے، اور جب ان میں سے کوئی غائب ہوتا ہے تو وہ اس کے مشتاق ہوتے ہیں اور جب وہ بیمار ہوتا ہے تو وہ اس کی عیادت کرتے ہیں اور جب اس پر غربت آتی ہے تو وہ اس کی مدد کرتے ہیں اور جب اسے کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اس کے ساتھ تعاون کرتے ہیں اور جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اس سے تعزیت کرتے ہیں اور اس کو تسلی دیتے ہیں، ان کا دین نصیحت ہے اور ان کا اخلاق نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہے، پس وہ کسی چیز میں جھگڑا کر سکتے ہیں ؟۔

آج ہمیں کتنی اشد ضرورت ہے کہ ہم صحابہ کرام کے ان اعلی اخلاق کی طرف لوٹ کر اپنے آپ کو ان سے مزین کریں اور تمام لوگوں کے سامنے دینِ اسلام جو کہ رحمت، نرمی و آسانی، انسانیت اور امن و سلامتی کا دین ہے، کی حقیقی تصویر پیش کریں۔

اسلام عمل اور کردار کا نام: تابعین کی زندگی سے چند مثالیں

اللہ تعالی اپنے بندوں میں سے کچھ لوگوں کو چن لیتا ہے جو اخلاصِ نیت کے ساتھ دینِ الہی اور پیغامِ خداوندی کے لئے اپنی زندگیوں کو وقف کر دیتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اس امت کے بہترین لوگ صحابہ ء کرام، ان کے بعد تابعین اور ان کے بعد تبع تابعین ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سب سے بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے اور پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے"۔ یہ وہ بَرگزیدہ ہستیاں ہیں جنہیں بہترین لوگ قرار دیا ہے اور انہوں نے علم کی امانت کا بیڑہ اٹھاتے ہوئے دین میں غلو کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کی علمی بددیانتی اور جاہلوں کی تاویلات کا رد کیا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے ان کی تعریف کی، انہیں اصحاب رسول کی صحبت کا شرف بخشا، اور ان سے راضی ہوتے ہوئے ان سے جنت کی نعمتوں کا وعدہ فرمایا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ارشاد باری ہے: { وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ} "اور مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ تعالی نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے"۔

تابعین نبی کریم صلی اللہ کے زمانے کے سب سے زیادہ قریب ہیں یہ لوگ صحابہ کرام کے بعد آنے والی نسل ہے اور تبع تابعین، تابعین کے بعد آنے والی نسل ہے۔

تابعین نے صحابہ کرام کی صحبت اختیار کی ان سے علم حاصل کیا اور خود صحابہ کرام نے ان کے علم و فضل کی گواہیاں دیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں گواہی دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "اللہ کی قسم یہ ایک مفتی ہیں"، اور فرماتے تھے کہ: "تم سعید بن مسیب سے پوچھو، یہ صالحین کی صحبت میں رہے ہیں"، سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کی موجودگی میں فتوی دیا کرتے تھے، حبر الامہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد عطا بن ابی رباح مکہ میں فتوی دینے کے لئے بیٹھا کرتے تھے، جب ابن عمر رضی اللہ عنہ مکہ تشریف لائے تو لوگوں

نے ان سے سوالات پوچھے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے مکہ والو! تم میرے پاس سوالات جمع کر کے لا رہے ہو جبکہ عطا بن ابی رباح تمہارے درمیان موجود ہیں؟

تابعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کی وجہ سے مشہور ہیں، کھجور کے جس تنے کے ساتھ کھڑے ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیا کرتے تھے جب حسن بصری رضی اللہ اس کے بارے اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے فراق میں رونے کے بارے میں گفتگو کرتے تو خود رویا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ: اے اللہ کے بندو: کھجور کا تنہ فرطِ محبت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں روتا ہے حالانکہ تم رسول اللہ کی محبت و فراق میں رونے اور آپ کی ملاقات کے طلب گار ہونے کے زیادہ حق دار ہو، امام مالک رحمہ اللہ تعالی سے پوچھا گیا کہ آپ نے ایوب سختیانی سے کب سماع کیا ہے تو آپ نے فرمایا: انہوں نے دو مرتبہ حج کیا اور میں بس انہیں ٹکٹکی لگا کر دیتا رہتا تھا اور ان سے سماع نہیں کرتا تھا اور جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے تو اس قدر روتے کہ میں کہتا کہ اللہ ان پر رحم فرمائے۔ تابعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر عزت و توقیر کرتے تھے کہ وہ اچھی وضع قطع اور خوبصورت لباس پہنے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان نہیں کرتے تھے، اور

تبع تابعین نے بھی اسی نہج پر تربیت پائی، ابو سلمہ خزاعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ جب حدیثِ رسول کا درس دینے کے لئے نکلنا چاہتے تو وضو فرماتے، اچھا لباس پہنتے، اور اپنی داڑھی کو کنگھی کرتے، اور جب ان سے اس بارے میں کہا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ: میں اِس سے حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرتا ہوں۔

اور بعض تابعین کا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا، جیسے کہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ جو اپنی والدہ کے فرمانبردار تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے ان کا ذکر کیا اور انہیں بتایا کہ وہ مستجاب الدعوات ہیں، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "تابعین میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس کا نام اویس ہے اور ان کی والدہ بھی (زندہ) ہیں، تم اس کو کہنا کہ وہ تمہارے لئے دعائے استغفار کرے"، اور جب یمن کے لوگ آئے تو عمر رضی اللہ عنہ اویس قرنی کو تلاش کرنے لگے یہاں تک کہ آپ کی ان سے ملاقات ہو گئی اور آپ نے ان سے کہا: تم میرے لئے دعائے استغفار کرو، انہوں نے کہا: تم اس بات کے زیادہ حق دار ہو کہ تم میرے لئے دعائے استغفار کرو، آپ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو، عمر رضی اللہ عنہ اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے آپ کے لئے دعائے استغفار کی۔

تابعین نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دین کا صحیح فہم حاصل کیا، امام حسن بصری جن کا شمار کبارِ تابعین میں ہوتا ہے، ان سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ مومن ہیں؟ آپ نے فرمایا: ایمان کی دو قسم ہیں، اگر تو تم مجھ سے اللہ تعالی، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، جنت، روزِ حشر اور روزِ حساب کے بارے میں سوال کر رہے ہو تو میں مومن ہوں، اور اگر تم اللہ تعالی کے اس فرمان کے بارے میں سوال کر رہے ہو کہ {إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ * الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ * أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا} "پس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالی کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں"۔ تو میں نہیں جانتا کہ میں ان میں سے

ہوں یا نہیں، امام بیہقی رحمہ اللہ تعالی اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حسن بصری نے فوری طور پر اصل ایمان کو بیان کرنے میں کوئی توقف نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس کامل ایمان کے بارے میں توقف کیا ہے جس کے حامل لوگوں سے اللہ تعالی نے جنت کا یہ وعدہ فرمایا ہے کہ : { لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ } "ان کے لئے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور مغفرت اور عزت کی روزی ہے"۔

اسی طرح انہوں نے دین میں آسانی، نرمی اور سہولت سیکھی اور اسے اپنی زندگیوں میں عملی طور پر نافذ کیا، سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک علم ثقہ شخص سے منقول رخصت ہے اور جبکہ سختی تو ہر کوئی اچھے طریقے سے کر رہا ہے، ازرق بن قیس بیان کرتے ہیں کہ : ہم اھواز کے مقام پر نہر کے کنارے تھے جس کا پانی خشک ہو گیا تھا، ابو برزہ اسلمی گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور اپنے گھوڑے کو کھلا چھوڑ کر نماز پڑھنے لگے تو گھوڑا چلا پڑا انہوں نے اپنی نماز چھوڑ کر گھوڑے کا پیچھا کیا یہاں تک اس کو پکڑ لیا اور پھر واپس آکر اپنی نماز مکمل کی، ہمارے درمیان ایک شخص کہنے لگا کہ :اس شخص کو دیکھو اس نے گھوڑے کی خاطر اپنی نماز چھوڑ دی، ابو برزہ نے آکر کہا:

جب سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہوا ہوں مجھ پر کسی نے سختی نہیں، اس نے کہا: میرا گھر دور ہے اور اگر میں گھوڑے کو چھوڑ کر اپنی نماز مکمل کرتا تو میں رات تک اپنے اہل خانہ کے پاس نہ پہنچ سکتا، اس شخص نے یہ چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی ہے کہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ نے زیادہ آسان چیز کو اختیار فرمایا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " آسانی پیدا کرو، تنگی پیدا نہ کرو، خوشخبریاں سناؤ، نفرت پیدا نہ کرو، "، اور آپ کا فرمان ہے کہ: " جس چیز میں بھی نرمی ہوتی ہے وہ اس کو خوبصورت بنا دیتی ہے اور جس چیز سے نرمی نکال لی جاتی ہے وہ اس کو عیب دار بنا دیتی ہے "۔

اسی طرح انہوں نے رحمت، باہمی کفالت اور دوسرے کے احساس کو اپنی زندگیوں میں عملی طور پر نافذ کیا، علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ بہت سے غریبوں پر خفیہ طور پر خرچ کرتے تھے جس کا کسی کو بھی علم نہیں ہوتا تھا اور جب آپ نے وفات پائی تو وہ غریب اپنی کفالت کے ذمہ دار شخص سے محروم ہو گئے اور جب لوگوں نے آپ کو غسل دیا تو انہوں نے آپ کی کمر اور کندھوں پر اس تھیلے کے اثرات دیکھے جس میں آپ سامان اٹھا کر بیواؤں اور غریبوں کے گھروں تک پہنچاتے تھے اور سب لوگوں کو

معلوم ہو گیا کہ یہی وہ شخص ہے جو رات کی تاریکیوں میں غریبوں اور بیواؤں کے گھروں کھانے کا سامنا پہنچاتا تھااور کہا گیا ہے کہ آپ مدینہ میں ایک سو گھرانوں کی کفالت کرتے تھے۔

اور یہ باہمی رحمت اور کفالت کا جذبہ صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کو شامل تھا، سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ بصرہ میں اپنے گورنر کے نام خط لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ : "اور تم اپنے ہاں ذمی لوگوں میں سے دیکھو کہ جس کی عمر زیادہ ہو گئی ہے، قوت جواب دے گئی ہے اور اس کے پاس ذرائع آمدنی نہیں ہے تو تم اس کے لئے بیت المال سے اتنا وظیفہ جاری کرو جس سے اس کے حالات زندگی بہتر ہو جائیں"، سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے اس میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی پیروی کی ہے کہ جب انہوں نے اہلِ کتاب میں سے ایک عمر رسیدہ شخص کو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ : اگر ہم نے اس کی جوانی کو کھالیااور بڑھاپے میں اس کو ضائع کر دیا تو ہم نے اس کے ساتھ انصاف نہ کیا اور پھر آپ نے اس کے لئے بیت المال سے اس قدر وظیفہ جاری کیا جو اس کے کافی ہوتا۔

اسی طرح سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اہل حیرہ کے ساتھ صلح نامہ میں یہ بات لکھی کہ : "ہر وہ عمر رسیدہ شخص جس میں کام کرنے کی طاقت نہ ہو یا اس پر کوئی آفت آ گئی ہو یا وہ امیر تھا اور غریب ہو گیا ہو میں نے اس کے لئے مسلمانوں کے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا"، اور یہ سب صحابہ اس چیز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کر رہے ہیں اور حقیقی دینِ اسلام کو عملی طور پر نافذ کر رہے ہیں، ارشاد باری ہے : {لا ينهاكم اللهُ عَنِ الذِينَ لم يُقاتِلوكُمْ فِي الدِّينِ وَلم يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ} "جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالی تمہیں نہیں روکتا، بلکہ اللہ تعالی تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔

اور یہ رحمت صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ جانوروں اور پرندوں وغیرہ کو بھی شامل ہے سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے مصر میں اپنے گورنر کو خط لکھا جس میں وہ انہیں اونٹوں پر رحم کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ : "مجھے خبر ملی ہے کہ مصر میں سامان منتقل کرنے والے اونٹ ہیں، اور ایک اونٹ پر ایک ہزار رطل

سامان لادا جاتا ہے پس جب تمہارے پاس میرا یہ خط پہنچ جائے تو مجھے اس بات کا علم نہیں ہونا چاہیے کہ اونٹ پر چھ سو رطل سے زیادہ سامان لادا جاتا ہے"۔

آپ نے جانوروں پر رحم کرنے کا حکم دیا کہ نہ تو ان کے ساتھ بے رحمی کا سلوک کیا جائے اور نہ ہی ان کو مارا جائے، اور انہوں نے یہ چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے سیکھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے مالک کو فرمایا: "کیا تو اس چوپائے کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتا جس کا اس نے تجھ کو مالک بنایا ہے، اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تو اس کو بھوکا پیاسا رکھتا ہے اور ہمیشہ اس سے کام لیتا ہے"۔

برادرانِ اسلام:

تابعین کی زندگیوں کی سب سے نمایاں خوبی لوگوں کے ساتھ نرمی برتنا اور عاجزی و انکساری سے پیش آنا ہے، وہ لوگوں کے ساتھ معاملات میں سب سے زیادہ نرمی اور آسانی برتنے والے تھے، قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حسن بصری کے ہاں داخل ہوئے تو وہ سوئے ہوئے تھے اور ان کے سرہانے ایک ٹوکری تھی ہم نے اس کو کھینچا تو اس میں روٹی اور پھل تھا، ہم اسے کھانے لگے، وہ بیدار ہوئے تو ہمیں دیکھ کر خوش ہوئے اور مسکراتے ہوئے اللہ تعالی کا یہ فرمان پڑھنے لگے کہ: { أَوْ صَدِيقِكُمْ لَيْسَ

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ} "یا اپنے دوستوں کے گھروں سے، تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں"۔ جریر بن حازم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ حسن بصری کے پاس تھے اور آدھا دن گزر گیا تھا، اس کے بیٹے نے کہا: شیخ صاحب کے پاس سے جلدی سے کوچ کر جاؤ تم نے ان کو مشقت میں ڈال دیا ہے انہوں نے نہ کھانا کھایا ہے اور نہ پانی پیا ہے، آپ نے فرمایا: تو ان کو چھوڑ دے، اللہ کی قسم ان کو دیکھنے سے بڑھ کر کوئی چیز میری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک کا باعث نہیں ہے۔

اس واقعہ میں اپنی ذاتی کی نفی اور لوگوں کے ہاں علم کی قدر دانی، اس کا احترام اور اللہ کے دین کی قدر واہمیت کا سبق ملتا ہے اور اس واقعہ میں اس شخص کے لئے سبق ہے جو علم کے بغیر اللہ کے دین کو بیان کرنے کے لئے مسند پر بیٹھ کر خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالی علم کو لوگوں سے نہیں چھینے گا، لیکن علماء کو اٹھا کر علم کو اٹھالے گا، حتی کہ جب کوئی عالم نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، ان سے سوال کیا جائے گا، وہ بغیر علم کے جواب دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے"۔

تابعین بعد والے آئمہ کرام کے لئے بہترین نمونہ تھے، امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ جن کا شمار تبع تابعین میں ہوتا ہے، ان سے ابو جعفر منصور رحمہ اللہ تعالی نے درخواست کی کہ میرا ارادہ ہے کہ میں آپ کی تالیف کردہ کتاب "الموطأ" کے مختلف نسخے تیار کرنے کا حکم دوں اور مسلمانوں کے ہر شہر میں اس کا ایک ایک نسخہ بھیج کرانہیں حکم دوں کہ وہ اس کے مطابق عمل کریں اور اس کے علاوہ جو علم بھی ان کے پاس ہے اسے چھوڑ دیں، میرے خیال میں اصل علم اہلِ مدینہ کی روایات اور ان کا علم ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: اے امیر المومنین ! تم یہ نہ کرو، لوگوں کے پاس مختلف اقوال پہنچ چکے ہیں، انہوں نے احادیث کی سماعت کی ہے، مختلف روایات کو روایت کیا ہے، اور ہر قوم کے پاس لوگوں کے مختلف اقوال میں سے جو علم پہنچا ہے انہوں نے اسے ہی مذہب اختیار کر کے اس کے مطابق عمل کیا ہے اور جس چیز کا وہ یقین کر چکے ہیں انہیں اس سے منع کرنا بہت مشکل ہے، ہر شہر کے لوگوں نے جو مذہب اختیار کیا ہے آپ انہیں اس پر چھوڑ دیں، ابو جعفر منصور نے کہا: اللہ کی قسم، اگر تم اس کام میں میرے ساتھ موافق ہوتے تو میں اس کا حکم دے دیتا۔

تابعین اس قدر کریم الطبع اور علم و فہم کے مالک تھے کہ ایک دفعہ امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ اس کے شاگرد یونس بن عبدالاعلی کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو گیا اور یونس غصے کی حالت میں اٹھ کر چلا گیا، جب رات ہوئی تو یونس نے اپنے گھر کے دروازے پر دستک کی آواز سنی، انہوں نے پوچھا دروازے پر کون ہے؟ دستک دینے والے نے جواب دیا محمد بن ادریس، یونس نے کہا: میں نے امام شافعی کے سوا ہر شخص کے بارے میں سوچا جس کا نام محمد بن ادریس ہے، اور جب میں نے دروازہ کھولا تو میں نے اچانک امام شافعی کو اپنے سامنے پایا، امام شافعی نے کہا: اے یونس، سینکڑوں مسائل ہمیں ایک ساتھ رکھتے ہیں اور ایک مسئلہ ہمیں جدا کر رہا ہے؟ اے یونس، ہر اختلاف میں جیتنے کی کوشش نہ کر، بعض اوقات دلوں کا جیتنا اپنے موقف کو جیتنے سے زیادہ بہتر ہوتا ہے، اے یونس، دوستی کا جو پل تم تعمیر کر کے عبور کر چکے ہو اسے مت گراؤ، ہو سکتا ہے تمہیں کسی دن واپس لوٹنا پڑے، ہمیشہ غلطی سے نفرت کرو، غلطی کرنے والے سے نفرت نہ کرو، گناہ سے مکمل نفرت کرو، لیکن گناہ گار کو معاف کرو اور اس سے رحمدلی سے پیش آؤ، اے یونس، بات پر اعتراض کرو لیکن بات کرنے والے کا احترام کرو۔

نرمی اور آسانی اسلامی شریعت میں عظمت کے مظاہر

بیشک اسلامی شریعت میں عظمت کے مظاہر بے حد وحساب اور لامحدود ہیں لیکن اسلامی شریعت کی سب سے واضح اور نمایاں خوبی نرمی اور آسانی ہے۔ آپ اس میں کوئی سختی، مشقت، دشواری اور تنگی نہیں دیکھیں گے اور اسلام کے ان بعض علمبرداروں کا تشدد اس کو بدنام نہیں کر سکتا جنہوں نے یہ گمان کیا ہے کہ دین کے معاملے میں احتیاط سے کام لینا اور دین پر زیادہ سختی سے عمل کرنے کا تقاضہ کرتا ہے اور انہوں نے امت پر تشدد اور سختی کے ایسے دروازے کھول دیئے جو پابندگی اور احتیاط کے نام پر بہت سے لوگوں کو انتہا پسندی کی راہ کی طرف لے گئے حتی کہ تشدد ان کے درمیان آپس میں مقابلہ کرنے کا میدان بن گیا اور ان کی زبانِ حال اس بات کا گمان کرتی ہے کہ جو زیادہ سختی کرتا ہے وہ زیادہ دیندار اور خوفِ خدا رکھنے والا ہے، یہ صورتحال اگر دلالت کرتی ہے تو ان کے اس دین کی عظمت، اس کی نرمی اور آسانی سے جاہل ہونے پر دلالت کرتی ہے، حق سبحانہ وتعالی نے ارشاد فرمایا: {وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ} "اور اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

(یہ) تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اس سے پہلے بھی اور اس میں بھی تاکہ یہ پیغمبر تم پر گواہ بن جائے اور تم تمام لوگوں کے گواہ بن جاؤ"۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیشک دین آسان ہے، جو کوئی دین سے زورِ آزمائی کرے گا دین اُس پر غالب آجائے گا، پس تم سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کرو، آپس میں قربت پیدا کرو اور خوشخبری دو، اور صبح وشام اور رات کے تھوڑے سے حصے سے مدد حاصل کرو"۔

اسلامی شریعت میں نرمی اور آسانی صرف کہی جانے والی بات یا بلند کئے جانے والا نعرہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک ربانی منہج اور اصول ہے جس کے مطابق حق سبحانہ وتعالی نے اپنے بندوں کے ساتھ معاملہ کیا ہے اور انہیں بھی آپس میں اس اصول اور منہج کے مطابق معاملات کرنے کا حکم دیا ہے، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: {لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا} "اللہ تعالی کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا"۔اور دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: {يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ} "اللہ تعالی تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ سختی نہیں چاہتا"۔اور دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: {يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا} "اللہ چاہتا ہے کہ وہ تم

سے بوجھ ہلکا کر دے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے"۔ ہمارا رب اپنی کتاب قرآن مجید کی سب سے امید بخش آیت میں اپنے بندوں کے لئے رحمت، مغفرت اور امید کے دروازے کو کھول دیتا ہے اور فرماتا ہے : { قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ } "آپ فرما دیں: اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر لی ہے، تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، بے شک اللہ سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے، وہ یقینا بڑا بخشنے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے"۔ اور دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے : { إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ } "مگر جو لوگ توبہ کر لیں، اور اپنی اصلاح کر لیں اور حق کو ظاہر کر دیں تو میں انہیں معاف فرما دوں گا،اور میں بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں"۔

ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب اللہ تعالی نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنے ہاں اپنے عرش کے اوپر یہ لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے"، حدیث قدسی میں اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے : "اے ابن آدم جب تک تو مجھ سے دعا مانگتا رہے گا اور مجھ

سے امید رکھے گا تو میں تجھے تیرے عیب اور گناہوں کے باوجود معاف کرتا رہوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں، اے ابن آدم اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندی تک پہنچ جائیں اور پھر تو مجھ سے معافی مانگے تو میں تجھے معاف کردوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں، اے ابن آدم اگر تو زمین کی حدود کے برابر گناہ لے کر میری بارگاہ میں آیا اور مجھے اس حال میں ملا کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تو میں زمین کی حدود کے برابر تیرے لئے بخشش لے کر آؤں گا"۔

اسی طرح اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں متعدد مقامات پر عفو ودرگزر اور نرمی وآسانی کی دعوت دی ہے، ارشاد خداوندی ہے: { خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ } "آپ درگزر کو اختیار کریں، اور بھلائی کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی کرلیں"۔ اور دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: { وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ * وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ } "اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوسکتی، اور برائی کو بہتر طریقے سے دور کرو سو وہ شخص کہ تمہارے اور جس کے درمیان دشمنی ہے گویا وہ دلی دوست بن جائے گا، اور یہ بات انہیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں اور اسے سوائے بڑے نصیبے والوں کے کوئی

نہیں پا سکتا"۔ اور دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے : { وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ } "انہیں معاف کر دینا چاہئے اور انہیں در گزر کرنا چاہئے، کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے"۔

بیشک جو شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں غور و فکر کرتا ہے وہ یقینی طور پر اس بات کو جان لیتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رواداری، اور نرمی و آسانی میں اپنی امت اور تمام انسانیت کے لئے بہترین اسوہ تھے، اس بارے میں سیدۃ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہے کہ : "جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزوں میں اختیار دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن دونوں میں سے آسان چیز کو اختیار کیا جبکہ وہ گناہ نہ ہو اور اگر وہ گناہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سے سب سے زیادہ اس سے دور رہتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے کبھی انتقام نہیں لیا سوائے اس کے کہ اللہ کی حدود کی بے حرمتی کی جاتی تو آپ اللہ کے لئے اس کا انتقام لیتے"۔

ہم حکمت وتدبر اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دینے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں سے چند مثالیں ذکر کرتے ہیں: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول، مجھ پر حد واجب ہے آپ مجھ پر حد قائم کریں، انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں اِس سے کوئی سوال نہیں کیا اور نماز کا وقت ہو گیا، اِس آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مکمل کر لی تو وہ آدمی کھڑا ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول، مجھ پر حد واجب ہے آپ قرآن کے مطابق مجھ پر حد قائم کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تو نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی" اس نے کہا: ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک اللہ تعالی نے تیرا گناہ معاف فرما دیا ہے"۔ سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بچے کو لایا گیا، اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور اس پر بہا دیا"۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جب ہم قرآن کریم اور سنتِ نبویہ کا مطالعہ کریں تو ہم ان میں رواداری، آسانی اور نرمی کی کئی مثالیں پائیں گے جو اس انتہا پسندی، غلو اور تشدد کی نفی کرتی ہیں جس کا آج ساری دنیا کو سامنا ہے۔ عقیدہ کے بارے میں ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے کسی کو بھی اسے قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا، بلکہ سب کو عقیدے کی آزادی کی ضمانت دی ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: {لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ} "دین میں کوئی زبردستی نہیں، بیشک ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے"۔ اور دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: {وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ} "اور اگر آپ کا رب چاہتا تو ضرور سب کے سب لوگ جو زمین میں ہیں ایمان لے آتے، تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے یہاں تک کہ وہ مومن ہو جائیں"۔

عبادات میں ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسانی، نرمی اور تشدد سے دور رہنے کی تعلیم دی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیشک تم میں سے لوگوں کو دین سے دور کرنے والے ہیں، پس جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے اسے تخفیف کرنی چاہیئے، بیشک ان میں بیمار، کمزور اور ضرورت مند ہوتے ہیں"، جب بعض لوگوں نے

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے بارے میں شکایت کی کہ وہ ان کی امامت کرتے وقت نماز کو لمبا کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: اے معاذ ! کیا تم فتنہ پرور ہو اور آپ نے یہ لفظ تین مرتبہ دہرایا، اور فرمایا: تم سورہ شمس اور سورہ اعلی وغیرہ جیسی سورتیں پڑھا کرو، اور ایک روایت میں ہے کہ "بیشک آپ کے پیچھے بزرگ، کمزور اور ضرورت مند لوگ نماز پڑھتے ہیں"، انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو دو ستوں کے درمیان رسی بندھی ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ رسی کیا ہے؟"، انہوں نے کہا: یہ رسی زینب کی ہے، جب وہ تھک جاتی ہے تو اس کے ساتھ اپنے آپ کو باندھ لیتی ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں، اس کو کھول دو، تم میں سے ہر ایک کو چستی کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیئے اور جب وہ تھک جائے تو اسے بیٹھ جانا چاہیئے"، جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: ہم ایک سفر پر نکلے تو ہمارے ایک ساتھی کو پتھر لگا اور اس کے سر میں زخم کر دیا، پھر اسے احتلام ہو گیا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا تم میرے لئے تیمم کی رخصت پاتے ہو؟ انہوں نے کہا: آپ کے پانی پر قادر ہوتے ہوئے ہم آپ کے لئے تیمم کی

رخصت نہیں پاتے، پس اس نے غسل کیا تو وہ فوت ہو گیا، جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بارے میں خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا: "انہوں نے اسے قتل کر دیا، اللہ انہیں قتل کرے، جب انہیں علم نہیں تھا تو انہوں نے پوچھا کیونکہ نہیں، بیشک لاعلمی کا علاج سوال ہے، اس کے لئے یہی کافی تھا کہ وہ تیمم کرتا، اپنے زخم پر پٹی باندھتا اور پھر اس پر مسح کرتا اور باقی سارے جسم کو غسل دیتا"۔ جب عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیمار تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا: "کھڑے ہو کر نماز پڑھو، پس اگر کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھو اور اگر بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتے تو پہلو کے بل لیٹ کر پڑھو"، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اور میرے لئے زمین کو مسجد اور پاک کرنے والی بنا دیا گیا ہے، پس میری امت میں سے کسی بھی شخص کو یہاں پر بھی نماز کا وقت آن لے اسے وہی نماز پڑھ لینی چاہیئے"، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نرمی کی عملی مثال پیش کی اور وہ ایک ایسی روشن مثال بن گئی ہے جو اسلام کی عظمت کی گواہی دیتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جو کہ شعائرِ دین میں سے سب سے افضل اور عظیم ہے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا: "میں نماز کو لمبا کرنے کے ارادے سے نماز

ادا کرنا شروع کرتا ہوں پھر میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں اور اپنی نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں کیونکہ میں اس بچے کے رونے کی وجہ سے اس کی ماں کی تکلیف کی شدت کو جانتا ہوں"۔

معاملات میں اسلامی شریعت نے خرید وفروخت کرتے وقت اور قرض کی واپسی کا مطالبہ کرتے وقت لوگوں سے مشقت اور تنگی کو دور کرنے اور آسانی اور نرمی کرنے کی ترغیب دی ہے، حق سبحانہ وتعالی نے ارشاد فرمایا: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا} "اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضامندی سے کوئی تجارت ہو، اور اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرو، بیشک اللہ تم پر مہربان ہے"۔اور دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: {وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ} "اور اگر قرضدار تنگدست ہو تو خوشحالی تک مہلت دیں، اور تمہارا معاف کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو"۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کریم خرید وفروخت اور قرض کی واپسی کا مطالبہ کرتے وقت نرمی کرنے والے شخص پر رحم فرمائے"،

فروخت کرنے میں نرمی کا مطلب یہ ہے کہ تاجر بخیل نہ ہو، اپنے منافع میں حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو، اپنے سامان کی ذخیرہ اندوزی کرنے والا نہ ہو اور وزن کو کم کرنے والا نہ ہو، اور خریداری میں نرمی کا مطلب یہ ہے کہ خریدار تاجر کے ساتھ نرمی سے پیش آئے، اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرے، اور قرض کی واپسی کا مطالبہ کرنے میں نرمی سے مراد یہ ہے کہ آدمی نرمی اور شفقت کے ساتھ اپنے حق یا قرض کا مطالبہ کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معاملات میں نرمی کرنا آخرت میں نجات کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک آدمی کا حساب کیا گیا تو اس کی کوئی نیکی نہ پائی گئی سوائے اس کے کہ وہ لوگوں سے میل جول رکھتا تھا اور مالدار تھا اور اپنے غلاموں کو حکم دیا کرتا تھا کہ وہ تنگ دست سے در گزر کیا کریں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے فرمایا: ہم اس سے زیادہ اس چیز کے حقدار ہیں، (اور اپنے فرشتوں کو حکم دیا) تم اس کو معاف کر دو"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزِ قیامت کے بعض مناظر کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "اللہ تعالی فرمائے گا: جہنم میں دیکھو، کیا تم کسی ایسے شخص کو

دیکھتے ہو جس نے کبھی کوئی نیکی کی ہو؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس وہ فرشتے جہنم میں ایک آدمی کو دیکھیں گے، پس اللہ کریم اسے فرمائے گا: کیا تونے کبھی کوئی نیکی کی ہے؟ وہ کہے گا: نہیں، مگر میں لوگوں کے ساتھ خرید وفروخت میں نرمی کیا کرتا تھا تو اللہ کریم فرمائے گا: اے فرشتوں میرے بندے کے ساتھ بھی ایسے ہی نرمی کے ساتھ پیش آؤ جیسے یہ میرے بندوں کے ساتھ نرمی سے پیش آیا کرتا تھا"۔

برادرانِ اسلام:

اسلام میں شفقت ونرمی کا اصول صرف مسلمانوں کے آپس میں معاملات کرنے تک ہی محصور نہیں ہے بلکہ یہ زندگی کا ایک جامع منہج ہے جو تمام لوگوں کو شامل ہے، اللہ کریم اپنے مومن بندوں کو تمام لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے: {وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا} "اور لوگوں سے اچھی بات کہو"۔ اور دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: {لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ} "اللہ تمہیں ان لوگوں سے نہیں روکتا جنھوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان سے بھلائی کا سلوک کرو اور ان سے عدل وانصاف کا

برتاؤ کرو، بیشک اللہ عدل وانصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے "۔اور جب عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے لئے کوئی بکری ذبح کی جاتی تو آپ اپنے غلام کو کہتے: کیا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کے ہاں گوشت بھیجا ہے ؟ کیا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کے ہاں گوشت بھیجا ہے ؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے : " جبریل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہے حتی کہ میں نے گمان کیا کہ وہ اسے وراثت میں شریک بنادیں گے "۔

والدین اور رشتہ داروں کے حقوق

اسلام نرمی، آسانی اور رواداری پر مبنی ایک ایسی شریعت لے کر آیا ہے جو تمام تر اعلی اخلاق سے متصف ہونے کی دعوت دیتی ہے، عمدہ اور اعلی طرزِ عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتی ہے اور ان اعلی اخلاق اور انسانی اقدار سے ایک ایسا ضابطہ حیات تشکیل دیتی ہے جو انسانیت، محبت، عدل وانصاف اور حق کے ذریعے لوگوں کے آپس کے تعلقات اور معاملات میں توازن برقرار رکھتا ہے، اللہ کریم نے ارشاد فرمایا: {إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ} "اللہ تعالی عدل کا، بھلائی کا، اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم وزیادتی سے روکتا ہے، وہ خود تمہیں نصیحتیں کررہا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو"۔

شریعتِ اسلامی کی عظمت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ اس نے والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ معاملہ کرنے اور ان کے ساتھ طرزِ عمل اختیار کرنے کے اصول وضوابط وضع کئے ہیں، والدین اور رشتہ دار سب سے زیادہ عزت واحترام اور نگہداشت کے حق دار ہیں، اللہ تعالی نے اپنی کتاب قرآن مجید میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور

اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے، اللہ تعالی نے اپنی عبادت کرنے، اپنے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے، ارشاد باری ہے: {وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا} "اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک واحسان کرو"۔

اسی طرح اللہ تعالی نے انسان پر اس کے والدین کے احسانِ عظیم اور ان کے مقام و مرتبہ کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے قرآن میں یہاں لوگوں کو اپنی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے وہی انہیں اپنے والدین کا شکر ادا کرنے کا بھی حکم دیا ہے، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تین آیتیں تین آیتوں کے ساتھ اکٹھی نازل ہوئیں ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی تنہا قبول نہیں کیا جائے گا، ان تینوں میں سے ایک آیت اللہ کا یہ فرمان ہے: {أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ} "یہ کہ میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کر"۔ پس جس شخص نے اللہ کا شکر ادا کیا لیکن اپنے والدین کا شکر ادا نہ کیا تو اس سے اللہ کا شکر بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔

اسلام نے والدین کی قدر و منزلت کو بلند کیا ہے، اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے، اچھی طرح سے ان کی دیکھ بھال کرنے اور ان کے ساتھ شفقت و نرمی سے پیش آنے کا حکم دیا ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے جہاد میں جانے کی اجازت طلب کی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ اس نے عرض کی، جی ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر ان کی خدمت میں جہاد کر۔

سیدنا موسی علیہ السلام کے واقعہ میں صالح آدمی کی دو بیٹیوں نے والد کے ساتھ حسنِ سلوک اور اچھے برتاؤ کی اعلی ترین مثال پیش کی، ان دونوں کا والد بہت زیادہ عمر رسیدہ شخص تھا جو کوئی کام نہیں کر سکتا تھا تو اس کی دونوں بیٹیوں نے بغیر کسی پریشانی اور کبیدہ خاطر ہوئے اپنے والد کی جگہ کام کیا، ارشاد باری ہے: { وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يُصْدِرَ الرِّعَاءُ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ } "مدین کے پانی پر جب آپ پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت وہاں پانی پلا رہی ہے اور دو عورتیں الگ کھڑی اپنے (جانوروں) کو روکتی ہوئی

دکھائی دیں، پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے، وہ بولیں کہ جب تک یہ چرواہے واپس نہ لوٹ جائیں ہم پانی نہیں پلاتیں اور ہمارے والد بہت بڑی عمر کے بوڑھے ہیں"۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کی اے اللہ کے رسول، میرے پاس مال اور اولاد ہے اور میرا باپ میرے مال پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کی ملکیت ہے۔

سیدۃ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ذاتِ مبارکہ ہمارے لئے اسوہ اور نمونہ ہے کہ کس طرح آپ اپنے والد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام کرتیں، ان سے محبت وشفقت سے پیش آتیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لاتے تو سیدۃ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی آمد کی خوشی اور آپ کی عزت وتوقیر کی وجہ سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوتیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر بوسہ دے کر انہیں اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔

اسی طرح اسلام نے ہمیں اپنے والدین کی عزت وتوقیر کرنے اور انہیں کسی بھی قسم کی تکلیف نہ پہنچانے کا حکم دیا ہے، ارشاد باری ہے: { إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا} "اگر تیری موجودگی میں ان میں سے

ایک یا یہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات چیت کرنا"۔ اللہ تعالی نے والدین کی پریشانی کا باعث بننے والے ادنی ترین لفظ کا استعمال کرنے سے بھی منع فرمایا ہے اگرچہ "اف" سے بھی کوئی کم تر لفظ ہوتا تو اللہ تعالی والدین کے سامنے اسے بھی بولنے سے منع فرما دیتا، اس لئے انسان کو کسی بھی صورت میں اپنے والدین کو تکلیف نہیں پہنچانی چاہیے اور نہ ہی ان کے ساتھ برا سلوک کرنا چاہیے، سیدنا ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ ایک شخص کو اپنے والدین سے حسنِ سلوک کرنے کی نصیحت فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ "تو اپنے باپ سے آگے مت چل، اس سے پہلے مت بیٹھ، اسے اس کے نام سے مت پکار، اور اس کے لئے گالی کا سبب نہ بن" چنانچہ انسان کو اپنے والدین کے لئے کسی بھی قسم کی تکلیف کا سبب نہیں بننا چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی آدمی کا اپنے والدین کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے" صحابہ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول، آدمی اپنے والدین کو کیسے گالی دے سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک آدمی دوسرے آدمی کو گالی دیتا ہے اور وہ جوابا اس کے باپ کو گالی دیتا ہے، اور ایک شخص اس کی ماں کو گالی دیتا ہے سو وہ بھی جوابا اس کی ماں کو گالی دیتا ہے"۔

اسلام نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے اگرچہ والدین اسلام کے علاوہ کسی اور دین پر ہوں، ارشاد باری ہے: {وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَى أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا} "اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو توان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسَر کرنا"۔اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے باپ کو حق کی دعوت دیتے ہوئے یہی طرزِ عمل اختیار کیا، ارشاد باری ہے: {وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا* إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا* يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا* يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا* يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا} "اس کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا قصہ یاد کریں، بیشک وہ بڑی سچائی والے پیغمبر تھے۔ جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان! آپ ان کی پوجا پاٹ کیوں کر رہے ہیں جو نہ سنیں نہ دیکھیں؟ نہ آپ کو کچھ بھی فائدہ پہنچا سکیں۔ میرے مہربان باپ! آپ دیکھیے میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس آیا ہی نہیں، تو آپ میری ہی بات

مانیں میں بالکل سیدھی راہ کی طرف آپ کی رہبری کروں گا۔ میرے اباجان آپ شیطان کی پرستش سے باز آجائیں شیطان تو رحم وکرم والے اللہ کا بڑا ہی نافرمان ہے۔ اباجان! مجھے خوف لگا ہوا ہے کہ کہیں آپ پر کوئی عذاب الٰہی نہ آپڑے کہ آپ شیطان کے ساتھ بن جائیں"۔

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے ان کی مشرکہ والدہ ملنے کی غرض سے آتی ہے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہوئے عرض کی اے اللہ کے رسول، میری والدہ مجھ سے ملنے کے لئے گئی ہے کیا میں اس سے اچھا برتاؤ کرو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں تو اس سے اچھا برتاؤ کر"۔

والدین کے ساتھ نیکی کرنے اور حسن سلوک سے پیش آنے کی بہت زیادہ فضیلت ہے اور اس کے بہت سے ثمرات اور فوائد ہیں جنہیں انسان دنیا و آخرت میں حاصل کرتا ہے، ہم ذیل میں چند فوائد کا ذکر کرتے ہیں:

☆ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اللہ کی رضا کا سبب ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " والدین کی رضا میں اللہ کی رضا ہے اور والدین کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے"۔

☆ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک مشکلات اور مصائب سے نجات ملنے کا ذریعہ ہے،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی جارہے تھے کہ انہیں بارش نے آن لیا، تو انہوں نے پہاڑ کے ایک غار میں پناہ لی، اتنے میں غار کے منہ پر پہاڑ کی ایک چٹان آ گری، انہوں نے کہا: صرف ایک چیز ہی ہمیں اس چٹان سے نجات دلا سکتی ہے کہ ہم اپنے نیک اعمال کے وسیلہ سے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں، سو ان میں سے ایک نے یہ دعا کی، اے اللہ ! میرے بوڑھے ماں باپ تھے، میری بیوی تھی اور میرے بچے تھے، میں بکریاں چراتا تھا، جب میں واپس آتا تو دودھ دوہتا اور اپنے بچوں سے پہلے اپنے ماں باپ کو دودھ پلاتا، ایک دن میں لیٹ ہو گیا اور میں رات سے پہلے واپس نہ لوٹ سکا، اور جب میں آیا تو ماں باپ سو چکے تھے، میں نے حسبِ معمول دودھ دوہا اور ایک برتن میں دودھ ڈال کر اپنے ماں باپ کے سرہانے کھڑا ہو گیا، میں ان کو نیند سے بیدار کرنا ناپسند کرتا تھا، اور ان سے پہلے بچوں کو دودھ پلانا بھی ناپسند کرتا تھا، حالانکہ بچے میرے قدموں میں چیخ رہے تھے، حتی کہ فجر طلوع ہو گئی، اے اللہ ! یقیناً تجھے علم ہے میں نے یہ عمل تیری رضاجوئی کے لئے کیا تھا، تو ہمارے لئے کچھ کشادگی کر دے،

اور ہم آسمان کو دیکھ لیں، اللہ تعالی نے کچھ کشادگی کر دی اور انہوں نے اس غار سے آسمان کو دیکھ لیا۔

☆جو شخص اپنے والدین سے حسنِ سلوک کرے گا اس کی اولاد اس سے حسنِ سلوک کرے گی، کیونکہ انسان جو کرتا ہے اسے اسی کی جزا ملتی ہے، ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو دعوت دیتے ہوئے حسنِ اخلاق اور حسنِ سلوک کو پیش نظر رکھا تو اس کی جزا اللہ تعالی نے انہیں یہ دی کہ انہیں ان کے بیٹے کی اطاعت وفرمانبرداری نصیب فرمائی، اللہ تعالی نے اس واقعہ کو والد کی اطاعت وفرمانبرداری اور اس کے حسنِ سلوک کی اعلی ترین صورت میں پیش کرتے ہوئے فرمایا: {فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَى قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ} "پھر جب وہ (بچہ) اتنی عمر کو پہنچا کہ اس کے ساتھ چلے پھرے، تو اس (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا میرے پیارے بچے! میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اب تو بتا کہ تیری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے جواب دیا کہ ابا! جو حکم ہوا ہے اسے بجا لایئے ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے"۔

جس طرح والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کے دنیا میں ثمرات اور فوائد ہیں اسی طرح یہ آخرت میں بھی اس شخص کی خوش بختی کا سبب بنے گا کہ اسے جنت نصیب ہو گی، ایک شخص نبی کریم صلی علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے جہاد میں جانے کی اجازت طلب کی، تو آپ نے فرمایا: "کیا تیری ماں ہے؟" اس نے عرض کی، ہاں، آپ نے فرمایا "تم اس سے چمٹے رہو، جنت اس کے قدموں میں ہے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "والد جنت کا درمیانی دروازہ ہے، پس اگر تم چاہو تو اس کی حفاظت کر و یا اسے ضائع کر دو"۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک آدمی سے کہا: کیا تو آگ سے ڈرتا ہے اور جنت میں داخل ہونا پسند کرتا ہے؟، اس نے کہا: اللہ کی قسم، ہاں، آپ رضی اللہ عنہما نے اسے کہا کہ کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا میری والدہ زندہ ہے، آپ نے اسے کہا اگر تو نے اس کے ساتھ نرمی سے بات کی، اس کو کھانا کھلایا تو تو ضرور جنت میں داخل ہو گا بشرطیکہ تو گناہ کبیرہ سے اجتناب کرے۔

ہم اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ ایک انسان جس قدر بھی اپنے والدین سے حسنِ سلوک کرے، ان کے ساتھ نیکی کرے لیکن وہ ان کا حق ادا نہیں کر سکتا اور نہ ہی ان

کے احسان کا بدلہ چکا سکتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک بیٹا اپنے والد کا بدلہ نہیں چکا سکتا سوائے اس کے کہ وہ اسے غلام پائے تو خرید کر آزاد کرے"۔

برادرانِ اسلام:

جس طرح اسلام نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اسی طرح رشتہ داروں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے حقوق متعین کئے ہیں، ارشاد باری ہے: {وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ} "اور رشتے دار کتاب اللہ کی رو سے بہ نسبت دوسرے مومنوں اور مہاجروں کے آپس میں زیادہ حق دار ہیں"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالی نے مخلوق کو پیدا فرمایا حتی کہ جب وہ ان سے فارغ ہو گیا تو رحم نے کھڑے ہو کر کہا یہ قطع رحمی سے پناہ مانگنے والے کا مقام ہے، اللہ تعالی نے فرمایا کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ میں اس سے واصل ہوں گا جو تجھ سے واصل ہو گا، اور اس سے منقطع ہوں گا جو تم سے منقطع ہو گا، رحم نے کہا: کیوں نہیں، اللہ تعالی نے فرمایا یہ تمہارا حق ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیات پڑھو: {فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ * أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ} "اور تم

سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کرو اور رشتے ناتے توڑ ڈالو۔ یہ وہی لوگ ہیں جس پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن کی سماعت اور آنکھوں کی روشنی چھین لی ہے"۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(اللہ تعالی نے فرمایا: میں اللہ ہوں، میں رحمن ہوں، میں نے رحم کو پیدا کیا ہے،اور اپنے نام سے اس کا نام رکھا ہے، جس نے اس سے تعلق جوڑا میں نے اس سے تعلق جوڑا،اور جس نے اسے تعلق منقطع کیا میں نے اس سے تعلق منقطع کیا۔

رشتہ داروں سے صلہ رحمی یہ ہے کہ ان کی زیارت کی جائے،ان کا حال واحوال پوچھا جائے اور ان کی مدد کی جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "غریب پر صدقہ کرنے میں ایک صدقے کا ثواب ہے جبکہ رشتہ دار پر صدقہ کرنے کے دونوں ثواب ہے،ایک صلہ رحمی اور دوسرا، صدقہ "۔اسی طرح ان کی دعوت کو قبول کرنا،ان کے بیمار کی عیادت کرنا،ان کے جنازے پر جانا،ان کے بڑوں کی عزت وتوقیر کرنا، چھوٹوں پر رحم کرنا،ان کے بارے دل صاف رکھنا اور ان کے لئے دعا کرنا بھی صلہ رحمی کا باعث بنتا ہے۔

صلہ رحمی عمر میں برکت اور رزق میں کشادگی کا باعث ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص کو یہ بات پسند ہے کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے یا اس کی عمر دراز کی جائے وہ صلہ رحمی کرے"۔اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ صلہ رحمی گناہوں کی بخشش کا سبب ہے،ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول، میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے، کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (کیا تیری ماں ہے؟)،اس نے کہا، نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (کیا تیری خالہ ہے؟)اس نے کہا: ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا(تو پھر اس کے ساتھ حسن سلوک کر)۔

ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ قطع رحمی سے اجتناب کرے، برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے بلکہ عفو و درگزر سے کام لے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو بدلے میں صلہ رحمی کرے، بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اسے قطع رحمی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے"،ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول، میرے رشتہ دار ہیں میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں وہ مجھ سے قطع رحمی کرتے ہیں، میں ان سے اچھا سلوک کرتا ہوں

وہ مجھ سے برا سلوک کرتے ہیں، میں ان سے حلم و بُرد باری سے کام لیتا ہوں وہ میرے ساتھ جہالت سے پیش آتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر بات ایسی ہی ہے جیسے تو نے کہا ہے تو گویا کہ تم ان کو بے چین کرتے ہو، اور جب تک تم ایسا ہی کرتے رہو گے آپ کے ساتھ اللہ تعالی کی طرف سے ایک مددگار رہے گا"۔

اسلام نے قطع رحمی سے منع کیا ہے اور دنیا و آخرت میں اس کے بھیانک نتائج سے متنبہ کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سرکشی اور قطع رحمی کے سوا کوئی ایسا گناہ نہیں ہے جس کی آخرت میں سزا دینے کے ساتھ دنیا میں بھی اللہ تعالی جلد سزا دیتا ہے"، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "رشتہ داروں سے قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا"۔ ہمیں اپنے ماں باپ کے بارے میں اللہ سے ڈرنا چاہیے، رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنی چاہیے اور تمام لوگوں سے حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے۔

استاذ اور طالب علم کے فرائض

نئے تعلیمی سال کا آغاز ہونے والا ہے، ہم اللہ کریم سے دعا کرتے ہیں کہ یہ سال ہمارے بیٹوں کے لئے محنت، جہد وجد اور کامیابی وکامرانی کا سال ہو، بے شک اسلام نے علم کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے،اوراس پر خصوصی توجہ دی ہے، علم دلوں کی زندگی اور آنکھوں کا نور ہے کیونکہ علم کے ذریعے صاحبِ علم دنیا وآخرت میں بلند درجات اور نیک اور منتخب لوگوں کا مقام حاصل کرتا ہے،اس کے ذریعے صلہ رحمی کی جاتی ہے، حلال و حرام کی پہچان ہوتی ہے، اللہ کریم اس کے ذریعے لوگوں کے مقام ومرتبے کو بلند کرتا ہے اور انہیں نیکی کے کاموں میں راہ نما اور پیشوا بنا دیتا ہے جن کے نقوش سے راہ نمائی حاصل کی جاتی ہے اور ان کے افعال کی پیروی کی جاتی ہے، ارشاد خداوندی ہے : { قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ } ، "بتاؤ تو علم والے اور بے علم کیا برابر کے ہیں"؟۔

قرآن حکیم کی سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت کی ابتدائی آیات سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اسلام نے کس قدر علم کو اہمیت دی ہے اور اس کی ترغیب دی ہے، ارشاد باری تعالی ہے : {اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ * اقْرَأْ وَرَبُّكَ

الْأَكْرَمُ * الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ * عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ }، "پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ تو پڑھتا رہا تیرا رب بڑے کرم والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے (علم) سکھایا۔ جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا"۔

سب سے پہلے جس حکم کے بارے میں وحی نازل ہوئی وہ پڑھنے کا حکم ہے جو کہ حصولِ علم کا پہلا دروازہ ہے، اس کے بعد قلم کی طرف اشارے کا ذکر آتا ہے جو علم کو مدون اور نقل کرنے کا ذریعہ ہے، ان آیات میں تمام لوگوں کو علم کی فضیلت بیان کرنے اور اس کے حصول کی ترغیب دینے پر متنبہ کیا گیا ہے۔

علم اور اہلِ علم کا بہت بلند مقام و مرتبہ ہے، اگر علم اور اہل علم نہ ہوتے تو لوگ گمراہ ہو جاتے، علم ایک نور ہے جو صاحبِ علم پر چیزوں کے حقائق واضح کرتا ہے، علما لوگوں کے لئے آسمان میں ستاروں کی مانند ہیں جن سے راہ نمائی حاصل کی جاتی ہے، ارشاد خداوندی ہے: أَفَمَن يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ }، "کیا وہ ایک شخص جو یہ علم رکھتا ہو کہ آپ کی طرف آپ کے رب کی

جانب سے جو اتارا گیا ہے وہ حق ہے، اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھا ہو نصیحت تو وہی قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہوں۔

گویا کہ اللہ کریم نے اس آیت میں لوگوں کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا ہے، ایک عالم اور دوسرا بہرہ، اور علم کو بہرے پن کے مقابل قرار دیا ہے، اور یہاں نور سے مراد علم و معرفت کا نور ہے آنکھوں کا نور نہیں، ارشاد خداوندی ہے: {فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ}، "بات یہ ہے کہ صرف آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں"۔

اسی لئے قرآن کریم نے علم کے مقام و مرتبے کو بلند کیا ہے اور اسے سلطان یعنی برھان و حجت سے تعبیر کیا ہے، ارشاد خداوندی ہے: {الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ وَعِندَ الَّذِينَ آمَنُوا}، "جو بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس آئی ہے اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں، اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ تو بہت بڑی ناراضگی کی چیز ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی علم کے مقام اور حصولِ علم کی فضیلت کو بیان فرمایا ہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: (جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستہ پر چلتا

ہے تواللہ کریم اسے جنت کے راستوں میں سے ایک راستہ پر چلاتا ہے،اور بیشک طالب علم کی رضا جوئی کے لئے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں اور پانی کی مچھلیاں بھی اس عالم کے لئے مغفرت کی دعا کرتی ہیں اور بیشک عالم کی عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسے چاند کی تمام ستاروں پر،اور بیشک علما انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کسی کو درہم یا دینار کا وارث نہیں بناتے وہ صرف علم کا وارث بناتے ہیں، سو جس نے علم کو حاصل کر لیا اس نے عظیم حصہ کو حاصل کر لیا)، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: (اے ابوذر! اگر تم صبح اٹھ کر قرآن مجید کی ایک آیت کا علم حاصل کر لو، تو وہ تمہارے لئے سو رکعات پڑھنے سے بہتر ہے،اور اگر تم صبح اٹھ کر علم کا ایک باب (سبق) پڑھ لو، خواہ اس پر عمل ہو یا نہ ہو تو وہ ایک ہزار رکعات پڑھنے سے بہتر ہے)۔

امام علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: (علم مال سے بہتر ہے، علم تیرے حفاظت کرتا ہے جبکہ مال کی تو حفاظت کرتا ہے، علم حاکم ہے اور مال محکوم، مال خرچ کرنے سے کم ہو جاتا ہے جبکہ علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے)۔

علم کے اعلی اخلاق اور عمدہ آداب ہیں جن سے استاذ اور طالب علم کا متصف ہونا ضروری ہے،ان میں اہم اخلاق وآداب درج ذیل ہیں:

☆اللہ تعالی کے لئے اخلاص،استاذ اور طالب علم پر فرض ہے کہ وہ علم سے اللہ کی رضا حاصل کریں،ریاکاری اور شہرت سے بچیں،علم کے اندر ایک پوشیدہ خواہش ہوتی ہے اگر وہ آدمی کے دل میں متمکن ہو جائے تو اس آدمی پر شہرت کی محبت اور سیادت حاصل کرنے کی خواہش غالب آجاتی ہے،اور یہ چیز اس کے طرزِ عمل پر اثرانداز ہوتی ہے اور وہ اپنے آپ کو لوگوں سے برتر سمجھنے لگتاہے،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس چیز سے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:(جس شخص نے جاہلوں سے بحث کرنے، علماء پر فخر کرنے اور لوگوں کو اپنی طرف راغب کرنے کے لئے علم کو طلب کیا تو اللہ تعالی اسے جہنم میں داخل کرے گا)۔

☆دوسراادب عاجزی وانکساری ہے،امام مالک نے ہارون الرشید کی طرف خط لکھا کہ: (جب تم کوئی علم سیکھو تو تم پر وہ علم،اس کی سنجیدگی ووقار،اس کا اثر اور حلم دکھائی دینا چاہیے)،اسی لئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:(علم سیکھو،اور اس کے لئے سنجیدگی و وقار بھی سیکھو)،علم نہ تو تکبر کے ساتھ باقی رہتاہے اور نہ ہی گناہ کے ساتھ نصیب ہوتا

ہے بلکہ علم تو طلب کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور تقوی کے ساتھ اس میں مزید اضافہ ہوتا ہے، ارشاد خداوندی ہے: {وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ} "اللہ تعالی سے ڈرو، اللہ تمہیں تعلیم دے رہا ہے اور اللہ تعالی ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔

اور سلف صالحین نے کہا ہے کہ: (جس نے اپنے علم پر عمل کیا اللہ تعالی اسے ایسی چیزوں کا علم بھی عطا کرتا ہے جن کا اسے علم نہ ہوتا)، علم ربانی اور علم لدنی کے لئے عمل شرط ہے، اللہ تعالی نے سورت کہف میں ایک نیک بندے کے بارے میں ارشاد فرمایا: {فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا} "پس ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا، جسے ہم نے اپنے پاس کی خاص رحمت عطا فرما رکھی تھی اور اسے اپنے پاس سے خاص علم سکھا رکھا تھا"۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: { فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا} "ہم اس کا صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا۔ ہاں ہر ایک کو ہم نے حکم و علم دے رکھا تھا"۔

اور سیدنا یحی علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا: {يَا يَحْيَىٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزَكَاةً وَكَانَ تَقِيًّا} "اے یحی! میری کتاب کو مضبوطی سے تھام

لے، اور ہم نے اسے لڑکپن ہی سے دانائی عطا فرمادی۔ اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی بھی، وہ پرہیزگار شخص تھا"۔

اور حق سبحانہ وتعالی نے فرشتوں کی زبانی ارشاد فرمایا: {سُبحَانَکَ لاَعلمَ لَنَاۤ اِلاَّ مَا عَلَّمتَنَا} " ان سب نے کہا اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے"۔

☆علم کے آداب میں سے ایک ادب سنجیدگی و وقار سے متصف ہونا ہے، کیونکہ علم کی اپنی ایک آب و تاب اور ہیبت و جلال ہے، اور اس سنجیدگی اور وقار کی علامت خوبصورت لباس، صفائی، خوشبو وغیرہ کا اہتمام کرنا، اور بے فائدہ مجلسوں سے دور رہنا ہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: (اچھی راہ نمائی، اچھی خاموشی اور میانہ روی نبوت کے پچیس اجزا میں سے ایک جز ہے)۔

سائل کے لئے عالم ایسے ہی ہے جیسے مریض کے لئے ڈاکٹر، عالم کے لئے ضروری ہے کہ وہ سائل کے ساتھ شفقت ونرمی کے ساتھ پیش آئے، راہ ہدایت کی طرف اس کی راہ نمائی کرے اور سیدھی راہ اس کے ساتھ واضح کرے، معاویہ بن حکم بیان کرتے ہیں کہ: "ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا رہے تھے کہ لوگوں میں

سے ایک شخص کو چھینک آئی، میں نے کہا: اللہ تم پر رحم کرے، لوگوں نے اپنی آنکھوں سے مجھے دیکھا، میں نے کہا: تمہاری ماں تمہیں روئے، تم میری طرف کیوں دیکھ رہے ہو؟ تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنے شروع کر دیئے، سو جب میں نے انہیں دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کروا رہے ہیں تو میں خاموش ہو گیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز مکمل کی، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو، میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ سے اچھا کوئی معلم نہیں دیکھا، اللہ کی قسم، نہ آپ نے مجھے جھڑکا، نہ مجھے مارا، اور نہ ہی مجھے سب وشتم کیا"۔

اسی طرح کچھ ایسے امور ہیں جن سے طالبِ علم کا متصف ہونا ضروری ہے ان میں سے اہم امور درج ذیل ہیں:

☆ علم حاصل کرنے کا خواہشمند رہنا اور بغیر کسی تھکاوٹ و اکتاہٹ کے اس کی پابندی کرنا، طالبِ علم اپنے وقت کو فضول کاموں میں ضائع نہ کرے، کہا گیا ہے کہ: علم آپ کو اپنا کچھ حصہ اس وقت دے گا جب تم اپنی ساری ذات اس کے سپرد کر دو گے، جب امام شافعی رحمہ اللہ تعالی سے سوال کیا گیا کہ: علم کے لئے آپ کی رغبت کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا جب میں ایسی بات سنتا ہوں جو میں نے پہلے نہیں سنی ہوتی تو میری جسم

کے تمام اعضا چاہتے ہیں کہ کاش ان کو قوتِ سماعت نصیب ہوتی اور اس کو سن کر لطف اندوز ہوتے جیسے حقیقی کان اس کو سن کر لطف اندوز ہوئے ہیں، آپ سے پوچھا گیا: علم کے لئے آپ کی خواہش کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا: علم کے بارے میں میری خواہش اس مال جمع کرنے والے بخیل شخص کی طرح ہے جسے مال میں انتہائی لذت محسوس ہوتی ہے، آپ سے کہا گیا: علم کے لئے آپ کی طلب کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا: علم کے بارے میں میری طلب اپنے اکلوتے بیٹے کو کھونے والی عورت کی طرح ہے۔

☆استاذ کی عزت و توقیر، طالب علم کو اپنے استاذ کے سامنے کسی قول و فعل کی جسارت نہیں کرنی چاہیے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ: میں امام مالک رحمہ اللہ تعالی کی ہیبت و جلال کی وجہ سے ان کے سامنے بڑے آہستہ سے ورقہ گردانی کیا کرتا تھا تاکہ آپ اس کی آواز نہ سن لیں، اور ربیع رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ: اللہ کی قسم میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کے رعب و جلال کی وجہ سے کبھی بھی اس وقت پانی پینے کی جسارت نہیں کی جس وقت وہ میری طرف دیکھ رہے ہوتے تھے۔

آج ہمیں اپنی دنیاوی ترقی کے لئے تمام علوم حاصل کرنے کی بھی اتنی ہی شدید ضرورت ہے جتنی اپنی آخرت کی اصلاح کے لئے علوم حاصل کرنے کی ضرورت ہے،

اب ہمارے پاس فارغ وقت نہیں ہے کیونکہ نئی اور انوکھی علمی تحقیق پیش کرنا وقت کی ضرورت ہے تاکہ ہم کارواں کے مل سکیں یا ہم کارواں سے پیچھے رہ جانے کا ادراک کر سکیں، ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ جدت پسندی، سبقت لے جانے اور اعلی مقاصد کے حصول کے جذبہ سے لبریز ہو یا کم از کم ہمارے اندر امت کو اپنے ان عظیم آباء واجداد کے زمانے تک واپس لے جانے کی خواہش ہونی چاہیے جنہوں نے علم کی طلب کے لئے سفر کیا، اور اس کے حصول میں تگ ودو کی یہاں تک کہ انہین ان علوم میں اولین مقام حاصل ہو گیا اور وہ ان تمام علوم وفنون کے سرخیل کہلائے جو ان کے بعد تمام لوگوں اور تہذیبوں کے لئے روشن منار اور ایک صاف منبع تھے۔

اس بارے میں ہمارا شعار یہ ہونا چاہیے:

ہم بھی اپنے پہلے لوگوں کی طرح تعمیر وترقی کریں گے اور ان جیسے کام کریں گے۔

ایک عالم اور طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اعلی اخلاق سے متصف ہو اور ان کا فعل ان کے قول کے موافق ہو تاکہ معاشرے میں اس کی تاثیر ہو، جب کسی قوم میں علم، عمل اور اخلاق جمع ہو جائیں تو وہ قوم دوسری قوموں میں عزت ورفعت کے ساتھ زندگی گزارتی ہے، یہاں علم اور اخلاق ہو گا وہاں ترقی اور عروج ہو گا۔

برادرانِ اسلام:

اسلام نے مختلف علوم وفنون کے ماہر علما اور علم کو بلند مقام ومرتبہ عطا کیا ہے، نفع بخش علم ان تمام علوم کو شامل ہے جو لوگوں کے دینی ودنیاوی معاملات میں نفع کا باعث بنتے ہیں، اس لئے ہم دیکھتے ہے کہ اللہ کا فرمان "اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں" تکوینی علوم کے بارے میں گفتگو کے ضمن میں مذکور ہے ارشاد خداوندی ہے: { أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ * وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ } "کیا آپ نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالی نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعے سے مختلف رنگتوں کے پھل نکالے اور پہاڑوں کے مختلف حصے ہیں سفید اور سرخ کہ ان کی بھی رنگتیں مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ۔ اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی بعض ایسے ہیں کہ ان کی رنگتیں مختلف ہیں، اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں واقعی اللہ تعالی زبردست بڑا بخشنے والا ہے"۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے : {إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ} . "آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقینا عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ جو اللہ تعالی کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور آسمانوں وزمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں"۔

اسی طرح نفع بخش علم سے مراد وہ تمام شرعی وعربی علوم یا میڈیکل، فارمیسی، طبیعات، کیمیا، فلکی، انجینئرنگ یا ایٹمی توانائی جیسے تمام علوم وفنون ہیں جو لوگوں کے لئے ان کی دنیاو آخرت میں نفع کا باعث بنتے ہیں، علم ایک منفرد اور تجدیدی ذہن کی حامل قومی شخصیت کی بنیاد ہے، اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے کہ : {فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ} "پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو"۔

ذکر کا لفظ ایک متعین علم میں محدود نہیں ہے بلکہ عام ہے جو تمام نفع بخش علوم کو شامل ہے، بے شک ہمیں اپنے دنیاوی تعمیر وترقی کا باعث بننے والے تمام علوم کی اتنی ہی

شدید ضرورت ہے جتنی آخرت کی اصلاح و بہتری کا باعث بننے والے علوم کی ضرورت ہے۔

اس لئے دورِ حاضر میں علما کی ذمہ داری اور وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں پیش کئے گئے غلط تصور کی اصلاح کے ساتھ غلط مفاہیم کو بھی درست کریں اور صحیح اسلامی فکر کو عام کرنے کے لئے تگ ودو کریں۔

علم وتہذیب کی وارث امت: علمائے حق اور علمائے سوء کے تناظر میں

اسلام نے علم حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے اور اس کے حصولِ علم کے لئے محنت وکوشش کرنے کی تلقین کی ہے، اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم کی سب سے پہلی نازل ہونے والی آیات کا نزول ان کلمات کے ساتھ ہو رہا ہے کہ {اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ * خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ * اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ * الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ * عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ} "پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ تو پڑھتا رہ تیرا رب بڑے کرم والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے (علم) سکھایا۔ جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا"۔ وحی الٰہی سب سے پہلے جو حکم لے کر نازل ہوئی وہ مطالعہ اور پڑھنے کے بارے میں تھا جو کہ حصولِ علم کا پہلا ذریعہ ہے، اس کے بعد قلم کی طرف اشارہ کیا گیا جو کہ علم کو لکھنے اور نقل کرنے کا ذریعہ ہے، ان آیات میں تمام لوگوں کو علم کی فضیلت سے آگاہ کیا گیا ہے، اس کے حصول کی ترغیب دی گئی ہے اور اس بات کی طرف واضح اشارہ کیا گیا ہے کہ اسلام علم و معرفت کا دین ہے، اور یہ امت علم اور تہذیب و تمدن والی امت ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں ایک سورت کا نام ہی " قلم " رکھا گیا ہے، اور امت کے لئے علم کے وسائل وذرائع کو بیان کرتے ہوئے اس کا آغاز ان کلمات کے ساتھ کیا گیا ہے کہ {ن * وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ} "ن، قسم ہے قلم کی اور اس کی جو کچھ کہ وہ (فرشتے) لکھتے ہیں"۔ علم کے لئے یہی شرف کافی ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی چیزوں میں سے صرف علم میں اضافے کی دعا کا حکم دیا ہے، ارشاد باری ہے: {وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْماً} "اور آپ یہ کہہ دیجئے کہ پروردگار میرا علم بڑھا"۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حصولِ علم کے لئے نکلنے کو اللہ کی راہ میں نکلنا قرار دیا ہے، اور حصولِ علم میں محنت و کوشش کرنے کو جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ قرار دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: "جو شخص حصولِ علم کے لئے نکلا وہ اللہ کی راہ میں ہے یہاں تک کہ وہ واپس لوٹ آئے"، اور دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ: " جو شخص حصولِ علم کے لئے کسی راستے پر چلتا ہے تو اللہ تعالی اس کے لئے جنت کا راستہ آسان بنا دیتا ہے"، علم ملکوں کی تعمیر وترقی کا ایک بنیادی ذریعہ ہے جس کے ذریعے امتیں ترقی کرکے عروج پر پہنچتی ہیں، اور اس کے ذریعے انسان کا مقام و مرتبہ بلند ہوتا ہے۔

قرآن کریم نے اہلِ علم کو بلند مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے، ارشاد باری ہے: " {يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ} "اللہ تعالی تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیئے گئے ہیں درجے بلند کر دے گا، اور اللہ تعالی (ہر اس کام سے) جو تم کر رہے ہو (خوب) خبر دار ہے"۔ اسی طرح اللہ تعالی نے یہ گواہی بھی دی ہے کہ اہل علم ہی اسے ڈرنے والے ہیں، ارشاد باری ہے: {إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ} "اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں واقعی اللہ تعالی زبردست بخشنے والا ہے"۔ ان کی عظمت و شان اور بلند مقام و مرتبے کی وجہ سے اللہ تعالی نے انہیں اپنی وحدانیت کی گواہی کا شرف بخشا ہے، ارشاد باری ہے: {شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ} "اللہ تعالی، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی علماء کی قدر و منزلت کی تاکید کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے کہ علماء لوگوں کی راہنمائی کرنے، انہیں راہ راست پر لانے، انہیں حق و نور کی

راہ پر گامزن کرنے اوران کی اصلاح کرنے میں انبیاء کرام کے وارث ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "بیشک علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیاء نے وراثت میں درہم اور دینار نہیں چھوڑے، بلکہ انہوں نے وراثت میں علم چھوڑا ہے، چنانچہ جس نے اسے حاصل کیا اس نے وافر حصہ حاصل کیا"، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: " عالم کو عابد پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح چودھویں کے چاند کو سارے ستاروں پر فضیلت حاصل ہے"۔

بیشک جن علماء کی اللہ تعالی نے عظمت و شان کو بیان کیا ہے اور نبی کریم نے بھی تعریف وستائش کی ہے ان سے مراد امت کے وہ مخلص علماء ہیں جنہوں نے علم اور دعوت و تبلیغ کی امانت کی اہمیت کا ادراک کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "اللہ تعالی اس شخص کے چہرے کو روشن کرے جس نے میری بات سنی، اس کو یاد کیا اور جس طرح سنا اسی طرح اس کو آگے بیان کر دیا"، امت کے مخلص علماء وہ ہیں جنہوں نے اس ذمہ داری کی حقیقت کو سمجھا جس کے لئے اللہ تعالی نے ان کا انتخاب فرمایا، اور اس حقیقت کو بھی سمجھا کہ جس پیغام اور دعوت کو وہ دوسروں تک پہنچا رہے ہیں یہ مال ودولت سے بہت ارفع واعلی اور بلند و بالا ہے، اللہ تعالی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی زبانی ارشاد فرمایا: { قُلْ مَا سَأَلْتُكُم مِّنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ } "کہہ دیجئے ! کہ جو بدلہ میں تم سے مانگوں وہ تمہارے لئے ہے میرا بدلہ تو اللہ تعالی ہی کے ذمے ہے۔ وہ ہر چیز سے باخبر (اور مطلع) ہے"۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: { قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَن شَاءَ أَن يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا } "کہہ دیجئے کہ میں قرآن کے پہنچانے پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر جو شخص اپنے رب کی طرف راہ پکڑنا چاہے"۔ اور اسی طرح اللہ تعالی نے اپنے نبی نوح، ھود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کی زبانی ارشاد فرمایا: {وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ } "میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں چاہتا، میرا بدلہ تو صرف رب العالمین کی ہاں ہے"۔ یہ فرمان انبیاء کرام کے ہدف اور منہج کے ایک ہونے، اللہ کے ساتھ صدق نیت، اور اخلاص پر دلالت کرتا ہے۔

امت کے حقیقی علماء وہ ہیں جنہوں نے اپنا وقت اور توانائیاں صرف کرتے ہوئے اپنے دین اور وطن کی خاطر اپنی علمی خدمات پیش کیں، اور لوگوں کو وسطیت و اعتدال، رواداری اور رحمت و شفقت کا درس دیا، جس کی بنا پر ان کے پیغام نے ایک ایسی نفع بخش نسل تیار کی جو تباہی و تخریب کاری کی بجائے تعمیر و ترقی کا باعث بنتی ہے، انسانی

اقدار کو فروغ دیتی ہے، انسانی عزت و تکریم کا علم بلند کرتی ہے اور تمام لوگوں کے ساتھ امن وسلامتی کے ساتھ مل جل کر رہتی ہے، یہی نفع بخش علم انسان کو اس کی وفات کے بعد بھی نفع پہنچاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب انسان فوت ہوتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین اعمال کے، صدقہ جاریہ، نفع بخش علم اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی ہے"، اور نبی کریم صلی اللہ ایسے علم سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے جو نہ کوئی فائدہ دے، نہ کسی تعمیری کام کا باعث بنے اور نہ ہی اخلاق و کردار کو مہذب بنائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: "اللہ تعالی سے علم نافع مانگو، نفع نہ دینے والے علم سے اللہ تعالی کی پناہ مانگو"، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: "اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے، ایسے دل سے جو اللہ سے نہ ڈرے، ایسے پیٹ سے جو سیر اب نہ ہو، اور ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو"۔

برادرانِ اسلام:

امت کے مخلص علماء ہیں راہ راست پر گامزن ہیں، پر وقار شخصیت کے مالک ہیں، اعتدال اور میانہ روی پر عمل پیرا ہیں، ہر دور میں وسطیت کا علم بلند کرتے ہیں، اور غلو

کرنے والوں کی تحریف، جاہلوں کی تاویل اور باطل پرستوں کی علمی بد دیانتی سے دین متین کا دفاع کرتے ہیں۔

جبکہ اپنے اہداف و مقاصد تک رسائی کے لئے دین کو سیڑھی کے طور پر استعمال کرنے والے باطل پرست اور فتنہ پرور علماء وہ ہیں جنہون نے دین متین کے خلاف جسارت کرتے ہوئے ایسے فتوے جاری کرتے ہیں جو نفع کی بجائے نقصان اور تعمیر و ترقی کی بجائے تخریب کاری کا باعث بنتے ہیں، امت پر تکفیر کا دروازہ کھولتے ہیں جس سے متنبہ کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اپنے بھائی کو کافر کہے گا تو وہ ان دونوں میں سے ایک کی طرف لوٹ آئے گا، اگر تو وہ حقیقت میں کافر ہے جیسا کہ اس نے کہا تو فبہا ورنہ وہ کلمہ کفر اس کی طرف لوٹ آئے گا"۔

ان فتنہ پرور علماء نے لوگوں پر تشدد اور سختی کو اپنا منہج بنایا جو کہ اسلام کی وسطیت اور رواداری سے بہت دور ہے، کیونکہ اسلام نے لوگوں سے ہر قسم کی تنگی اور مشقت کو دور کیا ہے، ارشاد باری ہے: {وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ} "اور تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خوشخبریاں سناؤ، نفرتیں پیدا نہ کرو، اور آسانیاں پیدا کرو، مشکلات پیدا نہ کرو"

۔فتوؤں میں تشدد اختیار کرنا دینِ اسلام کی نمایاں خصوصیت وسطیت کے خلاف ہے، ارشاد باری ہے : {وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ} "ہم نے اسی طرح تمہیں اعتدال والی امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ"۔ وسطیت سے مراد عدل وانصاف اور اعتدال کی راہ اختیار کرنا اور امتوں کی ہلاکت کا باعث بننے والے غلو سے دور ہونا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے لوگو! دین میں غلو سے بچو، بیشک دین میں غلو نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا تھا"،اور سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک حقیقی علم فقہ میں رخصت پر علم پیرا ہونا ہے، جبکہ تشدد تو ہر کوئی اچھے طریقے سے کر رہا ہے۔

اور وہ جاہل علماء بھی انہی فتنہ پرور علماء میں شمار ہوتے ہیں جو بغیر علم کے گفتگو کرتے ہیں،انہیں اس بات کا بالکل ادراک نہیں ہے کہ امت کو تمام تر اسباب اختیار کرنے کی شدید ضرورت ہے اور نہ ہی انہیں اس بات کا علم ہے کہ دنیا کی تعمیر و ترقی تمام مذاہب کا سب سے اہم مقصد ہے،اور جب تک ہم اپنے دنیاوی امور میں ترقی نہیں کریں گے لوگ ہمارے دین کا احترام نہیں کریں گے، دنیاوی امور میں ہماری ترقی سے ہی دنیا ہمارے دین اور دنیاوی امور کو احترام کی نگاہ سے دیکھے گی،اس حقیقت کے ادراک سے

عاری جاہل علماء نے اپنی تمام تر وعظ و نصیحت کا رخ دنیا سے بے رغبتی پیدا کرنے کی طرف موڑ دیا ہے جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں دین و دنیا کے باہمی تعلق اور اسباب اختیار کرنے کی ضرورت کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں، اس غلط فہمی کی بنا پر اس کے نزدیک زہد و تقوی سے مراد دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنا ہے جبکہ وہ اللہ تعالی کے اس فرمان سے غافل ہیں کہ : {رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ} "اے ہمارے رب ! ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے"۔

مزید ہم اس بات کی بھی تاکید کرتے ہیں کہ علمی اہلیت کے بغیر فتوی دینے کی جسارت کرنا خود بھی گمراہ ہونا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنا ہے، بغیر علم کے دیئے جانے والے کتنے ہی فتوے ہیں جنہوں نے لوگوں کی زندگیاں تباہ کر دی ہیں، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر پر نکلے تو ہم میں سے ایک شخص کو پتھر لگا جس نے اس کے سر کو زخمی کر دیا، پھر اس کو احتلام ہو گیا، اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کیا تم میرے لئے تیمم کی رخصت پاتے ہو ؟ انہوں نے کہا آپ کے پانی پر قادر ہونے کے باوجود ہم آپ کے لئے تیمم کی رخصت نہیں پاتے، چنانچہ اس نے غسل کیا

اور وہ فوت ہو گیا، جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ کو اس واقعہ کی خبر دی، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا انہوں نے اس کو قتل کر دیا، اللہ انہیں قتل کرے، جب ان کو علم نہیں تھا تو کیا یہ پوچھ نہیں سکتے تھے، بیشک لاعلمی کا علاج سوال کرنا ہے۔ اس شخص کے لئے یہی کافی تھا کہ وہ تیمم کرتا، اپنے زخم پر کوئی پٹی باندھ کر اس پر مسح کرتا اور اپنے جسم کے باقی اعضاء کو دھو لیتا"۔

آج ہمیں کس قدر ضرورت ہے کہ ہم میں سے ہر شخص خوفِ خدا، علم کے احترام اور گفتگو کی سنگینی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنے اپنے شعبے میں کام کرنے کی پابندی کرے، اور جو کام وہ اچھی طرح کر سکتا ہے اس میں محنت و کوشش کرے، بغیر علم کے کہی جانے والی کتنی ہی باتیں ہیں جو فتنہ و فساد اور تباہی و بربادی کا سبب بنیں، نقصان کا باعث بننے والی گفتگو سے خاموشی بہتر ہے، اور اگر جاہل آدمی خاموش رہے تو اختلاف ختم ہو جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اللہ تعالی اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے"۔

ذمہ داری

اللہ رب العزت نے فرمایا: {إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا} ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں پر، زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے (مگر) انسان نے اسے اٹھا لیا، وہ بڑا ہی ظالم جاہل ہے۔

اللہ نے انسان کو بے شمار عزتوں سے نوازا، اپنے ہاتھ سے اس کی تخلیق فرما کر اِس میں اپنی روح پھونکی، فرشتوں سے اس کو سجدہ کروایا اور بہت سی چیزوں میں اس کو اپنی باقی ماندہ مخلوق پر فضیلت بخشی انہی چیزوں میں سے ایک چیز "ذمہ داری کا پابند ہونا اور شرعی احکامات کا مکلف ہونا" ہے۔ کوئی بھی عاقل و بالغ اور ہدایت یافتہ انسان ذمہ داری کی ادائیگی سے سبکدوش نہیں ہو سکتا خواہ معاشرے میں جو بھی اس کا مقام و مرتبہ ہو، پس ہر انسان اپنی استطاعت کے مطابق، اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اپنی ہر ذمہ داری کا جواب دہ ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ کسی بھی ذمہ داری کو قبل ازیں کہ ایک شرف سمجھا جائے یہ ایک فرض ہے، جو شخص اپنی ذاتی خواہش کی بنا پر کسی ذمہ داری میں دلچسپی لیتے

ہوئے اور اس کی طلب رکھتے ہوئے اس کو صرف ایک شرف سمجھتا ہے تو اکثر اوقات اس ذمہ داری کی ادائیگی کے دوران لغزشیں اور ان کا انجام اسے ہلاک کر دیتا ہے۔اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہمارے سامنے ہے جو آپ نے عبد الرحمن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: "اے عبد الرحمن! تو امارت کا سوال مت کرنا، اگر سوال کئے بغیر تجھے امارت دی گئی تو اس پر تیری مدد کی جائے گی، اور اگر سوال کرنے سے یہ امارت تجھے دی گئی تو تجھے اس کے سپرد کر دیا جائے گا"، اور ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول، کیا آپ مجھے کسی علاقے میں حکمران نہیں بنا دیتے؟ ابوذر نے کہا: آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر مارا اور پھر فرمایا: "اے ابا ذر تم ایک کمزور آدمی ہو، اور یہ ایک امانت ہے، اور روزِ قیامت یہ ندامت اور رسوائی کا باعث ہے سوائے اس شخص کے جس نے صحیح طریقے سے امارت کی ذمہ داری سنبھالی اور اس کا حق ادا کیا"۔

ذمہ داری کی بہت سی صورتیں ہیں انہی صورتوں میں سے ایک صورت "خاندانی ذمہ داری" ہے کیونکہ معاشرتی استحکام و یکجہتی میں خاندان کا بہت اہم کردار ہے، یہ معاشرے کی تعمیر کی مرکزی بنیاد اور اس کے دفاع کی پہلی لکیر ہے. اور والدین میں

سے ہر کوئی اپنے حقوق وواجبات کی ادائیگی کے ذریعے خاندان کی تعمیر اور اس کے استحکام کے بارے میں اللہ رب العزت کے سامنے جواب دہ ہیں۔

اسلام نے ان حقوق وواجبات کی وضاحت فرمائی ہے اور ان کو خاندان کے تمام افراد کے درمیان تقسیم کیاہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم سب نگہبان اور محافظ ہو اور تم سب اپنی رعایاکے بارے میں جواب دہ ہو، حاکمِ وقت اپنی رعایا کا محافظ ہے اور ان کے بارے میں جوابدہ ہے، آدمی اپنے اہل خانہ کا محافظ ہے اور اپنی رعایاکے بارے میں جوابدہ ہے، عورت اپنے خاوند کے گھر کی محافظ ہے اور اپنے ماتحت لوگوں کے بارے میں جوابدہ ہے، خادم اپنے آقا کے مال کا محافظ ہے اور اپنے ماتحت چیزوں کے بارے میں جواب دہ ہے، تم سب محافظ ہو اور اپنی رعایاکے بارے میں جواب دہ ہو"۔ پس خاندان کی کامیابی اور اس کا استحکام اس کے تمام افراد کے درمیان حقوق وواجبات کی حفاظت کرنے اور ان حقوق وواجبات میں کوتاہی ولاپرواہی نہ کرنے کے مرہون منت ہے۔

یہ ذمہ داری خاندان کے افراد کے درمیان باہمی تعاون اور باہمی تبادلہ پر مشتمل ہے یعنی یہ حقوق وواجبات اور باہمی احترام پر مبنی ہے تاکہ خاندان کا ہر فرد پیار، محبت اور

امانت داری سے اپنا کردار ادا کرے، اور جن نے اس میں سُستی یا کوتاہی کی یا اس کو ضائع کیا تو وہ اللہ کی بارگاہ میں جواب دہ ہے کہ کیا اس نے اپنی ذمہ داری کی حفاظت کی یا اس کو ضائع کیا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "اللہ تعالی ہر محافظ سے اس چیز کے بارے میں پوچھنے والا ہے جس کا اسے محافظ بنایا، کیا اس نے اس کی حفاظت کی یا اسے ضائع کر دیا یہاں تک کہ آدمی سے اس کے اہل خانہ کے بارے میں پوچھا جائے گا "، اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا ایک اور فرمان ہے: "آدمی کے گناہ کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ان لوگوں کو ضائع کر دے جن کی وہ پرورش کرتا ہے"۔

اور ذمہ داری کی صورتوں میں سے ایک صورت "فرضِ منصبی کی ذمہ داری" ہے، ذمہ دار شخص کے سپرد کئے جانے والا مشن جس قدر بڑا ہو گا اسی قدر ذمہ داری بھی بڑی ہو جاتی ہے، اور جیسے ہی ذمہ داری کا دائرہ کار وسیع ہوتا ہے تو یہ خصوصی صلاحیتوں کا تقاضا کرتی ہے اور ان صلاحتیوں میں سے سب سے اہم اہلیت، قابلیت، قناعت، تجربہ اور اس ذمہ داری اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی قدرت کا ہونا ہے، ہر شخص اپنی ذمہ داری کے بارے میں اپنے آپ کے سامنے، لوگوں کے سامنے اور اللہ کے سامنے جواب دہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "جو آدمی دس یا اس سے

زیادہ افراد کی ذمہ داری سنبھالتا ہے روزِ قیامت وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کا ہاتھ اس کی گردن پر بندھا ہوگا، اس آدمی کی بھلائی اسے کھولے گی یا اس کا گناہ اس کو ہلاک کردے گا"۔

اسی طرح ہر وہ شخص جو لوگوں کے کسی معاملے یا کسی ڈیوٹی کی ذمہ داری سنبھالتا ہے، اسے اس حقیقت کا ادراک ہونا چاہیے کہ وہ اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے ادا کرنے اور اللہ تعالی کی خشیت کو پیشِ نظر رکھنے کا پابند ہے، اور اسے یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ وہ عوام الناس کے مال میں تصرف کر رہا ہے اس لئے اسے اپنے ذمہ داری کی ادائیگی کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے ہی اس میں تصرف کرنا ہوگا اور اسے اپنے پیٹ میں کسی بھی نام پر حرام یا ناجائز مال داخل کرنے سے پرہیز کرنا ہوگا۔

اور ہم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ کوئی بھی ذمہ دار شخص خواہ وہ کسی بھی سطح پر ہو، نہ تو اسے دوسروں پر بھروسہ کرنے والا ہونا چاہیے نہ اسے لاپرواہ ہونا چاہیے اور نہ ہی اپنی ذمہ داری میں طے پانے والے تمام معاملات کی تفاصیل پر سرسری نظر رکھنے والا ہونا چاہیے خواہ وہ معاملہ کسی قدر ہی چھوٹا یا عام کیوں نہ ہو، کیونکہ وہ معاملات جنہیں بعض لوگ معمولی یا چھوٹا خیال کرتے ہیں، ان میں لاپرواہی ایسے خسارے اور نقصان کا سبب

بنتی ہے جو کہ ناقابل برداشت ہوتا ہے، اور ہم سب کے لئے اس حقیقت کا ادراک کرنا بھی ضروری ہے کہ اعتماد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نگرانی نہ کی جائے اور نگرانی کرنے کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ اعتماد نہیں ہے۔

اور اسی طرح ہر ذمہ دار اپنی ذمہ داری کے دائرہ کار میں اس بات کا پابند ہے کہ وہ مضبوط اور امانت دار معاونین اختیار کرے اور بہتر سے بہتر صلاحیت والوں کو اختیار کیا جائے، جس نے کسی شخص کو ایک جماعت پر نگران بنایا اور اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لئے اِس جماعت میں اُس سے زیادہ صلاحیتوں والا شخص موجود تھا تو اُس شخص نے اللہ، اس کے رسول، وطن اور امانت میں خیانت کی ہے۔

اور اسی طرح ذمہ داری کی صورتوں میں سے ایک صورت معاشرتی ذمہ داری ہے، اسلام نے ایسے معاشرتی قواعد وضوابط وضع کئے ہیں جن کے ذریعے لوگ ایسی پُرامن زندگی گزارتے ہیں یہاں انسانیت کے درمیان مساوات کی بنیاد پر پیار محبت، عزت واحترام، باہمی کفالت اور معاشرتی یکجہتی کی فضا قائم ہوتی ہے اور معاشرہ جسدِ واحد کا منظر پیش کرتا ہے۔

آج لوگوں کے حالات میں غور وفکر کرنے والے شخص کے سامنے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ لوگوں میں کچھ ایسے غریب ہیں جن کے پاس اپنی بھوک مٹانے کے لئے کوئی چیز نہیں ہے، کچھ ایسے مریض ہیں جن کے پاس دوائی لینے کی استطاعت نہیں ہے، بیوہ عورتیں، یتیم، کمزور اور ایسے لوگ بھی ہیں جن کی کفالت کرنے والا کوئی نہیں ہے، ان کی مصلحتوں کو پیشِ نظر رکھنا اور ان کی ضروریات کو پورا کرنا ایک معاشرتی، قومی اور شرعی ذمہ داری ہے، بلکہ یہ فرض کفایہ میں سے ہے۔ اگر بعض افراد نے اسے ادا کر دیا تو یہ باقی افراد سے ساقط ہو جائے گا اور اگر کسی نے بھی اسے ادا نہ کیا تو سب کے سب گناہ گار ہونگے، اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "وہ شخص مجھ پر ایمان ہی نہیں لایا جس نے پیٹ بھر کر رات گزاری اور اس کے جانتے ہوئے اس کے پڑوس میں اس کا ہمسایہ بھوکا رہا"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاشرتی ذمہ داری کو ادا کرنے کی بڑی قدر ومنزلت بیان فرمائی ہے اور لوگوں کی ضروریات پورا کرنے کو مسجد میں اعتکاف کرنے پر مقدم رکھا ہے، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: "ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حالتِ سفر میں تھے کہ ایک آدمی اپنی سواری پر آیا اور

دائیں بائیں دیکھنے لگا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص کے پاس ایک سے زائد سواری ہو تو وہ اسے ایسے شخص کو دے دے جس کے پاس کوئی سواری نہیں ہے، اور جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد زادِ راہ ہو تو وہ اسے ایسے شخص کو دے دے جس کے پاس زادِ راہ نہیں ہے، اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالی کی بارگاہ میں لوگوں میں سے سب سے پسندیدہ شخص وہ ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچانے والا ہے، اور اللہ تعالی کی بارگاہ میں سب سے پسندیدہ عمل تمہارا کسی مسلمان کو خوش کرنا، اس کی پریشانی اور تکلیف کو دور کرنا، اس کے قرض کو ادا کرنا یا اس کی بھوک کو ختم کرنا ہے، میرا کسی بھائی کے ساتھ کسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے چلنا مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں اس مسجد یعنی مسجد نبوی میں ایک ماہ اعتکاف بیٹھوں۔۔۔۔ جو شخص کسی ضرورت کی وجہ سے اپنے بھائی کے ساتھ چلا یہاں تک کہ وہ ضرورت پوری ہو گئی تو اللہ کریم اسے اس دن ثابتِ قدم رکھے گا جس دن قدم ڈگمگا رہے ہونگے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے اور ان کی مصلحتوں کی خاطر کوشش کرنے کے بارے میں اپنے صحابہ کی نگرانی کرنے پر بہت توجہ دیتے تھے

اور ہر اس شخص کے بارے میں پوچھتے تھے جس نے کوئی نیکی کی، کسی کی پکار پر لبیک کہا ۔ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آج تم سے روزہ دار کون ہے"؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں روزہ دار ہوں، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: " آج تم سے کوئی جنازہ کے پیچھے چلا ہے"؟ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے جنازہ کے پیچھے چلا ہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "آج تم سے کس نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے"؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "آج تم سے کس نے مریض کی عیادت کی ہے"؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے مریض کی عیادت کی ہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "جس شخص میں یہ چیزیں اکٹھی ہو گئیں وہ جنت میں داخل ہو گیا"۔

اسی طرح ذمہ داری کی صورتوں میں سے ایک صورت وطنی اور قومی ذمہ داری ہے، وطن کے ہم سب پر بہت سے حقوق ہیں، اس کی رفعت وبلندی اور تعمیر وترقی کے لئے کوشش کرنے اور اس کی حفاظت کی خاطر ہم پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کی اس نظریے اور فکر پر تربیت کی کہ وطن، اس کی عزت وناموس اور اس کے مقدسات کا دفاع کرتے ہوئے جان ومال کی قربانی پیش

کر دینا اللہ کی راہ میں جہاد ہے، اور اس بات پر اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالی نے ان لوگوں کو بلند مقام و مرتبہ عطا فرمایا جنہوں نے اپنے دین اور وطن کا دفاع کرتے ہوئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر دیا، ارشاد خداوندی ہے : { إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ } : بیشک اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے مال، ان کے لئے جنت کے عوض خرید لیے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں، سو وہ "حق کی خاطر" قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، اللہ نے اپنے ذمہء کرم پر پختہ وعدہ لیا ہے، تورات میں بھی، انجیل میں بھی اور قرآن میں بھی۔

اسی طرح عمومی مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح دے کر، اپنی کوششوں کو متحد کر کے، باہمی اختلافات کو پشت ڈال کر، باہمی متحد ہو کر اور ایک شخص کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر ملک کو آباد کرنے، اس کی رفعت و بلندی اور تعمیر و ترقی کے لئے کوشش کرنا بھی وطنی اور قومی ذمہ داری ہے، تاکہ ہم اللہ تعالی کے ان فرامین پر عمل کر سکیں۔ ارشاد خداوندی ہے: { وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا } : اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت ڈالو۔ دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: { وَلَا تَنَازَعُوا

فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ } : اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور دشمنوں کے سامنے تمہاری قوت اکھڑ جائے گی اور صبر کرو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ہم پر فرض ہے کہ ہم اس حقیقت کا ادراک کریں کہ وہ دن آنے والا ہے جس دن سب کو کہا جائے گا : {وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ} : اور انہیں روکو، یہ جواب دہ ہیں۔ ہمیں اپنے اندر اللہ تعالی کے اس فرمان کا احساس پیدا کرنا چاہیے : {يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ} : اس دن تم حساب کے لئے پیش کیے جاؤ گے تمہاری کوئی پوشیدہ بات چھپی نہیں رہے گی۔ خواہ وہ چیز چھوٹی ہو یا بڑی، اللہ تعالی فرماتا ہے : {إِنَّهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَاوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ} : "لقمان نے کہا": اے میرے فرزند ! اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو، پھر خواہ وہ کسی چٹان میں چھپی ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں اللہ اسے ظاہر کر دے گا۔ بیشک اللہ باریک بین، آگاہ اور خبر دار ہے۔

برادرانِ اسلام:

چند لمحات کے بعد ہم ایک خیر وبرکت اور اطاعت وفرمانبرداری والے مہینے شعبان المبارک کااستقبال کررہے ہیں، یہ ایسا مہینہ ہے جس میں اعمال کواللہ تعالی کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لئے اٹھایا جاتاہے،اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینے میں اللہ تعالی کا تقرب حاصل کرنے کے لئے مزید عبادات اور اطاعت وفرمانبرداری کا بالخصوص اہتمام فرماتے تھے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام اس مہینے میں اس قدر کثرت سے روزے رکھتے تھے کہ آپ کے صحابہ کی نظریں اس طرف متوجہ ہو گئیں اور بعض صحابہ نے اس اہتمام کے راز کے بارے میں آپ سے پوچھا، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول، میں نے آپ کو کسی اور مہینے میں اتنے روزے رکھتے نہیں دیکھا جتنے آپ شعبان میں روزے رکھتے ہیں، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "یہ رجب اور رمضان کے درمیان میں ایک ایسا مہینہ ہے جس سے لوگ غافل رکھتے ہیں اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں اور میں پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال اس حال میں اٹھائے جائیں کہ میں روزہ دار ہوں"۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ نے فرمایا: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے یہاں تک کہ ہم کہتے: آپ علیہ الصلاۃ والسلام روزے رکھنا نہیں چھوڑیں گے اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام روزے رکھنا چھوڑ دیتے یہاں تک کہ ہم کہتے: آپ علیہ الصلاۃ والسلام روزہ نہیں رکھیں گے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان کے علاوہ کبھی بھی کسی مہینے کے مکمل روزے رکھتے نہیں دیکھا، اور نہ ہی میں نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو شعبان کے مہینے سے زیادہ کسی اور مہینے میں روزے رکھتے دیکھا"۔

اللہ تعالی نے شہر شعبان کو ایک ایسی بابرکت رات سے نوازا ہے جس میں اللہ تعالی اپنے بندوں پر شفقت ورحمت بھری نگاہ فرماتا ہے، گناہوں کو معاف فرماکر اور عیبوں کو چھپا کر ان پر اپنا فضل فرماتا ہے اور وہ رات شعبان کی پندرہویں رات ہے، ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: " اللہ تعالی شعبان کی پندرہویں رات کو (اپنے بندوں پر) نگاہِ رحمت فرماتا ہے اور مشرک اور کینہ رکھنے والے شخص کے علاوہ سب کو بخش دیتا ہے" اور ایک روایت میں ہے: " اللہ تعالی شعبان کی پندرہویں رات کو اپنے بندوں پر نگاہِ کرم فرماتا ہے، مؤمنین کو بخش

دیتاہے، کافروں کو مہلت دیتاہے اور حقد و بغض رکھنے والوں کو ان کے حقد و بغض میں ہی رہنے دیتاہے یہاں تک کہ وہ اس کو ترک کردیں"۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ کا تقرب حاصل کرنے، بھلائی کے کام کرنے اور کثرتِ عبادات کے لئے ان دنوں کو غنیمت جانیں تاکہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر عمل کر سکیں: " بیشک زمانے کے دنوں میں تمہارے رب کے بہت سے عطیات ہیں پس تم ان میں مصروف رہو، شاید تم سے کسی کو کوئی ایک عطیہ نصیب ہو جائے اور وہ اس کے بعد کبھی بھی بد بخت نہیں رہے گا"۔

دورِ حاضر میں عہدِ امان کا مفہوم

بیشک اسلام امن وامان اور سلامتی کا دین ہے اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ وفائے عہد وپیمان کا شمار عظیم انسانی اور اخلاقی اقدار میں سے ہوتا ہے، اس سے ہی قوموں کا آپس میں اعتماد مضبوط ہوتا ہے اور امن وسلامتی جنم لیتی ہے، اسی لئے وفائے عہد وپیمان ایمان کا ایک شعبہ اور سچائی اور احسان کی علامت ہے، یہ ایک عظیم خداوندی ادب، اعلی نبوی اخلاق اور معتدل اسلامی طرزِ عمل ہے۔

اسلام نے اپنے پیروکاروں کو عہد وپیمان، معاہدوں اور وعدوں کو پورا کرنے جیسے اخلاق سے متصف ہونے کا حکم دیا ہے، اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے، ارشاد خداوندی ہے: {وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولاً} "اور وعدہ پورا کرو، بیشک وعدہ کے بارے میں پوچھ ہوگی"۔ اور دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: {وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ} "اور تم اللہ کا عہد پورا کرو جب تم عہد کرو اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد انہیں نہ توڑو حالانکہ تم اللہ کو اپنے آپ پر ضامن بنا چکے ہو، بیشک اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو"۔ یعنی ان وعدوں کو پورا کرو جن کو تم نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے خواہ ان کا تعلق تمہارے اور

اللہ کے درمیان ہو یا اس کا تعلق تمہارے اور لوگوں کے درمیان ہو، اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو، اور تم نے عہد وپیمان کرتے وقت اللہ کو اپنے اوپر نگران اور ضامن بنایا ہے، پس جس نے کوئی عہد وپیمان کیا تو اس پر اس کا احترام کرنا فرض ہے اور جن نے کسی کو عہدِ امان دیا تو اس پر اس کی پابندی لازم ہے۔

اسی طرح حق سبحانہ وتعالی نے بیان کیا ہے کہ عہد وپیمان اور وعدوں کو پورا کرنے والے ہی اس کی محبت کے حقدار ہیں اور اس کی مخلوق میں سے یہی لوگ متقی وپرہیز گار اور سچے ہیں، حق سبحانہ وتعالی نے فرمایا: {بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ} "ہاں جس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور تقوی اختیار کیا، سو بیشک اللہ پرہیز گاروں سے محبت کرتا ہے"۔ اور دوسری جگہ فرمایا: {وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ} "اور جب کوئی وعدہ کریں تو اپنا وعدہ پورا کرنے والے، سختی، مصیبت اور جنگ کی شدت کے وقت صبر کرنے والے، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیز گار ہیں"۔ اللہ کریم نے بیان فرمایا ہے کہ یہ لوگ اجر عظیم کے حقدار اور جنت کے نعمتوں کے وارث ہیں، ارشاد خداوندی ہے: {وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا} "اور جس نے اس

بات کو پورا کیا جس پر اس نے اللہ سے عہد کیا تھا تو وہ عنقریب اسے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا"۔ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ایک اور جگہ اس اجر عظیم کو بیان کیا ہے اور فرمایا: {وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ * وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ * وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ * أُولَئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُكْرَمُونَ} "اور جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرنے والے ہیں۔اور جو اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں ۔اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ جنتوں میں معزز و مکرم ہوں گے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفائے عہد وپیمان کی قدر وقیمت کو بلند کیا اور اس کو توڑنے یا اس کو پورا نہ کرنے سے متنبہ کیا ہے کیونکہ اس میں خیانت کرنے اور اس کو پورا نہ کرنے سے معاشروں میں فساد پیدا ہوتا ہے لوگوں کا ایک دوسرے سے اعتماد ختم ہوتا ہے اور امانتیں ضائع ہوتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا، جب وعدہ کرے گا تو وعدہ خلافی کرے گا اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے گی تو خیانت کرے گا"، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمان اپنی شروط پر قائم ہیں سوائے اس شرط کے جو

حلال کو حرام قرار دے یا حرام کو حلال قرار دے"، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیانت اور عہد شکنی سے متنبہ کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "روزِ قیامت جب اللہ تعالی اولین اور آخرین کو جمع فرمائے گا تو ہر عہد شکنی اور خیانت کرنے والے کے لئے ایک پرچم بلند کیا جائے اور کہا جائے گا یہ فلان بن فلان کی خیانت وغداری ہے"، ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے: اس میں حکمت یہ ہے کہ جب خیانت مخفی ہوتی ہے، لوگ اس پر مطلع نہیں ہو سکتے تو جب روزِ قیامت ہو گا تو وہ ایک پرچم بن جائے گا جو غدار شخص کی کرتوتوں کو واضح کر رہا ہو گا اور اس طرح لوگوں کے سامنے ان کا مکر وفریب اور خیانت ظاہر ہو جائے گی اور اللہ تعالی انہیں مخلوق کے سامنے رسوا کرے گا۔

دینِ متین نے جن عہد وپیان کی پابندی کرنے کا حکم دیا اور ان کو پورا کرنے اور عہد شکنی نہ کرنے پر زور دیا ہے ان میں سے ایک عہدِ امان ہے اور دورِ حاضر کے مفہوم کے مطابق اس سے مراد وہ پرمٹ یا ویزہ یا اجازت نامہ ہے جو کوئی ملک دوسرے ممالک کے لوگوں میں سے کسی کو اپنی سرزمین پر داخل ہونے کے لئے دیتا ہے خواہ وہ سیاح ہو یا مہمان ہو یا وہاں مقیم ہو، اور یہ اجازت نامہ سیاسی لوگوں اور ان کے ہم مرتبہ لوگوں

کے ساتھ معاملات کرنے کے بارے میں بین الاقوامی معاہدوں اور اعراف وتقالید یا دو ممالک کے درمیان دوطرفہ معاہدوں کے مطابق میزبان ملک کے ہاں قانونی طور پر رائج اور مقرر شدہ طریقوں میں سے کسی بھی طریقے کے ذریعے دیا جاتا ہے، اس شخص کو وہاں قیام کے لئے پرمٹ یا ویزہ یا داخل ہونے کی اجازت ملنے کے ساتھ ہی اس ملک کے اندر حقوق حاصل ہو جائیں گے، اور اس ملک نے اس کو جو عہد وپیمان دیا ہے وہ اس ملک میں مقیم لوگوں اور اس کے تمام باشندوں پر لازم ہے جس کو توڑنا یا اس کے خلاف احتجاج کرنا یا اس سے بری الذمہ ہونا نہ تو شرعا جائز ہے اور نہ ہی قانونا، لوگوں میں اگر کوئی شخص کوئی خلاف ورزی دیکھتا ہے جو ملکی امن وامان کو تباہ کرتی ہے یا ملک کے عام قانونی نظام کے مخالف ہے تو اس کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ بات کو ذمہ داران تک پہنچائے تاکہ قومی ادارے قانونی تقاضوں کے مطابق اس کا محاسبہ کر سکیں، لوگوں میں سے کسی کو بھی اس سے سرزد ہونے والی خلاف ورزی کا محاسبہ کرنے یا اس کو نقصان پہنچانے کا حق نہیں ہے ورنہ سارے معاملات لاقانونیت اور افراتفری کا شکار ہو جائیں گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس معاہدے کو پورا کرنا شرعی، قانونی، قومی اور انسانی لحاظ سے سب سے زیادہ ضروری اور لازم ہے، جب دینِ متین نے اس معاہدے کی قدر ومنزلت بلند کی ہے، اور سب مسلمانوں کی ضمانت ایک ہے یعنی وہ عہدِ امان جو ایک مسلم اپنے اوپر لازم قرار دیتا ہے وہ اس ملک کے تمام مسلمانوں پر لازم ہو گا، تو پھر ہماری کیا حیثیت ہے جب یہ عہدِ امان ایک ایسا پختہ معاہدہ ہو جسے شریعت اور قانون منظم کرتا ہو اور شریعت اور قانون دونوں ایک دوسرے کی تائید وحمایت کرتے ہو؟ بیشک یہ بات وفائے عہد کا تقاضہ کرتی ہے نا کہ عہد شکنی کرنے، اور اس کو ضائع کرنے کا تقاضہ کرتی ہے۔

اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے عہد وپیمان کی حفاظت کی ہے، یہ ایسا دین ہے جو ملاوٹ، دھوکہ بازی اور خیانت کو نہیں جانتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے آغاز سے لے کر نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ آپ کے کسی صحابی سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے کسی کو پناہ دینے سے روکا ہو یا انہوں نے کسی کو عہدِ امان دینے کے بعد اسے توڑا ہو، حق سبحانہ وتعالی اپنے نبی کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے: {وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ} "اور اگر آپ کو کسی قوم کی

خیانت کا اندیشہ ہو تو برابری کی حالت میں ان کا عہد نامہ توڑ دے۔ بیشک اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا"۔ جس وقت سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اور روم کے درمیان معاہدہ طے ہو چکا تھا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ وہ روم کی سرحدوں کے قریب چلے جاتے ہیں اور جب معاہدہ ختم ہو گا تو وہ ان پر حملہ کر دیں گے، پس ایک صحابی یہ کہتے ہوئے ان کے پاس آیا، اللہ اکبر، اللہ اکبر، وفائے عہد کو لازم پکڑو، نا کہ دھوکہ بازی کو، جب انہوں نے دیکھا تو وہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف قاصد بھیجا اور اس سے پوچھا تو اس نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "جس شخص کا کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو تو وہ نہ تو اس کی گرہ کو مضبوط کرے اور نہ ہی اس کو کھولے یہاں تک کہ اس کی مدت ختم ہو جائے یا برابری کی بنیاد پر ان کی طرف پھینک دیا جائے" تو معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ واپس پلٹ آئے، بلکہ اسلام کی عظمت اپنی اعلی ترین صورت میں اللہ کے اس حکم میں واضح ہوتی جس میں اللہ نے اپنے نبی کو فرمایا کہ وہ اس شخص کو امان دیں جو ان سے امان چاہتا ہے خواہ وہ مشرک ہی کیوں نہ ہو بلکہ وہ جنگجو ہی کیوں نہ ہو، اللہ تعالی نے فرمایا: { وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ

أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ} "اور اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دے دیں تا کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر آپ اسے اس کی جائے امن تک پہنچا دیں، یہ اس لئے کہ وہ لوگ بے علم ہیں"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وفعل سے ان اعلی اقدار کو پختہ کیا جو ساری انسانیت کے لئے امان و سلامتی کا باعث بنتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس شخص کا ایمان ہی نہیں جو امانت کی پاسداری نہیں کرتا اور اس کا ایمان ہی نہیں جو وفائے عہد نہیں کرتا" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے کسی ایسے شخص کو قتل کیا جس کو پناہ دی گئی تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ پائے گا اور اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے محسوس کی جاتی ہے"، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "حقیقی مسلم وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ سلامت رہے اور مؤمن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں محفوظ رہے"۔ ہمارے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہے جو دشمن کے ساتھ بھی وفائے عہد کی اعلی ترین مثال عملی طور پر پیش کرتی ہے، یومِ بدر کے بارے میں حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کہتے کہ بدر میں حاضر سے مجھے صرف اس بات نے روک دیا کہ میں اور میرے والد

بدر کی طرف نکلے تو کفارِ قریش نے ہم کو پکڑ لیا اور کہا کہ تم محمد کے ساتھ ملنا چاہتے ہو، ہم نے کہا: ہم اس کے ساتھ نہیں ملنا چاہتے، ہم تو صرف مدینہ جانا چاہتے ہیں تو انہوں نے ہم سے پختہ عہد لیا کہ ہم مدینہ لوٹ جائیں گے اور اس کے ساتھ مل کر لڑائی نہیں کریں گے، پس ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو پیش آنے والے واقعہ کی خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم دونوں واپس چلے جاؤ، ہم ان سے وفائے عہد کریں گے اور ان کے خلاف اللہ سے مدد مانگیں گے"۔

ہم اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ہم بھی ان معاہدوں کی پاسداری کریں جو ہمارا ملک اس میں داخل ہونے والے ہر شخص کے ساتھ پابند ہوتا ہے، اور ہم اس کی جان، مال، عزت اور اس کی امتیازی حیثیت کی حفاظت کے لئے باہمی تعاون کریں اور اسی طرح ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس کا اچھا استقبال کریں، ان کی عزت کریں تاکہ وہ ہم میں اعلی اخلاق کا مشاہدہ کرے اور ہمارے دین کی عظمت، ہماری قدیم تہذیب اور ہماری اعلی انسانیت کے بارے میں وہی تصور کرے جو ہم پسند کرتے ہیں، اور یہ چیز اس ذہنی تصویر کو تیار کرنے میں بہت اہم کردار ادا کرتی

ہے جو ہم اپنے دین، اپنے وطن اور اپنے معاشرے کے بارے میں پسند کرتے ہیں اور یہی ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ قوموں کا طرزِ عمل ہے۔

برادرانِ اسلام:

اسلام عدل وانصاف، رواداری اور پرامن طریقے سے مل جل کر رہنے کا دین ہے، اور مسلمان جس جگہ بھی ہو خواہ وہ اپنے ملک میں ہو یا کسی اور ملک میں وہ ہمیشہ امن وامان اور سلامتی کا باعث ہے، جب مسلم کسی دوسرے ملک جاتا ہے خواہ وہ ملک مسلمانوں کا ہو یا غیر مسلمانوں کا تو اس ملک کی طرف سے جاری کردہ ویزہ—جو ایک عہدِ امان کی طرح ہے جس سے وہ اپنے آپ کو محفوظ پاتا ہے—وہ اس کی طرف سے اس ملک والوں کے لئے ایک عہدِ امان ہے جس کے ذریعے وہ اپنی جان ومال کے بارے میں بے خوف رہتے ہیں، اور یہ ویزہ اس پر لازم کرتا ہے کہ وہ اس ملک کے قوانین کی پیروی اور پابندی کرے اور سچائی اور امانت داری کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دے تاکہ وہ اپنے دین، اپنے وطن اور اپنے تہذیب کا بہترین نمائندہ ثابت ہو سکے، اس کے لئے ان کے مال سے کوئی چیز ناحق لینا یا ان کی عزتوں پر حملہ کرنا یا کسی بھی صورت میں ان کے ساتھ دھوکہ کرنا حرام ہے، اس ملک میں داخل ہوتے ہی وہ اللہ کے عہد کا پابند ہو

جائے گاتا کہ وہ اللہ کے اس فرمان کے تحت داخل نہ جائے: {وَالذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ} "اور جو لوگ اللہ کا عہد اس کے مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور اس تعلق کو قطع کرتے ہیں جس کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور زمیں میں فساد انگیزی کرتے ہیں ان کے لئے لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے"۔

مصلحتِ عامہ کی حفاظت

اسلام نے ایک حقیقی ریاست کی بنیاد رکھ کر اس کی اصول و ضوابط اور لوازمات بیان کئے، اس کی حفاظت اور دفاع کی ترغیب دی اور اس کی عمومی املاک کی حفاظت اور نگرانی کو ریاست کے تمام افراد کی مشترکہ ذمہ داری قرار دیا، ریاست کے افراد میں عمومی املاک کی حفاظت اور قدر و قیمت کے بارے میں جس قدر زیادہ شعور اجاگر ہوگا اسی قدر اس کی حفاظت کے لئے ان میں باہمی تعاون، رحم دلی اور اتحاد و یکجہتی کی فضا پروان چڑھے گی اور معاشرے کو ایک عمارت اور جسم کی حیثیت اور قوت و شعور حاصل ہوگا جس کی ترغیب دیتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے بہ منزلہ عمارت ہے جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط کرتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں" اور آپ نے فرمایا: "مسلمانوں کی آپس میں دوستی اور رحمت و شفقت کی مثال جسم کی مانند ہے، جب جسم کا کوئی عضو بیمار ہوتا ہے تو بخار اور بے خوابی میں سارا جسم اس کا شریک ہوتا ہے"۔

بیشک ریاست کی حفاظت کا سب سے اہم عنصر تمام لوگوں کے نفع کا باعث بننے والی وسیع تر مصلحت عامہ کو مخصوص افراد کے لئے نفع کا باعث بننے والی محدود شخصی مصلحت پر مقدم رکھنا ہے تاکہ انسانوں کو انانیت اور خود پسندی کے شر سے نجات دلائی جائے کیونکہ مصلحت عامہ ان تمام مادی اور معنوی چیزوں کو شامل ہوتی ہے جو سارے معاشرے کے لئے بقا کی ضامن ہوتی ہیں، لوگوں کے لئے نفع اور بہتری کا باعث بنتی ہیں، ان سے شر اور فسادات کو دور کرتی ہیں اور وطن کی حفاظت، اس کے استحکام اور اس کی سرزمین کی سلامتی کا باعث بنتی ہیں اور یقیناً امت اور معاشرے کی اصلاح ہی فقہ اولویات کا تقاضہ ہے۔

قرآن کریم نے اس بات کی تاکید کی ہے کہ مصلحت عامہ کی حفاظت کرنا اور اسے مصالح شخصیہ پر مقدم رکھنا تمام انبیاء اور رسولوں کا طریقہ کار رہا ہے، اللہ تعالی نے تمام انبیاء اور رسولوں کو بغیر کسی مادی معاوضہ اور دنیاوی منفعت کے اپنی اپنی قوم کی سعادت مندی اور بھلائی کے لئے مبعوث فرمایا، اللہ تعالی نے اپنے نبی نوح علیہ السلام کی زبانی فرمایا: {وَيَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُمْ مُلَاقُو رَبِّهِمْ وَلَكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ} "اور میری قوم والو! میں تم سے اس پر کوئی

مال نہیں مانگتا۔ میرا ثواب تو صرف اللہ تعالی کے ہاں ہے نہ میں ایمان والوں کو اپنے پاس سے نکال سکتا ہوں، انہیں اپنے رب سے ملنا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت کر رہے ہو۔ اور اپنے نبی ہود علیہ السلام کی زبانی فرمایا: {یَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي أَفَلَا تَعْقِلُونَ} "اے میری قوم! میں تم سے اس کی کوئی اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر اس کے ذمے ہیں جس نے مجھے پیدا کیا ہے تو کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے"۔ اور سیدنا شعیب علیہ السلام کی زبانی فرمایا: {إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ} "میرا ارادہ تو اپنی طاقت بھر اصلاح کرنے کا ہی ہے۔ میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں"۔

دین متین ایسی تعلیمات لے کر آیا ہے جو عقل کے موافق ہیں اور دین متین نے ایسے کاموں کی ترغیب دی جو تمام فرزندان وطن کے لئے مصلحت عامہ کا باعث بنیں۔ ہم ان تعلیمات میں سے چند چیزیں درج ذیل سطور میں بیان کرتے ہیں:

☆ معاشرے کی ضروریات پوری کرنا اور موجودہ حالات کے تقاضوں کو پیش نظر رکھنا، اگر معاشرے کو غریبوں کے علاج ومعالجہ اور ان کی دیکھ بھال کے لئے ہسپتال

تعمیر کرنے کی ضرورت ہے تو اسے اولویت حاصل ہو گی، اگر معاشرے کو اسکول، انسٹیٹیوٹ تعمیر کرنے، طالب علموں کے اخراجات اٹھانے اور ان کی دیکھ بھال کرنے کی ضرورت ہے تو اس کا شمار اولویات میں ہو گا، اور اگر معاشرے کو تنگ دست افراد کی شادیوں کے لئے وسائل مہیا کرنے، اور مقروضوں کا قرض ادا کر کے ان کی مشکلات حل کرنے کی اشد ضرورت ہے تو اسے اولویت حاصل ہو گی، لوگوں کی ضروریات پوری کرنا اور ان کو لوازمات زندگی مہیا کرنا ایک شرعی اور قومی فریضہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ شخص مجھ پر ایمان ہی نہیں لایا جو پیٹ بھر کر رات گزارے اور اس کے جانتے ہوئے اس کے پڑوس میں اس کا ہمسایہ بھوکا ہو"۔

☆ ملکی خزانہ کی حفاظت کرنا، اور یہ تمام شہریوں کی مشترکہ ذمہ داری ہے، ملکی خزانہ کی حرمت شخصی مال و دولت سے زیادہ ہے کیونکہ اس کے ساتھ بہت سے حقوق وابستہ ہیں اور سب افراد اس کے مالک ہیں، اسی لئے اسلام نے اسے ضائع کرنے یا چوری کرنے یا نقصان پہنچانے سے متنبہ کیا ہے، ارشاد باری ہے: {وَمَن يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ} "ہر خیانت کرنے والا خیانت کو لئے ہوئے قیامت کے دن حاضر ہو گا، پھر ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے

گا،اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے"۔ ملکی خزانہ چند افراد یا گروہوں کی ملکیت نہیں بلکہ یہ سب افراد کی ملکیت ہے، اور اس کے منتظمین امانت داری کے ساتھ اس کی حفاظت کرنے،اس کے ذرائع آمدنی اور مستحق افراد پر اس کو خرچ کرنے کے ذمہ دار ہیں، کسی شخص کے لئے اس پر دست درازی کرنا یا اس سے ناحق مال لینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ خیانت، ظلم اور لوگوں کے مال کو ناحق طریقے سے کھانا ہے۔

اسی طرح اسلام نے عبادت گاہیں،اسکول، ہسپتال، پارک وغیرہ جیسی عمومی املاک کی حفاظت کرنا کا بھی حکم دیا ہے کیونکہ یہ سب کی ملکیت ہیں اور سب کو ان کا نفع پہنچتا ہے اور اسلام نے کسی بھی صورت میں ان کو نقصان پہنچانے یا ضائع کرنے یا تباہ کرنے سے سختی سے منع کیا ہے، ارشاد باری ہے: {وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا} "زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد مت کرو"۔تاکہ بعض لوگ یہ گمان نہ کریں کہ چونکہ ان املاک میں ان کا حق ہے اس لئے ان کے لئے جائز ہے کہ وہ جس طرح چاہیں، جیسے چاہیں ان املاک کا غلط استعمال کریں، یہ سوچ غلط ہے،ان عمومی املاک کی حفاظت کرنا اور ان کی تعمیر وترقی کے لئے کوشش کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے یہ کسی ایک زمانے

میں کسی ایک فرد یا جماعت کی ملکیت نہیں ہیں بلکہ یہ ہم سب کی اور ہماری آئندہ نسلوں کی ملکیت ہیں۔

☆ راستے کی حفاظت کرنا اور اس کے حقوق کو پیش نظر رکھنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "راستوں میں بیٹھنے سے اجتناب کرو، صحابہ کرام نے عرض کی، اے اللہ کے رسول، ہمارے لئے راستوں میں بیٹھنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے ہم راستے میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم راستے میں بیٹھنے کو نہیں چھوڑتے تو پھر راستے کا حق ادا کرو، صحابہ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول، راستے کا حق کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نظر نیچی رکھنا، تکلیف دہ چیز کو دور کرنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا"، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایمان کے ساٹھ سے زائد یا ستر سے زائد شعبے ہیں، ان میں سب سے افضل و اعلی شعبہ لا الہ الا اللہ کہنا، اور سب سے ادنی راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا ہے اور حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے"۔

☆ قومی خدمت کا فریضہ سرانجام دینا، یہ سب سے اہم فریضہ ہے جو ایک انسان اپنے دین اور وطن کی خاطر سرانجام دیتا ہے اور یہ اس کی اپنے وطن سے وفاداری، سچی

وابستگی، اور محبت کی دلیل ہے، ایک مسلمان کے نزدیک وطن اور اس کی عزت وناموس کی اہمیت اس کی اپنی جان، مال، دین، اور عزت سے کم نہیں ہے، قومی خدمت کا فریضہ فرزندان وطن میں مردانگی، خودداری، عزت ووقار اور ان اعلی انسانی اقدار کو پڑوان چڑھاتا ہے جس کی دین متین نے ہمیں تعلیم دی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی، ایک وہ آنکھ جو اللہ کی خوف سے روئی اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کی راہ میں سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے رات گزاری"۔

ریاست کے دوسری ریاستوں یا بیرونی اداروں کے ساتھ طے پانے والے معاہدوں کی پاسداری کرنے کا شمار بھی مصلحت عامہ میں ہوتا ہے جس کی حفاظت کرنا ضروری ہے، کسی بھی فقہی، فکری یا دعوتی اقدام کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی ادارے، اور حاکم وقت یا اس کے قائم مقام افراد کی طرف سے صادر ہو، ان امور پر بات کرنے والے شخص پر لازم ہے کہ وہ بات کرتے ہوئے معاشرتی، قومی اور بین الاقوامی حالات کو پیش نظر رکھے تاکہ ریاست کے متعلق کوئی ایسی شخصی رائے یا فتوی صادر نہ کیا جائے جو موجودہ حالات کے مخالف ہو یا بین الاقوامی قوانین اور معاہدات سے متصادم ہو، اللہ

تعالی نے ہمیں معاہدوں کی پاسداری کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ} "اے ایمان والو! عہد وپیماں پورے کرو"۔ اس آیت کریمہ میں عموم ہے جو دوسروں کے کئے جانے والے ان تمام وعدوں اور معاہدوں کو شامل ہے جن کی انسان پاسداری کرتا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمان اپنی شروط کے پابند ہیں سوائے اس شرط کے جو حلال کو حرام قرار دے یا حرام کو حلال قرار دے"۔

حدیبیہ کے مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان جو معاہدہ طے پایا اس معاہدے کی پاسداری کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو واپس لوٹا دیا تھا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اقدام ایک پہلو سے معاہدے کی پاسداری کرنا اور دوسرے پہلو سے مصلحت عامہ کو مقدم رکھنا تھا۔

فہم وفراست اور شعور وآگہی کے بغیر ملکی حالات پر گفتگو کرنا ریاست کے لئے بہت بڑا خطرہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ چیز ملکی امن وامان اور استحکام کو ایک کھلونہ بنا دیتی ہے کہ جس کا دل کرتا ہے اس سے کھیلتا ہے اور اس کا مذاق اڑاتا ہے اور ایسی باتیں کہتا ہے جس کا اسے علم بھی نہیں ہوتا، آج معاشرے میں سنسنی خیز خبریں پھیلانے والے کس قدر

لوگ موجود ہیں جو اصلاح کی بجائے فتنہ و فساد کو ہوا رہے ہیں اللہ تعالی نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب بھی ہمارے پاس کوئی بات آئے تو ہم اسے اس کے ذمہ داران کی طرف لوٹادیں، ارشاد باری ہے: {وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا} "جہاں انہیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کر دیا، حالانکہ اگر یہ لوگ اسے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے، تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں اور اگر اللہ تعالی کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو معدودے چند کے علاوہ تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے۔

برادران اسلام:

ملکی نظام چند افراد کی توجہات اور دلچسپیوں کی بجائے ساری عوام پر توجہ دیتا ہے اس لئے اس کے متعلق ہر کسی کو گفتگو کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی بلکہ ماہر اور ذمہ داران افراد ہی یہ ذمہ داری سرانجام دیتے ہیں جو ان تمام ذمہ داریوں سے باخبر ہوتے ہیں جن کا تعلق ملکی سلامتی، لوگوں کی زندگی، ان کے مصالح، ملکی قوتوں اور ان کی علاقائی اور

بین الاقوامی حیثیت اوران کے سیاسی، معاشرتی، امنی اور علمی حالات وغیرہ سے ہوتاہے،اور اہل علم کااس بات پر اتفاق ہے کہ جب مجتہد اپنے شعبے میں اجتہاد کرے اور اس سے غلطی ہو جائے تو اس کے لئے ایک اجر ہےاور اگر وہ اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد درست ہو تو اس کے لئے دو اجر ہیں، اور مفہوم مخالفہ اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ اگر کسی شعبے سے ناواقف اور لاعلم شخص اس میں اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد درست بھی ہو تو اس پر ایک گناہ ہے کیونکہ اس نے ایسے شعبے میں گفتگو کرنے اور فتوی دینے کی جسارت کی ہے جس کے بارے میں اسے علم ہی نہیں، اور اگر وہ اجتہاد کرے اور وہ غلط نکلے تو اس پر دو گناہ ہیں، ایک گناہ اس کی غلطی کا اور دوسرا گناہ اس کا بغیر علم کے فتوی دینے کی جسارت کرنے کا، کیونکہ اسلام اہل علم اور ماہر افراد کا احترام کرتا ہے، ارشاد باری ہے: { فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ } "پس اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم علم نہیں رکھتے"۔ اہل ذکر سے مراد ہر علم میں ماہر اور صاحب علم افراد ہیں۔

اسی وجہ سے بغیر علم اور شرعی دلیل کے فتوی دینے میں جلدی کرنے سے منع کیا گیا ہے، ارشاد باری ہے: { فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ } "تو اس سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو اللہ تعالی پر بلا دلیل

جھوٹی تہمت لگائے، تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے یقیناً اللہ تعالی ظالم لوگوں کو راستہ نہیں دکھلاتا"۔ اور ارشاد باری ہے: { وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ * مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ } "کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ لو، سمجھ لو کہ اللہ تعالی پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں۔ انہیں بہت معمولی فائدہ ملتا ہے اور ان کے لئے ہی دردناک عذاب ہے"۔ کبار صحابہ کرام اور تابعین فتوی دینے سے پرہیز کیا کرتے تھے کیونکہ انہیں اس کی سنگینی اور اہمیت کا علم تھا، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "اگر میں نے بغیر علم کے کتاب اللہ کے بارے میں کوئی بات کہی تو کون سا آسمان میرے اوپر سایہ افگن ہوگا اور کون سی زمین میرا بوجھ اپنے اوپر اٹھائے گی؟۔ امام شعبی سے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے کہا مجھے اس کے بارے میں اچھی طرح علم نہیں ہے، آپ کے ساتھیوں نے آپ سے کہا: ہمیں آپ سے شرمی آ گئی، آپ نے کہا لیکن فرشتوں کو اس وقت کوئی شرم نہیں آئی تھی جب انہوں نے کہا تھا: "ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے"۔ اور عبد الرحمن بن

ابی لیلی کہتے ہیں کہ میں نے ایک سو بیس انصاری صحابہ کرام سے ملاقات کی، ان میں سے ایک سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو دوسرے کی طرف لوٹا دیتے اور دوسرا تیسرے کی طرف لوٹا دیتا یہاں تک کہ وہ مسئلہ پہلے صحابی کے پاس واپس لوٹ آتا۔

عام نظام کی حفاظت کرنا ایک مشترکہ ذمہ داری ہے، ہر کوئی اپنی حیثیت اور صلاحیت کے مطابق اس کا ذمہ دار ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا"۔ بہت سے لوگ جو گفتگو کرتے ہیں یا جو کچھ لکھتے ہیں یا سوشل میڈیا پر سرگرم رہتے ہیں وہ اسے معمولی چیز سمجھتے ہیں بلکہ وہ اسے تفریح کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ افواہیں اور من گھڑت باتیں بنا کر انہیں لوگوں کے درمیان پھیلانا ایک ایسا مہلک ہتھیار ہے جسے ہمیشہ سے اہل باطل اہل حق کے ساتھ اپنی کشمکش میں استعمال کرتے رہے ہیں جس کی وجہ سے ایک جسد کی مانند امت اپنے ہی افراد میں سے ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور ایک دوسرے سے خیانت کرتی ہے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آدمی کے لئے یہ جھوٹ ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو آگے بیان کردے"۔

جب انسان کا ہر سنی سنائی بات کو آگے بیان کرنا جھوٹ کی ایک قسم ہے جس پر اس شخص کو آخرت میں سخت سزا دی جائے گی تو اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جو ایسی جھوٹی اور من گھڑت بات کہتا ہے جسے نہ اس نے دیکھا ہے نہ سنا ہے اور نہ ہی اسے اس کے بارے میں کوئی علم ہے ؟۔ کتنی ہی جھوٹی باتیں ہیں جو ہر طرف پھیل جاتی ہیں اور وہ کہنے والے کے لئے روز قیامت عذاب کا سبب بنیں گی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیشک آدمی اللہ کی خوشنودی (کا باعث بننے) والی کوئی بات کہتا ہے جس پر وہ کوئی توجہ نہیں دیتا، اللہ تعالی اس کے ذریعے اس کے درجات کو بلند کر دیتا ہے اور بیشک آدمی اللہ کی ناراضگی (کا باعث بننے) والی کوئی بات کہتا ہے جس پر وہ توجہ نہیں دیتا، اللہ تعالی اس کی وجہ سے اسے جہنم میں پھینک دیتا ہے"۔ یہ حدیث ہم سے تقاضہ کرتی ہے کہ ہم احتیاط اور عقل سے کام لیں اور جس چیز کے بارے میں ہمیں علم نہیں اس کے بارے میں بات کرنے اور بغیر علم کے فتوی دینے سے گریز کریں۔

اللہ تعالی نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم تخریب کاروں کے پیچھے مت چلیں اور اپنے پاس آنے والی ہر بات کی تحقیق اور چھان بین کریں، ارشاد باری ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ} "اے

ایمان والو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچادو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ"۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آہستہ روی اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے"۔

آج ہمیں کس قدر ضرورت ہے کہ ہم عام نظام کی اہمیت اور مصلحت عامہ کو مقدم رکھنے کا شعور اجاگر کریں اور لوگوں کو ان خطرات سے آگاہ کریں جو ہمیں ہر طرف سے گھیر کر دوسروں کی طرح ہمیں بھی تباہ کرنا چاہتے ہیں، ہمیں دوسروں سے نصیحت حاصل کرتے ہوئے دین اور وطن کے دشمنوں کی ان چالوں کو ناکام بنا ہو گا اور اپنے آپ کا متحد رکھنا ہو گا تاکہ ہم اپنے دشمنوں کی چال میں نہ آسکیں، ہمیں اپنے اندر اعتماد کی فضا قائم کرنی چاہیے اور ہمیں ہر اس بھلائی کے کام کے لئے باہمی تعاون کرنا چاہیے جس کے ثمرات سب لوگوں کو نصیب ہو رہے ہو۔

مارکیٹ کے اصول وضوابط اور آداب

اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لئے خرید وفروخت کو جائز قرار دیا ہے تاکہ وہ اپنی ضروریات کو پورا کر سکیں اور اپنے مقاصد تک رسائی حاصل کر سکیں۔ ارشاد باری ہے: {وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا} "اللہ نے سوداگری کو حلال فرمایاہے اور سود کو حرام کیاہے۔

اورازل سے لوگوں کا یہ طریقہ کاررہاہے کہ وہ ایسے بازار لگاتے ہیں یہاں وہ اپنے منافع کا باہمی تبادلہ کرتے ہیں اور ان کے ذریعے اپنی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ قرآن حکیم کی آیات نے آکر اس حقیقت کو بیان کیاہے کہ یہ انسانیت کا ایک امتیازی وصف ہے، ارشاد خداوندی ہے: {وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ} "اور ہم نے آپ سے پہلے رسول نہیں بھیجے مگر وہ کھانا بھی یقینا کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے"۔

اور قرآن کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مشرکین کی اس بات کو بیان فرمایاہے: "اور انہوں نے کہا کہ اس رسول کو کیا ہوا ہے، یہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

اور اصحاب کہف کے واقعہ میں اللہ کریم ان کی حالت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: {فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِنْهُ} "سو تم اپنے میں سے کسی ایک کو اپنا یہ سکہ دے کر شہر کی طرف بھیجو پھر وہ دیکھے کہ کون سا کھانا زیادہ حلال اور پاکیزہ ہے تو اس میں سے کچھ کھانا تمہارے پاس لے کر آئے"۔

اور یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ بازار حقیقی اسلام کی عملی تشکیل کا ایک انتہائی اہم مظہر ہے۔ اگر آپ کسی شخص کی طرزِ زندگی میں عبادت کا اثر دیکھنا چاہیں تو بازار چلے جائیں۔ اور اگر آپ کسی شخص کے حقیقی دیندار ہونے یا اس کے ظاہری دیندار ہونے کا فیصلہ کرنا چاہیں تو آپ خرید وفروخت جیسے معاملات میں اس شخص کے حالات کو جاننے کی کوشش کریں۔

اسی وجہ سے جب ایک آدمی نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس گواہی دی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تجھے نہیں جانتا اور میرا تجھے نہ جاننا تجھے کوئی نقصان نہیں دیتا، پس تم ایسے شخص کو لے کر آؤ جو تجھے جانتا ہو، لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: میں اس کو جانتا ہوں، آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم اسے کسی چیز سے جانتے ہو؟ اس نے کہا: عدل وانصاف اور فضل واحسان کی وجہ سے، آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ

آپ کا قریبی ہمسایہ ہے جس کی خلوت وجلوت اور باہر آنا جانا تم جانتے ہو ؟اس شخص نے کہا: نہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ آپ کے ساتھ درہم اور دینار کا معاملہ کرتا ہے جن سے شخص کی پرہیزگاری پر استدلال کیا جاتا ہے ؟اس شخص نے کہا: نہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ سفر میں آپ کا ساتھی جس سے اچھے اخلاق پر استدلال کیا جاتا ہے ؟اس شخص نے کہا: نہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم اس کو نہیں جانتے، اور پھر آپ نے اس شخص سے کہا: تم اسے شخص کو لے کر آؤ جو تم کو جانتا ہو۔

خرید وفروخت کے معاملات حقیقی دینداری کو جھوٹی دینداری یا ظاہری دینداری سے جدا کر دیتے ہیں اور ان کے ذریعے ظاہری دینداری یا حقیقی دینداری واضح ہو جاتی ہے۔

زبان سے اللہ کا ذکر کرنے والے کتنے ہی ہیں جو صرف اس لئے ذکر کرتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو دھوکہ دے سکیں حالانکہ وہ اللہ کے ذکر سے سب سے زیادہ دور ہوتے ہیں۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے ریاکاری اور ظاہری شہرت کے طور پر دین کا لبادہ اوڑھا ہوا ہے تاکہ وہ اسے مال ودولت حاصل کرنے کا ذریعہ بنا سکیں اور لوگوں کی دین سے محبت اور اہل دین پر اعتماد کا سہارا لیتے ہوئے اپنے سامان کو فروغ دے سکیں۔

ان نقلی صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ بعض ایسے ناموں کا اطلاق کیا جاتا ہے جو ان مسمیات پر لاگو بھی نہیں ہوتے اور ان کا مقصد صرف لوگوں کو دیندار ہونے کا دھوکہ دینا اور دین کے نام پر تجارت کرنا ہے تاکہ مال ودولت حاصل کیا جاسکے حالانکہ حقیقت میں صورتحال اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے، ایسا کرنے والا شخص اپنے دین کو بھی نقصان پہنچاتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں بھی اسلام کی منفی تصویر پیش کرتا ہے۔ارشاد باری ہے: {وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ * وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ} "اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس کی گفتگو دنیاوی زندگی میں تجھے اچھی لگتی ہے اور وہ اللہ کو اپنے دل کی بات پر گواہ بھی بناتا ہے، حالانکہ وہ سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔اور جب وہ واپس لوٹتا ہے تو زمین میں بھاگ دوڑ کرتا ہے تاکہ اس میں فساد انگیزی کرے اور کھیتیاں اور جانیں تباہ کردے،اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا"۔

اسلام نے بازاروں کے چند آداب اور اصول وضوابط مقرر کئے ہیں جن سے ایک مسلمان کا خرید وفروخت کے وقت مزین ہونا ضروری ہے۔اور وہ چند آداب اور اصول وضوابط یہ ہیں:

1-اللہ کا ذکر کرنا اور خوف خدا کو پیش نظر رکھنا: ایک مسلمان ہر حال میں اللہ کے ذکر کی پابندی کرتا ہے۔ اللہ کا ذکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور اعضاء بدنیہ سے بھی۔ بازار کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ایک دعا ہے جو ہر مسلمان کو کہنی چاہیے ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے بازار میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھی: ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، ساری بادشاہی اسی کے لئے ہے، تمام تعریفیں اسی ذات کے لئے ہیں، وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، وہ زندہ ہے اسے موت نہیں آئے گی، ساری بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، تو اللہ تعالی اس کے لئے دس لاکھ نیکیاں لکھ دے گا، اس کے دس لاکھ گناہ مٹادے گا اور اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنائے گا"۔

اور ہم اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ اللہ کا ذکر صرف زبان سے نہیں ہوتا، بیشک حلال کو تلاش کرنے اور حرام سے دور رہنے میں خوف خدا کو پیشِ نظر رکھنے سے بھی اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔

2-سچ بولنا اور جھوٹ سے بچنا: اصل تو یہ ہے کہ ایک مسلمان ہر حال میں سچ بولتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ} " اے ایمان والوں اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ"۔

اور ان حالات میں سے ایک حالت بازار میں خرید وفروخت کے وقت کی حالت ہے۔ ایک مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے سامان کو رواج دینے کے لئے جھوٹ بولے۔ سامان کو یہ جھوٹا رواج دینا دُنیا میں برکت کے ختم ہونے اور آخرت میں اللہ کی رحمت سے محروم ہونے کا سبب بنتا ہے۔ اور گناہ اس وقت مزید بڑا ہو جاتا ہے جب اس کا نفس اسے اس بات پر اکسائے کہ وہ دوسرے کے مال کو حلال سمجھتے ہوئے جھوٹی قسم اٹھائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "دو خرید وفروخت کرنے والوں کو اس وقت تک اختیار ہے جب تک وہ دونوں جدا نہ ہو جائیں، پس اگر انہوں نے سچ بولا اور سامان

کی وضاحت کر دی تو ان کی خرید وفروخت میں ان کے لئے برکت ڈال دی گئی اور اگر انہوں نے کسی عیب کو چھپایا اور جھوٹ بولا تو ان کی خرید وفروخت سے برکت ختم کر دی گئی"، اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا ایک اور فرمان ہے: "تین آدمی ایسے ہیں کہ روزِ قیامت اللہ تعالی نہ تو ان سے کلام فرمائے گا اور نہ ہی اس کی طرف نظرِ رحمت فرمائے گا: ایک وہ آدمی جس نے سامان پر قسم اٹھائی جس کی وجہ سے اسے اس کی قیمت سے زیادہ پیسے ادا کئے گئے حالانکہ وہ جھوٹا تھا، اور دوسرا وہ آدمی جس نے جھوٹی قسم اٹھائی تاکہ وہ اس کے ذریعے ایک مسلمان شخص کا مال حاصل کر سکے، اور تیسرا وہ آدمی ہے جس نے دوسرے کو ضرورت سے زائد پانی نہ دیا تو اللہ تعالی فرمائے گا: آج میں تم سے اپنے فضل کو روک لوں گا جیسے تم نے اس زائد چیز کو روک لیا جسے تیرے ہاتھوں نے تیار نہیں کیا تھا"، اور ایک روایت میں ہے کہ "جھوٹی قسم کے ذریعے اپنے سامان کو فروغ دینے والا"، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جن نے ایسی قسم اٹھائی جس میں وہ جھوٹا ہے تاکہ وہ مسلمان شخص کا مال حاصل کر سکے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ اس پر غضب ناک ہو گا"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے فرمایا کرتے تھے: "خرید وفروخت میں زیادہ قسمیں اٹھانے سے بچو، یہ سامان کو فروغ دیتی ہیں اور برکت کو ختم کر دیتی ہیں"۔

3- اسی طرح امانتداری، باہمی رضامندی اور ملاوٹ نہ کرنا بھی اصول وضوابط اور آداب میں سے ہے۔ امانتداری خرید وفروخت میں مکمل وضاحت کا تقاضا کرتی ہے تاکہ دونوں فریقین کے درمیان مکمل رضامندی حاصل ہو سکے، ارشاد خداوندی ہے: {إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَـٰرَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ} "مگر یہ کہ وہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا: "جب تم کوئی سامان خریدو تو اسکو ناپ تول کر لو اور جب تم کوئی سامان فروخت کرو تو ناپ تول کر دو"، سائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو صحابہ میرا ذکر کرنے لگے اور میری تعریف کرنے لگے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تم سے بہتر جانتا ہوں" یعنی میں سائب کو تم سے زیادہ جانتا ہوں، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر

قربان ہوں آپ نے سچ فرمایا: آپ میرے ساتھ شراکت دار تھے اور آپ بہت ہی اچھے شراکت دار ہیں، آپ نہ تو دھوکہ دیتے ہیں اور نہ ہی بحث ومباحثہ کرتے ہیں"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوفِ خدا کو پیشِ نظر نہ رکھنے والے مردہ ضمیر لوگ کو متنبہ کیاہے اور ہر اس شخص کو بھی متنبہ کیاہے جس کے خبیث نفس نے اسے لوگوں کو دھوکہ دینے اور ملاوٹ جیسے باطل طریقے سے ان کا مال کھانے پر اکسایاہے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "جس نے ہم سے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں یعنی وہ ہمارے طریقے پر نہیں ہے"۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراکت داروں کو اس بات کی طرف متوجہ کیا ہے کہ امانت اور صداقت ہی ان کے درمیان شراکت داری کی بنیاد ہے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "اللہ تعالی فرماتاہے: میں دو شراکت داروں کا تیسرا ساتھی ہو جب تک ان دونوں میں سے ایک اپنے ساتھی سے خیانت نہ کرے اور جب اس نے خیانت کی تو میں ان دونوں کے درمیان سے نکل جاتاہوں"۔

4-اسی طرح ترازو اور پیمانے میں کمی نہ کرنا بھی بازار کے آداب میں سے ہے، تطفیف کا معنی ہے لوگوں سے اپنا حق وصول کرتے وقت پورا پورا ناپ تول کرنا اور ان کا حق

ان کو دیتے وقت ناپ تول میں کمی کرنا، اور آج کل لوگ جن مختلف پیمانوں کے ساتھ معاملات کرتے ہیں انہیں اس پیمانے اور ترازو پر قیاس کیا جائے گا، اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ترازو کو عدل وانصاف کے ساتھ پورا کرنے کا حکم دیا ہے، ارشاد خداوندی ہے: {وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا}، "اور ناپ تول پورا رکھا کرو جب تم ناپو اور جب سیدھے ترازو سے تولا کرو، یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی خوب تر ہے"۔

اور اس میں کمی کرنے والے کو وعید سنائی ہے: {وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ * الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ * وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ} " بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے۔ یہ لوگ جب دوسرے لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو ان سے پورا لیتے ہیں۔ اور جب انہیں خود ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں"۔

اللہ کے نبی شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو لوگوں کو چیزوں گھٹا کر دینے اور پیمانے اور ترازو میں کمی کرنے سے ڈرایا ہے جیسا کہ قرآن کریم نے اس کو بیان فرمایا ہے، ارشاد خداوندی ہے: {وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ

بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ} "اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا انہوں نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کیا کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آچکی ہے سو تم ناپ اور تول پورے کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد بپا نہ کیا کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ماننے والے ہو"۔

5- اسی طرح بازار کے آداب میں سے ہے کہ دوسروں کے حقوق پر زیادتی نہ کی جائے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو اپنے بھائی کی خرید وفروخت پر خرید وفروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے: "تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی خرید وفروخت پر خرید وفروخت نہ کرے" اور ایک روایت میں ہے "وہ اپنے بھائی کی خرید وفروخت پر خرید وفروخت نہ کرے اور نہ ہی وہ اپنے بھائی کے سودے پر سودا کرے یہاں تک کہ وہ اسے اجازت دے دے یا اس چیز کو ترک کردے"۔ اور یہ خرید وفروخت کے بہت اعلی آداب میں سے ہے اور وہ شخص جو چیز خریدنا چاہتا ہے اسے اس کی قیمت کو زیادہ نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اسے اپنے

بھائی کے سامان سے لوگوں کو متنفر کرنا چاہیے کہ وہ اس کے عیب بیان کرے تاکہ وہ اپنا سامان فروخت کر سکے۔

6- دوسروں کے حقوق پر زیادتی کی ایک صورت ذخیرہ اندوزی ہے جو لوگوں کے رزق سے کھیلنے کے مترادف ہے اور ملک اور لوگوں کے لئے نقصان کا باعث بنتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "ایک غلط کار شخص ہی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے"، اور ذخیرہ اندوز ایک ایسا شخص ہے جس پر اس کی انانیت غالب آ جاتی ہے اور وہ ایثار وقربانی پر اپنی ذاتی ترجیح کو اختیار کرتا ہے اور وہ اس بات کو بھول جاتا ہے کہ ذخیرہ اندوزی اور اپنے مال سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے ذریعے وہ جو زیادہ نفع حاصل کرتا ہے وہ حرام مال ہے اور یہ حرام مال دنیا میں اس کے لئے تباہی اور آخرت میں لعنت اور رحمتِ خداوندی سے محرومی کا سبب ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "جس شخص نے مسلمانوں پر ان کے سامان خورد ونوش کو روکے رکھا تو اللہ تعالی اسے کوڑھی جیسی بیماری اور مفلسی میں مبتلا کر دے گا" اور دوسری جگہ آپ کا فرمان ہے: "جس شخص نے چالیس دن تک سامان خورد ونوش کو روکے رکھا تو وہ اللہ تعالی سے بری ہے اور اللہ

تعالی اس سے بری ہے،اور کسی ایک گھرانے میں بھی کوئی ایک شخص بھی بھوکا رہاتواللہ تعالی ان سے بری الذمہ ہے"۔

اور ہم اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ بازاروں کی نگرانی کرنا ریاست کے عمومی اختیارات میں شامل ہے۔ پیداوار سے ناجائز فائدہ اٹھانے، ذخیرہ اندوزی اور ملاوٹ جیسے تمام جرائم کو روکنے کے لئے متعین اداروں کے ساتھ تعاون کرنا فرض ہے کیونکہ اس منفی صورتحال کو ختم کرنا معاشرے کے لئے نفسیاتی امن وامان برقرار رکھنے میں بڑااہم کردار ادا کرتا ہے اور معیشت کو ترقی دینے، قومی اور بین الاقوامی سطح پر نمایاں مقام حاصل کرنے اور اشیاء میں مہارت حاصل کرنے میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اور ملاوٹ کا ملکوں کی معیشت کو تباہ و برباد کرنے میں بڑااہم رول ہے۔

اور ہم اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ بازاروں کی نگرانی کرنا اور ان پر نظر رکھنا ان افراد کے لئے ایک بہت بڑی امانت اور ذمہ داری ہے جنہیں یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے۔اور اللہ تعالی ہر شخص کواس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھے گا کہ کیااس نے اس ذمہ داری کی حفاظت کی یااس کو ضائع کردیا۔

برادرانِ اسلام:

لوگوں کا اپنے کھانے پینے اور ضروریات کو پورا کرنے میں پُرامن ہونا ایک ایسا انسانی اور معاشرتی مسئلہ ہے جو انسانی حقوق میں سرفہرست ہے کیونکہ جب تک انسان اپنے کھانے پینے اور علاج ومعالجہ میں پُرامن نہیں ہوگا اس وقت تک ایک باعزت زندگی کا تصور ناممکن ہے۔ ملاوٹ اور ذخیرہ اندوزی جیسی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے کوششوں کا متحد ہونا ضروری ہے بالخصوص جب ملاوٹ اور ذخیرہ اندوز کا تعلق اشیاء خوردونوش اور علاج ومعالجہ کے ساتھ ہو تو اس وقت کوششوں کا متحد ہونا اور بھی زیادہ ضروری ہوجاتا ہے۔

ایک تاجر جو اپنے دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والا ہے، اس کی نماز، روزہ وغیرہ جیسی عبادات کا اثر اس کی سچائی اور امانتداری میں ظاہر ہوتا ہے۔ بہت سے روزے دار ایسے ہیں جنہیں اپنے روزے سے صرف بھوک پیاس ہی ملتی ہے اور بہت سے رات کو اٹھ کر قیام کرنے والے ایسے ہیں جنہیں اپنے رات کے قیام سے صرف تھکاوٹ اور بیدار رہنا ہی نصیب ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صادق وامین تاجر کے بلند مقام ومرتبے کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: " صادق اور امین تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ

ہو گا"، آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے: "سب سے پاکیزہ کمائی ان تاجروں کی کمائی ہے جو جب بات کرتے ہیں تو جھوٹ نہیں بولتے، جب انہیں کے پاس کوئی امانت رکھی جاتی ہے تو وہ خیانت نہیں کرتے، جب وعدہ کرتے ہیں تو وعدہ خلافی نہیں کرتے، جب کوئی چیز خریدتے ہیں تو اس میں عیب نہیں نکالتے، جب کوئی چیز فروخت کرتے ہیں اس کی بے جا تعریف نہیں کرتے، جب ان پر کوئی قرض ہو تو ٹال مٹول سے کام نہیں لیتے اور جب ان کا کسی پر قرض ہو تو اس کو تنگ اور پریشان نہیں کرتے"۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی خبر دی ہے: کہ سچا تاجر اس دن اللہ تعالی کے عرش کے سائے میں ہو گا جس دن اللہ کے سایہ رحمت کے سوا کوئی سایہ نہیں ہو گا، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: " سچا تاجر روزِ قیامت عرش کے سائے کے نیچھے ہو گا"۔

آج ہمیں اس بات کی کتنی اشد ضرورت ہے کہ ہم سب عمومی اور جامع مصلحت کی خاطر باہمی تعاون کریں تاکہ ہم سب اس کا پھل حاصل کریں۔

باہمی کام کا جذبہ اور اس کے قواعد و ضوابط

بیشک قومیں باتوں اور نعروں سے نہیں بنتیں بلکہ قومیں علم، کارکردگی اور قربانی سے بنتی ہیں، قوموں کی تعمیر و ترقی کی سب سے اہم راہ سنجیدہ اور پختہ کام ہے، ارشاد خداوندی ہے : {وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَسَتُرَدُّونَ إِلَى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ} "اور تمہارا عمل اللہ دیکھے گا اور اس کا رسول بھی پھر تم ہر پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو وہ تمہیں ان تمام اعمال سے خبر دار فرمادے گا جو تم کیا کرتے تھے"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ جب تم سے کوئی شخص کوئی کام کرے تو اسے پختہ کرے"، دین اور وطن ہم سے محنت، کوشش، کام اور پیداوار کا تقاضہ کرتا ہے اور بالخصوص جب کہ ہمارا دین ہی کام کو پختگی سے کرنے کا دین ہے۔

جب ایک فرد معاشرے کی تعمیر میں بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے تو اس تعمیر و ترقی میں اس کا کردار معاشرے کے دوسرے افراد کے ساتھ مل کر کام کرنے کے ذریعے ہی مکمل ہوگا، ایک انسان تنہا بعض کام تو سر انجام دے سکتا ہے لیکن جب اس کی فکر کو

دوسرے شخص کی فکر اور اس کی محنت و کوشش کو دوسرے شخص کی محنت و کوشش کے ساتھ ملا دیا جائے گا تو یقین بڑی عظیم اور نفع بخش کامیابی حاصل ہو گی، اسی لئے اسلام نے باہمی کام کی قدر و منزلت کو بیان کیا ہے اور اسے ملکوں اور تہذیبوں کی تعمیر کی اہم بنیاد قرار دیا ہے کیونکہ اس میں ان مشترکہ مقاصد کے حصول کے لئے صلاحیتوں کو بروئے کار لانا، ارادوں کو متحد کرنا اور باہمی تعاون کرنا ہے جو تمام لوگوں کے لئے بھلائی کا باعث بنتے ہیں، ارشاد خداوندی ہے: {وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ} "نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور برائی اور ظلم پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون مت کرو"۔

قرآن کریم میں غور و فکر کرنے والا شخص ملاحظہ کرتا ہے کہ ایک گروہ کی حیثیت سے ذمہ داریوں کو ادا کرنے اور باہمی کام کرنے کی ترغیب دینے والی آیات بہت زیادہ ہے، حق سبحانہ وتعالی نے اپنی عبادت کا حکم دینے کے بارے میں فرمایا: {يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ} "اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ"۔

نماز جو کہ دین کے عظیم ترین شعائر میں شمار ہوتی ہے اس کے بارے میں فرمایا: "اور نماز قائم کرو"۔ان آیات میں اللہ نے اپنے بندوں کو جمع کے صیغے کے ساتھ خطاب کیا ہے۔ {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ} "اے ایمان والو! رکوع کرو، اور سجود کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور نیکی کرو تاکہ تم فلاح پاجاؤ"۔

اللہ کریم نے اپنے نبی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: {وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا} "اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ رہنے روکے رکھیے جو صبح وشام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اس کی رضا کے طلب گار رہتے ہیں اور آپ کی نگاہیں ان سے نہ ہٹیں، کیا آپ دنیوی زندگی کی آرائش چاہتے ہیں اور آپ اس شخص کی اطاعت نہ کریں جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور اپنی ہوائے نفس کی پیروی کرتا ہے اور اس کا حال حد سے گزر گیا ہے"۔

اور ہمیں فرقہ واریت سے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: {وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ} "اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

بیشک اس باہمی جذبے کے ساتھ ذمہ داریاں اور کام سرانجام دینا ایک معاشرے کے افراد کے درمیان باہمی الفت ومحبت، مودت اور بھائی چارے کے رشتے کو مضبوط کرتا ہے اور ان کے بارے میں اللہ تعالی کا یہ فرمان صادق آتا ہے: {وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً} "بیشک تمہاری یہ امت ایک امت ہے"۔

اور ان پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان صادق آتا ہے: "مومنین باہمی محبت ومودت، رحم دلی اور شفقت میں ایک جسم کی مانند ہیں جب اس کا ایک حصہ تکلیف کی شکایت کرتا ہے تو سارا جسم بے خوابی اور بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے"۔

جب ایک دانا بزرگ نے اپنے بیٹوں کو اتحاد کی اہمیت اور اس کا قوت کا سبب ہونے اور گروہ بازی اور اس کا پھوٹ اور تباہی کا سبب ہونے کے بارے میں بتانے کا ارادہ کیا تو وہ لکڑیوں کی ایک گٹھڑی لے کر آیا اور کہا: تم میں سے کون اس گٹھڑی کو ایک یا دو

جھٹکوں سے توڑ سکتا ہے، ان میں سے ہر ایک نے کوشش کی مگر کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکا، اس نے لکڑیوں کی گٹھڑی کو کھولا اور انہیں اپنے بیٹوں پر تقسیم کیا اور ہر ایک کو ایک لکڑی دی جو اس نے ایک ہی جھٹکے میں توڑ دی تو اس نے کہا: لکڑیاں جب اکٹھی ہوں تو وہ ٹوٹنے سے انکار کرتی ہیں اور جب وہ بکھر جائیں تو ایک ایک کر کے ٹوٹ جاتی ہے۔

قرآن کریم نے ہمارے لئے بہت عمدہ مثالیں بیان کی ہیں جو باہمی کام کی ترغیب دیتی ہیں، اس پر ابھارتی ہے اور یہ واضح کرتی ہیں کہ بڑے بڑے مقاصد کو حاصل کرنے میں اس کا کیا کردار تھا، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جب اللہ تعالی نے خانہء کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا تو وہ اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے پاس گئے اور اسے کہا: "بیشک اللہ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے، اس نے کہا: تیرے رب نے تجھے جو حکم دیا ہے اسے پورا کریں، انہوں نے کہا: اور تم میری مدد کروگے، اس نے کہا: میں آپ کی مدد کروں گا، آپ نے کہا: اللہ نے مجھے اس جگہ پر ایک گھر تعمیر کرنے کا حکم دیا ہے تو اس وقت دونوں نے مل کر اس گھر کی بنیادیں اٹھائیں، اسماعیل علیہ السلام پتھر لے کر آتے تھے اور ابراہیم علیہ

السلام تعمیر کرتے تھے، پس دونوں نے مل کر لوگوں کی عبادت کے لئے سب سے پہلے بنائے گئے گھر کی تعمیر کیا۔

قرآن کریم نے اس عظیم منظر کو اس فرمان الہی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے: { وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ } "اور جب ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام خانہ ء کعبہ کی بنیادیں اٹھارہے تھے (تو دونوں دعا کر رہے تھے) کہ اے ہمارے رب ! تو ہم سے یہ قبول فرمالے، بیشک تو خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے"۔

سورت الکہف کے اندر ذوالقرنین کے واقعہ میں ہمارا رب ہمارے لئے باہمی جذبے کے ساتھ مل جل کر کام کرنے اور باہمی تعاون کی اعلی ترین مثال بیان کرتا ہے، جب یہ عادل بادشاہ ایک ایسی قوم کے پاس پہنچا جسے وہ نہیں جانتا اور نہ ہی وہ اسے جانتے ہیں تو انہوں نے آپ سے مدد طلب کی، اس نے اس کی درخواست پر لبیک کہا اور اور ان پر یہ لازم قرار دیا کہ وہ اس کے ساتھ تعاون کریں گے، اس نے انہیں کام میں شریک کیا اور ان کی صلاحیتوں کو بروئے کار لایا، وہ سب اس عظیم تعمیر تک متحد تھے جو انہیں یاجوج وماجوج کی اذیت سے محفوظ رکھنے کا سبب تھی، اس بارے میں اللہ کریم ارشاد

فرماتا ہے: {حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِن دُونِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا * قَالُوا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَن تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا * قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا * آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انفُخُوا حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ آتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا * فَمَا اسْطَاعُوا أَن يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا} "انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین! بیشک یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد برپا کرتے ہیں تو کیا ہم آپ کے لئے اس شرط پر کچھ خراج مقرر کردیں کہ آپ ہمارے اوران کے درمیان ایک بلند دیوار بنادیں۔اس نے کہا: مجھے میرے رب نے اس بارے میں جو اختیار دیا ہے وہ بہتر ہے، تم اپنی قوت وطاقت سے میرے مدد کرو، میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا۔ تم مجھے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لادو، یہاں تک کہ جب اس نے دونوں چوٹیوں کے درمیان برابر کردی تو اس نے کہا: اب پھونکو، یہاں تک کہ جب اس نے اس لوہے کو آگ بناڈالا تو اس نے کہا: میرے پاس لاؤ میں اس پر پگھلا ہوا تانباڈالوں گا۔ پھر ان (یاجوج اور ماجوج) میں نہ اتنی طاقت تھی کہ وہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ اتنی قدرت پاسکے کہ اس میں سوراخ کردیں"۔

کلیم اللہ موسی علیہ السلام اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اس کے بھائی ھارون علیہ السلام کے ذریعے انہیں تقویت دے تاکہ وہ اللہ کی طرف سے سونپی جانے والی ذمہ داری میں ان کے مددگار ثابت ہوں، اس بارے میں اللہ کریم سیدنا موسی علیہ السلام کی زبان پر ارشاد فرماتا ہے: {قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي * وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي * وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي * يَفْقَهُوا قَوْلِي * وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِنْ أَهْلِي * هَارُونَ أَخِي * اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي * وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي * كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا * وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا * إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا} "(موسی علیہ السلام نے) عرض کی: اے میرے رب میرے لئے میرا سینہ کشادہ فرمادے۔ اور میرے لئے میرا کام آسان فرمادے۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔ کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔ اور میرے گھر والوں میں سے میرا ایک وزیر بنادے۔ وہ میرا بھائی ہارون ہو۔ اس کے ذریعے میرے کمرِ ہمت مضبوط فرمادے۔ اور اسے میرے کام میں شریک بنادے تاکہ ہم کثرت سے تیری تسبیح کیا کریں۔ اور ہم کثرت سے تیرا ذکر کیا کریں"۔

اسی طرح جو شخص سیرتِ طیبہ میں غور وفکر کرتا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اپنے صحابہ کرام کے ساتھ شرکت، باہمی کام اور باہمی تعاون کی روشن

مثالیں ملاحظہ کرتا ہے، سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "اللہ کی قسم ہم سفر و قیام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام کم اور زیادہ چیز کے ساتھ ہمارے ساتھ ہمدردی کیا کرتے تھے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تعمیری کام میں بھی بذاتِ خود ان کے ساتھ شرکت کرتے تھے، اور انہیں اجتماعیت کو قائم رکھنے اور فرقہ واریت سے بچنے کی تعلیم دیتے تھے، یومِ خندق کے بارے میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے غزوہ احزاب کے دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں مٹی اٹھاتے ہوئے دیکھا کہ مٹی نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے پیٹ کی سفیدی کو چھپا رکھا ہے اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام فرما رہے ہیں: "اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تم ہم نہ ہدایت پاتے، نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے، اے اللہ! ہمارے سکون واطمینان عطا فرمایا اور اگر ہمارا دشمن سے مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ، بیشک انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے اور انہوں نے فتنہ پیدا کرنا چاہا ہے جس کا ہم نے انکار کر دیا ہے"۔

اور جب سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے تین سو کھجور کے پودے لگانے کا ارادہ کیا تاکہ وہ ان کے ذریعے اپنے آپ کو غلامی سے آزاد کرائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے صحابہ کو فرمایا: (اپنے بھائی کی مدد کرو)۔ سلمان فارسی فرماتے ہیں: انہوں نے کھجور کے پودوں کے ذریعے میری مدد کی، ایک آدمی تیس کھجور کے پودے لے کر آرہا ہے، ایک بیس پودے لے کر آرہا ہے، ایک پندرہ لے کر آرہا ہے اور ایک اپنے استطاعت کے مطابق لے کر آرہا ہے یہاں تک کے میرے پاس تین سو پودے جمع ہو گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان کے لئے زمین کھودنے کا حکم دیا اور فرمایا: "جب اس سے فارغ ہو جاؤ تو میرے پاس آنا، میں انہیں اپنے ہاتھوں سے رکھوں گا"، انہوں نے کہا: میں نے ان کے لئے زمین کھودی اور میرے ساتھیوں نے میری مدد کی یہاں تک کہ جب میں اس سے فارغ ہوا تو میں نے آکر آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو بتایا، آپ علیہ الصلاۃ والسلام میرے ساتھ اس طرف گئے، اور ہم کھجور کے پودے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے قریب کرتے تھے اور آپ اپنے دستِ اقدس سے اسے زمیں میں رکھتے تھے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اشعری قبیلہ کے لوگوں کو دیکھا کہ مشکل ترین حالات میں بھی ان کے تصرفات اور اور ان کے کاموں میں باہمی کام کی روح ان پر غالب ہے تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: "اشعری

قبیلہ کے لوگوں کا جب کسی جنگ میں زادِ راہ ختم ہو جائے یا شہر میں ان کے اہلِ خانہ کا کھانا کم پڑ جائے تو وہ اپنے پاس سامانِ خورد ونوشت کو ایک کپڑے میں جمع کریں گے اور پھر اسے آپس میں ایک برتن کے ذریعے برابر برابر تقسیم کرلیں گے، پس وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں"۔

برادرانِ اسلام:

جس باہمی کام کے لئے ہم جد وجہد کر رہے ہیں اس سے مراد وہ کام ہے جو ملکی تعمیر کا سبب بنتا ہے، تخریب کاری نہیں کرتا، لوگوں کو متحد کرتا ہے، انہیں فرقہ واریت میں تقسیم کرتا ہے، اور وہ یا تو معاشرے کے افراد کے درمیان باہمی کفالت جیسی شرعی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے یہاں ان میں کوئی بھوکا اور ضرورت مند شخص نظر نہیں آتا، یا وہ علماء کی علمی تحقیقات میں ان کے باہمی تعاون اور طالبعلموں کی تعلیمی اور عملی دریافتوں میں ان کے باہمی تعاون پر قائم ہوتا ہے یا پھر وہ تمام شعبوں میں ملکی تعمیر وترقی کے لئے قومی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔

اس سے مراد وہ کام نہیں ہے جو ایسے تخریب کاری کی دعوت پر قائم ہو جو لوگوں کو قتل، تخریب کاری، خون بہانے پر جمع کرتی ہے اور وطنوں کو تباہ کرنے اور ان کو کمزور کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

جس باہمی کام کی ہم دعوت دے رہے ہیں اس سے مراد وہ تعمیری کام ہے جو دین یا وطن یاانسانیت کی بہتری کے لئے ہو کیونکہ یہ چیزیں لازم وملزوم ہیں جو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتیں، آج ہم کس قدر ضرورت ہے کہ ہم اس جذبہ کو اپنے اولاد کے دلوں میں پختہ کریں اور اسے ایک طرزِ حیات میں تبدیل کریں جس کے مطابق وہ زندگی گزاریں اور ایک ہی معاشرے کے افراد کے درمیان باہمی محبت ومودت کی فضا قائم ہو اور ہم ہر شعبے میں اپنی امت کو اس مقام تک لے کر جائیں جو اس کے شایانِ شان ہو۔

اور ہم اس بات کی یقین دہانی کراتے ہیں کہ جب عالمِ اسلامی کے درمیان باہمی کام کی روح غالب ہو گی تو وہ ایسے ایسے کام سرانجام دے گی جسے دوسرے لوگ ناممکن سمجھتے رہے ہونگے، ماضی اور دورِ حاضر میں واقع حال، تجربہ اور مشاہدہ اس کی بہترین دلیل ہے۔

مصیبت وآزمائش کو دور کرنے کے ظاہری و باطنی اسباب اور حاکمِ وقت کی اطاعت کا وجوب

مخلوق کے اندر آزمائش کا پیدا ہونا قانون قدرت ہے، ارشاد باری تعالی ہے: {إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا} "بیشک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے آزمائش کے لئے پیدا کیا اور اس کو سنتا دیکھتا بنانا"۔

اللہ تعالی نے آزمائش اور مصیبت کو دور کرنے کے ظاہری و باطنی اسباب پیدا کئے ہیں، یہاں تک ظاہری اسباب کا تعلق ہے جن کو آخری حد تک اختیار کرنا ضروری ہے تو اس سے مراد علم کے اسباب، ماہرین کی احتیاطی تدابیر، سرکاری اداروں سے صادر ہونے والی تعلیمات اور ہدایات کو نافذ کرنا ہے، حاکمِ وقت، اس کے نمائندوں اور اس کی نمائندگی کرنے والے قومی اداروں کی اطاعت واجب ہے، ارشاد باری تعالی ہے: {وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ} "فرمانبرداری کرو اللہ تعالی کی اور فرمانبرداری کرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی"۔

{ فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لاتَعْلَمُونَ } "اور اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ علم سے پوچھ لو"۔

اہلِ ذکر سے مراد ہر شعبے کے ماہرین ہیں، اسی لئے ملک کے کسی ادارے پر اس کے اختصاص کے شعبے میں افتراء پردازی نہ کرنا ایک شرعی فریضہ ہے۔

ظاہری اسباب میں سے ایک سبب صفائی کا اہتمام کرنا ہے، اسلام نے صفائی کا بہت اہتمام کیا ہے، اور انسان کو بیماریوں اور نقصانات سے بچانے کے لئے اسے ایک شرعی ضرورت قرار دیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے : {إِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِینَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ} "بیشک اللہ تعالی توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، اور وہ پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صفائی نصف ایمان ہے"، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "اپنے صحنوں کو صاف رکھو"، اور یہ صحن، گھر، اسکول، مدرسہ، کارخانہ، گلیاں بازار، سڑکیں اور میدانوں وغیرہ کو شامل ہے، اسی طرح اسلام نے ہر وضو کے وقت دونوں ہاتھ دھونے کا خصوصی اہتمام کیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: {یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ

وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا} "اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منہ کو، اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو، اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کرلو"۔

اور دونوں ہاتھوں کہنیوں سمیت دھونا وضو کے فرائض میں شمار ہوتا ہے، مستزاد یہ کہ وضو شروع کرتے وقت دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دھونا سنت ہے جس کے بعد منہ میں کلی کی جاتی ہے، اور ناک میں پانی ڈال کر اسے صاف کیا جاتا ہے، پھر چہرہ دھویا جاتا ہے، پھر دوبارہ دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونے کا فرض ادا کیا جاتا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کے اسے تین مرتبہ دھولے"، اسی طرح کھانا کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھوں کو دھونا مستحب ہے، یہ سب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سائنس اور مذہب میں کوئی تعارض نہیں ہے، انسان کی صحت کی حفاظت تمام ادیان کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہ ضرر پہنچے اور نہ ضرر پہنچایا جائے"، بیماریوں اور وباؤں کے پھیلانے سے بچنے کے لئے

تمام تر احتیاطی تدابیر کی پیروی کرنا ضروری ہے، جن میں گلے نہ ملنا، بوسہ نہ لینا، مصافحہ کم کرنااور اجتماعات سے دور رہنا شامل ہے۔

اور ہم اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ بحرانوں اور مشکل حالات میں لوگوں کی حقیقت اوران کے اخلاق کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے، ہم سب کو چاہیے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ رحم دلی کا مظاہرہ کریں، ذاتی ترجیح، اور انانیت سے دور رہیں، اور بائع و مشتری کی طرف سے کی جانے والی ہر قسم کی ذخیرہ اندوزی اور انانیت اور ذاتی ترجیح سے دور رہیں، تاکہ طلب ورسد کے توازن میں خلل پیدا نہ ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صرف خطاکار شخص ہی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے"، اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے کہ : "ذخیرہ اندوزی کرنے والا شخص ملعون ہے"، اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا کہ : "تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے"۔

برادرانِ اسلام:

یہاں تک باطنی اسباب کا تعلق ہے جو ہمیشہ ہمارے نصب العین ہونے چاہیے تو وہ درج ذیل ہیں:

☆اللہ پر توکل کرنا: ارشاد باری تعالی ہے: {فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ} " اور اللہ پر توکل کرو، بیشک اللہ تعالی توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔

اور توکل اسباب اختیار کرنے کے منافی نہیں ہے، ایک آدمی نے عرض کی اے اللہ کے رسول، کیا میں اپنے اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں، یا اس کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "اس کو باندھ اور توکل کر"، اس وقت ہم پر لازم ہے کہ ہم صحت وعافیت کے تمام تر اسباب اور معتمد علمی تدابیر اختیار کریں، اور پھر سارا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں جو ہر چیز کی بادشاہی کا مالک ہے، اور یہی توکل ہے۔

☆ اللہ کی بارگاہ میں عاجزی وانکساری اور دعا کرنا: ارشاد باری تعالی ہے: {فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا} " سو جب ان کو ہماری سزا پہنچی تھی تو انہوں نے عاجزی کیوں نہیں اختیار کی؟"۔

آج ہمیں کس قدر شدید ضرورت ہے کہ ہم اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑائیں کہ وہ ملکوں، بندوں اور تمام انسانیت سے اس وبا کو دور کردے، اور یہ کہ اس موقعہ کو غنیمت جان کر اللہ کی بارگاہ میں رجوع کریں اور اس کے ساتھ اپنے تعلق مضبوط کریں۔

☆انسان اللہ کے ذکر سے اپنی حفاظت کرے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "جو بندہ ہر صبح وشام تین مرتبہ کہتا ہے کہ "بسم اللہ الذی لایضر مع اسمہ شیٔ فی الارض ولا فی السماء وھوالسمیع العلیم"، "اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جس کے نام کے ساتھ زمین وآسمان میں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچاتی، اور وہ سننے والا جاننے والا ہے، تواسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچاتی"، اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے کہ: "جس شخص نے کسی جگہ قیام کیا اور پڑھا کہ "اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق لا یضرہ شیٔ"، "میں اللہ کے کامل کلام کے ذریعے اس کی پیدا کردہ مخلوق کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، تواسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی یہاں تک وہ اپنی جگہ سے کوچ کر جائے"۔

☆صدقہ کرنا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے اموال کی زکوۃ کے ذریعے حفاظت کرو، اپنے بیماروں کا صدقے کے ذریعے علاج کرو، آزمائش اور مصیبت کے لئے دعا کرو"۔

اسباب اختیار کرنا قانونِ قدرت ہے

اللہ تعالی نے نظامِ کائنات چلانے کے لئے اصول وضوابط اور قوانین مقرر کئے ہیں جس بنا نہ تو کوئی پیچھے والی چیز آگے والی چیز پر سبقت لے جاسکتی ہے اور نہ ہی کوئی آگے والی چیز پیچھے والی چیز سے مؤخر ہو سکتی ہے، ارشاد خداوندی ہے: {لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ} "نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے، اور سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں"۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: {فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا} "سو آپ اللہ کے دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائیں گے، اور آپ اللہ کے دستور کو کبھی منتقل ہوتا ہوا نہ پائیں گے"۔ اور اللہ تعالی نے ان قوانین کو ایک میزان قرار دیا ہے جو نظامِ زندگی کو منظم کرتا ہے اور زمین کی آبادکاری اور حفاظت کا باعث بنتا ہے جو کہ تخلیق کا سب سے اہم مقصد ہے، ارشاد خداوندی ہے: {هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا} "اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی نے اس زمین میں تمہیں بسایا ہے"۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: {وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا} "اور روئے زمین پر، اس کے بعد کہ اس کی درستی کر دی گئی، فساد مت

پھیلاؤ"۔ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جن قوموں نے قدرت کے قوانین کی حقیقت کو جانا اور اس کے تقاضے کے مطابق عمل کیا انہوں نے ترقی کر کے دنیا کی قیادت کی، اگرچہ وہ غیر مسلم قومیں ہی کیوں نہ تھیں، بلکہ اگرچہ وہ کسی بھی دین پر ایمان نہیں رکھتی تھیں، کیونکہ یہ قوانین کسی کی طرف داری نہیں کرتے۔

اور قدرت کے قوانین میں سے ایک قانون اسباب اختیار کرنا ہے، اللہ تعالی نے اسباب اور مسببات کو پیدا کیا اور ہمیں اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا، پس جب اسباب پائے جائیں تو نتائج بھی حاصل ہونگے، اور یہ ایک اٹل قانون ہے جو ہر زمان و مکاں میں تمام مخلوق پر نافذ ہوتا ہے، ہر چیز کا ایک سبب ہوتا ہے، آگ جلانے کا سبب ہے، قتل موت کا سبب ہے، بیج کاشت کرنا زراعت کا سبب ہے، کھانا کھانا شکم سیری کا سبب ہے، محنت وکوشش کامیابی کا سبب ہے اور سستی وکاہلی ناکامی کا سبب ہے۔

زمیں پر محنت وکوشش کرنا ایک شرعی اور قومی فریضہ ہے، ارشاد خداوندی ہے: {هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ} "وہ ذات جس نے تمہارے لئے زمین کو پست ومطیع کر دیا تاکہ تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو اور اس کے رزق سے کھاؤ اور اسی کی طرف (تمہیں) جی کر اٹھ کھڑا ہونا

ہے"۔اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: {فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ} "پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور بکثرت اللہ کا ذکر کیا کرو تا کہ تم فلاح پالو"۔ اسلام میں محنت و کوشش اور جِد و جُہد کرنے کا یہی مفہوم ہے، اگر ہم ترقی کی راہ پر گامزن ہونے سے پیچھے رہ جاتے ہیں تو ہمارے پاس ان جھوٹے دعووں کی بنا پر کوئی حجت نہیں ہے جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ تہذیب و تمدن میں پیچھے رہ جانے اور سستی و کاہلی پر مبنی دعوے ہیں۔

جو شخص انبیاء کرام اور سلف صالحین کی زندگیوں میں غور و فکر کرتا ہے وہ اس حقیقت کا ادراک کر سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کے تمام معاملات میں اسباب اختیار کرنے میں محنت و کوشش سے کام لیا، سیدنا نوح علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے، اپنی قوم کو ایک طویل عرصہ تک حق کی دعوت دینے کے بعد اللہ تعالی نے آپ کو ایک کشتی تیار کرنے کا حکم دیا، ارشاد باری ہے: {وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ} "اور ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے تیار کر اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کر وہ پانی میں ڈبو دیے جانے

والے ہیں"۔حالانکہ یہ بھی ممکن تھا کہ اللہ تعالی بغیر کسی سبب اور محنت کے اپنی قدرت کے ذریعے آپ کو نجات دلادیتا، لیکن اللہ تعالی نے نوح علیہ السلام کو کشتی تیار کرنے کا حکم فرما کر ہمیں تعلیم دی کہ کس طرح اسباب اختیار کئے جاتے ہیں، سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم کی تکمیل کرتے ہوئے کشتی تیار کرنا شروع کی اور اپنی قوم کے مذاق اڑانے کے باوجود کوئی کوتاہی اور سستی کا مظاہرہ نہ کیا، ارشاد باری ہے:
{ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ قَالَ إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ } "وہ کشتی بنانے لگے ان کی قوم کے جو سردار ان کے پاس سے گزرتے وہ ان کا مذاق اڑاتے، وہ کہتے اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم بھی تم پر ایک دن ہنسیں گے جیسے تم ہم پر ہنستے ہو"۔ آپ علیہ السلام نے اپنا کام جاری رکھا یہاں تک کہ اللہ تعالی نے آپ کو اور آپ کی قوم میں سے مومنون کو نجات دینے کی صورت میں انعام عطا فرمایا۔

اور سیدنا داود علیہ السلام لوہے کا کام کیا کرتے تھے، یہ پیشہ اللہ تعالی نے آپ کو سکھایا تھا اور اس کے ثمرات اور فوائد آپ کو اور لوگوں کو حاصل ہوتے تھے، ارشاد باری ہے:
{ وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلًا يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ * أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ } "اور ہم نے داود پر اپنا فضل کیا، اے پہاڑو!

اس کے ساتھ رغبت سے تسبیح پڑھا کرو اور پرندوں کو بھی (یہی حکم ہے) اور ہم نے اس کے لئے لوہا نرم کر دیا۔ کہ تم پوری پوری زِرہیں بناؤ اور جوڑوں میں اندازہ رکھو اور تم سب نیک کام کرو بیشک میں تمہارے اعمال دیکھ رہا ہوں"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کسی شخص نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کبھی کوئی کھانا نہیں کھایا، اور اللہ کے نبی داود علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھانا کھاتے تھے"۔

اور یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں بھی اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ اسباب اختیار کرنا اور پختہ منصوبہ سازی کرنا مہلک قحط سالی اور زبردست خطرے سے نجات کا ذریعہ ہے، اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام نے اسباب اختیار کئے اور پوری دنیا کو اپنے گھیرے میں لینے والی قحط سالی سے اپنے ملک کو بچانے کے لئے ایک سوچی سمجھی اور طویل منصوبہ سازی کی جس بنا پر ان کے ملک کو اقتصادی قوت حاصل ہوئی اور اس قدر خوشحالی کا دور دورہ ہوا کہ دور دراز علاقوں سے لوگ خیرات لینے کے لئے مصر آئے، اللہ تعالی نے اس واقعہ کو قرآن مجید میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: {قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا حَصَدتُّمْ فَذَرُوهُ فِي سُنبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَأْكُلُونَ * ثُمَّ يَأْتِي مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تُحْصِنُونَ * ثُمَّ يَأْتِي مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ

النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ} "یوسف نے جواب دیا کہ تم سات سال تک پے در پے لگاتار حسبِ عادت غلہ بویا کرنا، اور فصل کاٹ کر اسے بالیوں سمیت ہی رہنے دینا سوائے اپنے کھانے کی تھوڑی سی مقدار کے۔ اس کے بعد سات سال نہایت سخت قحط کے آئیں گے وہ اس غلے کو کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لئے ذخیرہ رکھ چھوڑا تھا، سوائے اس تھوڑے سے کے جو تم روک رکھتے ہو۔ اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں لوگوں پر خوب بارش برسائی جائے گی اور اس میں (شیرہ انگور بھی) خوب نچوڑیں گے"۔

اور اسی طرح سیدۃ مریم علیہا السلام جن کے پاس اللہ کی طرف سے اس قدر وافر مقدار میں رزق آتا تھا کہ اللہ کے نبی زکریا علیہ السلام نے تعجب و حیرانگی کا اظہار کیا، اس واقعہ کو قرآن مجید میں ذکر کرتے ہوئے اللہ کریم نے فرمایا: {كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ} "جب کبھی زکریا (علیہ السلام) ان کے حجرے میں جاتے ان کے پاس روزی رکھی ہوئی پاتے، وہ پوچھتے اے مریم! یہ روزی تمہارے پاس کہاں سے آئی؟ وہ جواب دیتیں کہ یہ اللہ تعالی کے پاس سے ہے، بے شک اللہ تعالی جسے چاہے بے شمار روزی دے"۔ اور قرآن مجید میں دوسرے مقام پر اللہ تعالی نے مریم علیہا السلام کی

کمزوری اور شدت الم کے باوجود ان کو حکم دیا کہ وہ کھجور کے تنے کو ہلائیں تا کہ اس پر تروتازہ کھجوریں گریں، اگر اللہ تعالی بغیر کسی سبب کے کھجوریں گرانا چاہتا تو گرا سکتا تھا، لیکن اس نے ہمیں اسباب اختیار کرنے اور محنت و کوشش کرنے کی تعلیم دی، ارشاد باری ہے: {وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا} "اور اس کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، یہ تیرے سامنے تروتازہ پکی کھجوریں گرادے گا"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سفرِ ہجرت میں اسباب اختیار کرنے کی اعلی ترین مثال قائم کی، اور اپنی امت کو تعلیم دی کہ پختہ منصوبہ سازی اور مضبوط تنظیم سازی کرنا کامیاب ہونے اور آزمائشوں سے نکلنے کے لئے بہت ضروری ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سواریاں تیار کیں، امانت دار ساتھی کا انتخاب فرمایا، سفرِ ہجرت پر نکلنے کے لئے مناسب وقت اور جگہ کا تعین فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر کو ساتھ لے کر ان کے گھر سے رات کے وقت نکلے، آپ نے ایک ماہر راہنما کا انتخاب فرمایا کیونکہ آپ اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ کسی کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنا اور قابلیت کو مقدم رکھنا ضروری ہے، اگرچہ وہ شخص افکار و نظریات اور عقائد میں آپ کے مخالف ہی کیوں نہ ہو، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسباب اختیار کرتے ہوئے عامر بن

فہیرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے نشانات مٹانے کے لئے ان کے قدموں کی پیروی کرتے ہوئے چلے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اللہ تعالی آپ کا اور آپ کے ساتھی کا نگہبان ہے، لیکن اس کے باوجود آپ نے اسباب اختیار کئے تاکہ آپ اپنی امت کو تعلیم دیں کہ ان کائنات میں قانونِ قدرت اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ اسباب کو اختیار کیا جائے اور اس کے بعد معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔

برادرانِ اسلام:

اسباب اختیار کرنا اللہ پر توکل کے منافی اور متعارض نہیں ہے، جس شخص نے توکل کی حقیقت کو جان لیا وہ اسباب کو اختیار کرنے میں بقدرِ استطاعت کوشش کرے گا، اللہ کی ذات پر حقیقی توکل کرنے والا اسباب اختیار کرتا ہے، اپنی استطاعت کے مطابق کوشش کرتا ہے اور پھر سارا معاملہ اللہ کی ذات کے سپرد کر دیتا ہے، ارشاد باری ہے: {إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ} "ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں"۔ اللہ پر توکل کی عملی تطبیق کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "اگر تم اللہ تعالی پر اس طرح توکل کرو جس طرح اس پر توکل

کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح رزق دے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیتا ہے، جو صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ واپس لوٹتے ہیں"، پرندے کوئی کھانا پینا اپنے پاس ذخیرہ نہیں کرتے، لیکن وہ رزق کی تلاش میں محنت و کوشش میں سستی و کوتاہی بھی نہیں کرتے، وہ صبح سویرے رزق کی تلاش میں نکلتے ہیں اور شام کو اس حال میں واپس لوٹتے ہیں کہ اللہ تعالی نے انہیں اس قدر رزق دیا ہوتا ہے جو ان کے آنے جانے کے لئے کافی ہوتا ہے، رزق کی تلاش میں نکلنا ایک انسانی فطرت ہے جو نظامِ کائنات سے بالکل مماثلت رکھتی ہے،اور اگر پرندوں کے پاس اتنا رزق بھی ہوتا جو ان کو عمر بھر کافی ہوتا تو وہ پھر بھی سستی و کاہلی کا شکار نہ ہوتے، بلکہ ہر صبح اپنے رزق کی تلاش میں نکلتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو تمام معاملات میں اسباب اختیار کرنے کے حقیقی مفہوم کی تعلیم دیتے تھے اور بغیر کسی نفع کے نقصان کا باعث بننے والے مصنوعی توکل سے منع کرتے تھے، اور اگر ہم یہ بات کہیں تو مبالغہ آرائی نہیں ہو گی کہ ہم تعمیر و ترقی کے اسباب اختیار نہ کرکے گناہ کر رہے ہیں اور اپنے اوپر اور اپنی اولاد پر ظلم کر رہے ہیں، ہمارا دین علم، تعمیر و ترقی، تہذیب و تمدن، خوبصوتی اور تمام لوگوں کے

نفع کا دین ہے، ایک آدمی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول، میں اپنی اونٹنی کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں یا اس کو باندھ کر توکل کرو؟، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کو رسی سے باندھ اور توکل کر"، اونٹنی کو باندھنا اسے اپنے پاس باقی رکھنے کے لئے اسباب اختیار کرنا ہے اور اس کو کھلا چھوڑ دینا اس کے چوری ہونے یا ضائع ہونے کا باعث ہے۔

عقیدے اور عمل میں نرمی ورواداری کے مظاہر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا آفاقی دین لے کر تشریف لائے جس نے نرمی و آسانی کو ضابطہ حیات قرار دیا، چنانچہ نہ تو دین میں کوئی تنگی ہے، نہ شرعی احکامات میں کوئی مشقت ہے، اور نہ ہی کوئی سختی، ارشاد باری ہے: { وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ } "اور تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: "بیشک دین آسان ہے، اور جو شخص بھی دین میں سختی کرے گا تو یہ دین اس پر غالب آ جائے گا، پس تم راہِ راست کی طرف راہنمائی کرو، قربتیں پیدا کرو، خوشخبریاں سناؤ اور صبح و شام اور رات کی تھوڑی سی تاریکی میں اللہ سے مدد مانگو"، اسلامی شریعت میں نرمی ورواداری صرف قول یا نعرے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک عقیدے کا نام ہے جس کے مطابق مسلمان زندگی گزارتا ہے اور اسے ضابطہ حیات سمجھتا ہے، اسی طرح یہ ایک قانون ہے جس کے مطابق معاملات کرنے کا اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے، اور اسے اپنی خوشنودی، بخشش اور رحمت کا ذریعہ قرار دیا ہے، ارشاد باری ہے: { وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ } "اور انہیں

معاف کر دینا چاہیے اور در گزر کرنا چاہیے، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالی تمہارے قصور معاف فرمادے؟"۔

جبکہ ہم اس کام کے لئے تگ ودو کر رہے ہیں کہ نرمی وروادی مسلمانوں کی زندگی میں ایک طرزِ عمل کی صورت اختیار کر لے، کیونکہ اسلام نے نرمی کو عملی طور پر نافذ کرنے کی دعوت دی ہے، اللہ تعالی قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اپنے بندوں کو عفوودر گزر کرنے کا حکم دیتا ہے، ارشاد باری ہے: {وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ} "نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ معاملات میں نرمی ورواداری کو عملی طور پر نافذ کیا، آپ اپنی امت اور تمام لوگوں کے لئے بہترین اسوہ ہیں، آپ کا فرمان ہے کہ: "بیشک میں اللہ کی طرف سے عطا کی گئی رحمت ہوں"، اور سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: "جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزوں میں اختیار دیا گیا تو آپ نے زیادہ آسان چیز کو اختیار کیا بشرطیکہ وہ

گناہ نہ ہو، اور اگر وہ گناہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ اس سے دور رہتے"۔

ہم میں سے ہر ایک کو اپنے آپ سے سوال کرنا چاہیے کہ کیا ہم اس عقیدہ کو اپنی زندگیوں میں نافذ کرتے ہیں ؟، کیا ہم لوگوں کے معاملات کرتے ہوئے اسے طرزِ عمل کو اختیار کرتے ہیں ؟، نرمی و رواداری ایک نہایت ہی اعلی طرزِ عمل ہے جسے مسلمانوں کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں نافذ کرنا چاہیے جن میں چند پہلوؤں کا ہم یہاں ذکر کرتے ہیں:

☆ ازدواجی تعلق میں نرمی و رواداری: ازدواجی تعلق انسانیت کا اعلی ترین تعلق شمار ہوتا ہے، اور یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، اور اللہ تعالی نے بیان فرمایا ہے کہ یہ تعلق محبت و مودت، رحمت اور حسنِ صحبت پر قائم ہوتا ہے، ارشاد باری ہے : {وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً} "اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے آرام پاؤ اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی"۔ دوسری جگہ پر ارشاد باری ہے: {وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ

اللّٰهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا} "ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بودوباش رکھو، گو تم انہیں ناپسند کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو، اور اللہ تعالی اس میں بہت ہی بھلائی کردے"۔ اور ارشاد باری ہے: {وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ} "اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حق ہیں جیسے ان پر مردوں کے ہیں اچھائی کے ساتھ"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھروالوں کے ساتھ اچھا ہے، اور میں اپنے گھروالوں کے ساتھ سب سے زیادہ اچھا ہوں"، اور اکثر اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت کرتے ہوئے فرماتے کہ: "کوئی مومن مرد کسی مومن عورت سے نفرت نہ کرے، اگر وہ اس سے ایک اخلاق ناپسند کرتا ہے تو وہ اس سے دوسرا اخلاق پسند کرے گا"، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وفات سے پہلے عورتوں کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ: "عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو"۔

نرمی ورواداری کو میاں بیوی کے درمیان دوطرفہ طرزِ عمل اور زندگی کو منظم کرنے والے انسانی قانون کی حیثیت اختیار کرنی چاہیے، ابودرداء رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو

کتنی خوبصورت بات کہی کہ جب تم مجھے غصے کی حالت میں دیکھو تو مجھ سے راضی رہنا اور جب میں تجھے غصے کی حالت میں دیکھوں گا تو میں تجھ سے راضی رہوں گا۔

☆ہمسایوں کے ساتھ نرمی وروداری: ارشاد باری ہے: {وَاعۡبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشۡرِكُوا بِهٖ شَيۡـئًا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِي الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡجَارِ ذِي الۡقُرۡبٰى وَالۡجَارِ الۡجُـنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَـنۡۢبِ} "اور اللہ تعالی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کرو اور رشتہ داروں سے یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے"۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ہمسایوں کے بارے میں نصیحت کیا کرتے تھے،آپ کا فرمان ہے کہ: "جبریل علیہ السلام مجھے ہمسایوں کے بارے حکم دیتا رہا یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ اسے وراثت میں حصہ دار بنادے گا"،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: " جو شخص اللہ تعالی اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسایے کی عزت کرے"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اللہ کی قسم وہ ایمان نہیں لایا، اللہ کی قسم وہ ایمان نہیں لایا، اللہ کی قسم وہ ایمان نہیں لایا)، عرض کی گئی، اے اللہ کے رسول، کون ایمان نہیں لایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جس کے شر سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہیں

)، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ : "اللہ کے ہاں سب سے اچھا دوست وہ ہے جو اپنے دوست کے ساتھ اچھا ہے، اور اللہ کے ہاں سب سے اچھا پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لئے اچھا ہے"، آپ کا فرمان عالیشان ہے کہ : "وہ مومن ہی نہیں جو اس حال میں رات گزارے کہ اس کے پڑوس میں اس کا پڑوسی بھوکا ہو"۔

اسی طرح کام، یونیورسٹیز اور اسکولوں میں دوستوں کے درمیان بھی نرمی اور رواداری عام ہونی چاہیے، تمام لوگوں کے باہمی تعلق کو بیان کرتے ہوئے قرآن کریم میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: {يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ} "اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے اور قبیلے بنا دیئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں اور صحابہ کرام کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آتے، آپ ان کے کاموں کی تعریف کرتے، بیمار کی عیادت کرتے، غائب شخص کی خبر گیری کرتے، غریبوں پر صدقہ کرتے، ان کے قرض ادا کرتے، ان کی ضروریات پوری کرتے، اور ان کی غلطیوں کو معاف کرتے، ارشاد باری

تعالی ہے : {فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ} "اللہ تعالی کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، سو آپ ان سے در گزر کریں اور ان کے لئے استغفار کریں اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں"۔

☆ راستوں اور ذرائع آمد ورفت میں نرمی ورواداری: بعض اوقات انسان کو راستے یا گاڑی وغیرہ میں دوسری شخص سے کسی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ بعض لوگ سخت گیر اور اکھڑ مزاج ہوتے ہیں، بعض نرمی طبیعت کے مالک ہوتے ہیں، بعض مضبوط ہوتے ہیں اور بعض کمزور، بعض میں برداشت کی صلاحیت ہوتی ہے اور بعض میں برداشت کی صلاحیت نہیں ہوتی، کتنا ہی اچھا ہو کہ انسان ان تمام قسم کے لوگوں کے ساتھ نرمی ورواداری سے پیش آئے اور ادب ونرمی سے انہیں جواب دے، ارشاد باری ہے: {وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا} "اور رحمن کے (سچے) بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے"۔اور نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ : "تم جنت میں داخل نہیں ہونگے یہاں تک کہ ایمان لاؤ، اور تم ایمان نہیں لاؤ گے حتی کہ آپس میں محبت کرو، کیا میں تمہاری ایسی چیز کی طرف راہنمائی نہ کروکہ اگر تم اسے کروگے تو تم آپس میں محبت کرنے لگو گے ؟، آپس میں سلام کو عام کرو"، اسی طرح راستوں اور گاڑیوں میں بزرگوں، کمزوروں اور عورتوں کے لئے مخصوص جگہوں کے متعلق قوانین کا بھی احترام کرنا چاہیے اور لوگوں کے احساسات کا خیال رکھنا چاہیے اور ان سے نرمی سے پیش آنا چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیشک جس چیز میں نرمی ہوتی وہ اسے خوبصورت بنادیتی اور جس چیز سے یہ نکال لی جاتی ہے اسے عیب دار بنادیتی ہے"۔

☆خوش دلی سے مال خرچ کرنا: اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کی دلیل ہے، اور اس آدمی کی پرہیزگاری اور استقامت کی دلیل ہے، اس سے مومن کی پہچان ہوتی ہے، دلوں میں الفت پیدا ہوتی ہے اور انسان نیکی کے درجے کو پالیتا ہے، ارشاد باری ہے : {لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ} "جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز سے اللہ تعالی کی راہ میں خرچ نہ کروگے ہر گز بھلائی نہ پاؤگے"۔ غریبوں ومسکینوں پر خرچ کرنا انسان کی رحم دلی اور اس کے اعلی اخلاق پر دلالت کرتا ہے، نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: "سخی شخص اللہ کے قریب ہے، جنت کے قریب ہے، لوگوں کے قریب ہے اور دوزخ سے دور ہے"۔

☆ خرید وفروخت اور قرض کا مطالبہ کرنے میں نرمی اور رواداری سے کام لینا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کریم اس شخص پر رحم فرمائے گا جو خرید وفروخت اور قرض کا مطالبہ کرتے وقت نرمی و رواداری کا مظاہرہ کرتا ہے"، عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جوان اونٹ فروخت کیا اور پیسوں کا مطالبہ کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی، اے اللہ کے رسول، مجھے میرے اونٹ کی قیمت ادا کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جی بالکل، اور میں تجھے نئے اعلی دراھم ادا کروں گا، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا قرض بڑے احسن انداز میں ادا کیا، اور ایک اور اعرابی نے آکر عرض کی اے اللہ کے رسول، میرا جوان اونٹ مجھے واپس کرو، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس سے زیادہ عمر کا ایک اونٹ دیا، اس نے کہا، اے اللہ کے رسول، یہ اونٹ میرے جوان اونٹ سے زیادہ اعلی وعمدہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگوں میں سب سے اچھا شخص وہ ہے جو قرض اچھے طریقے سے ادا کرے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس کام کی ترغیب دی ہے جو نرمی ورواداری کا باعث بنے، لوگوں کے درمیان باہمی الفت اور بھائی چارے کی فضا قائم کرے، جیسا کہ تنگدستوں سے در گزر کرنا یا پھر انہیں مہلت دینا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ : "جس شخص نے تنگدست آدمی کو مہلت دی، یا اس سے قرض کو معاف کر دیا تو اللہ تعالی اسے اپنا سایہ رحمت عطا فرمائے گا"، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " ایک آدمی لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے غلام کو کہتا کہ جب تم کسی تنگدست کے پاس جاؤ تو اس سے در گزرر کرنا، شاید اللہ تعالی ہم سے در گزر فرمائے، پس جب وہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو اللہ تعالی نے اسے معاف فرما دیا"۔

برادرانِ اسلام:

نرمی و رواداری کا سب سے بڑا اور آسان مظہر اچھی بات کہنا ہے، ارشاد باری ہے: {وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا} "اور لوگوں سے اچھی بات کہو"۔ اور ارشاد باری ہے: {وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ} "اور میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بہت ہی اچھی بات منہ سے نکالا کریں"۔ رنگ، نسل اور اعتقاد کے امتیاز کے بغیر تمام لوگوں

سے اچھی بات کہنی چاہیے کیونکہ یہ چیز انسان کی اچھی تربیت اور اچھے اخلاق کی دلیل ہے، مقولہ ہے کہ "حسنِ اخلاق آسان چیز، خندہ پیشانی اور نرمی گفتگو کا نام ہے"۔

اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ فرعون کے تکبر اور سرکشی کے باوجود اس سے نرم بات کریں، ارشاد باری ہے: {اذْهَبَا إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى * فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى} "تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی سرکشی کی ہے۔ اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے"۔ اور اسی طرح ہر فضول بات سے پرہیز کرنا چاہیے، ارشاد باری ہے: {وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ} "اور جو لغویات سے منہ موڑ لیتے ہیں"۔ اور ارشاد باری ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا} "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "بیشک بندہ اللہ کی خوشنودی کی کوئی بات کہتا ہے جس پر وہ کوئی توجہ نہیں دیتا، اللہ تعالی اس کے ذریعے اس کے درجات بلند کر دیتا ہے، اور کوئی بندہ اللہ کی ناراضی کی کوئی بات کہتا ہے جس پر وہ توجہ نہیں دیتا، اللہ تعالی اس کی وجہ سے اسے جہنم میں پھینک دیتا ہے"۔

اسی طرح ہر قسم کی بیہودہ بات سے بھی پرہیز کرنا چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومن نہ تو برا بھلا کہنے والا ہے، نہ طعنہ زنی کرنے والا ہے، نہ فحش گوئی کرنے والا ہے اور نہ ہی گھٹیا بات کرنے والا ہے"۔

نرمی تشدد اور بے توجہی کا درمیانی درجہ ہے، جبکہ تشدد اور بے توجہی دونوں انتہا پسندی ہے اور اسلام کے اس معتدل منہج سے دور ہے جو نرمی، آسانی اور رواداری کی تمام صورتوں کو شامل ہے اور انتہا پسندی، غلو اور افراط و تفریط کی تمام صورتوں کی نفی کرتا ہے۔

قوموں کی ترقی میں آداب عامہ کی اہمیت

متمدن قومیں اور ترقی یافتہ ممالک آداب عامہ کو اپنا ضابطہ حیات قرار دیتے ہیں، یہ آدابِ عامہ نہ تو زندگی میں ثانوی درجہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور نہ ہی یہ انسانی اخلاق و اقدار کی لڑی سے الگ ہوتے ہیں، بلکہ یہ آداب اس دینِ اسلام کی تعلیمات کے ساتھ متفق ہیں جس نے کچھ ایسے آدابِ عامہ کی بنیاد رکھی ہے جو انسان کا اپنے رب کے ساتھ اور ساری کائنات کے ساتھ تعلق کو مربوط کرتے ہیں۔

ان میں سے چند آداب ہم یہاں ذکر کرتے ہیں:

☆ صفائی: اسلام نے جسم، کپڑے اور جگہ کی پاکیزگی کا اہتمام کیا ہے، ارشاد باری ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ} "اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منہ کو، اور اپنے ہاتھوں کو کُہنیوں سمیت دھولو اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو، اور

اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کر لو، ہاں اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی حاجت ضرورت سے فارغ ہو کر آیا ہو، یا تم عورتوں سے ملے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لو، اسے اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر مل لو اللہ تعالی تم پر کسی قسم کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ اس کا ارادہ تمہیں پاک کرنے کا اور تمہیں اپنی بھرپور نعمت دینے کا ہے، تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو"۔ اور ارشاد باری ہے : {وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ} "اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھیں"۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :"جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ وہ اسے تین مرتبہ دھولے"،اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"تم دو قابل لعنت کاموں سے بچو"، صحابہ نے عرض کی،اے اللہ کے رسول،وہ دو قابل لعنت کام کیا ہیں،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"لوگوں کے راستہ میں یا ان کے سایہ کی جگہ قضاء حاجت کرنا"۔

اسلام نے حسی اور معنوی صفائی کے درمیان ربط قائم کیا ہے اور حسی صفائی کو معنوی صفائی کا سبب قرار دیا ہے، جب انسان اپنے جسم کی صفائی کا اہتمام کرے گا تو یہ اس کے گناہوں کی بخشش کا سبب بنے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب بندہ

مومن وضو کرتا ہے اور اپنے چہرے کو دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ، یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ اس کے چہرے سے وہ تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں جن کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا ہے، اور جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ، یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ اس کے ہاتھوں سے وہ تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں جو اس کے ہاتھوں نے کئے ہوتے ہیں، اور جب وہ اپنے قدموں کو دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ، یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ اس کے قدموں سے وہ تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں جن کی طرف وہ اپنے قدموں سے چل کر گیا ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک صاف ہو کر نکلتا ہے"، جس طرح اسلام نے شخصی نظافت کا اہتمام کیا ہے اسی طرح اس نے نظافتِ عامہ کا بھی اہتمام کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ : " اپنے صحنوں کو پاک صاف رکھو"، اور یہ حدیث گھر، اسکول، کارخانہ، کلب اور عوامی پارکوں کے صحنوں کو شامل ہے، اور اسی طرح یہ حدیث راستوں اور میدانوں وغیرہ کو بھی شامل ہے، اس لئے ان کی حفاظت کرنا، ان کو بہترین حالت پر رکھنا، ان کی صفائی کا اہتمام کرنا اور ان میں کوئی نامناسب چیز لے کر نہ آنا ضروری ہے۔

☆ قوانین کا احترام: ہر معاشرے کے لئے کچھ قوانین و ضوابط کا ہونا ضروری ہے جو افراد کی طرزِ زندگی کو منظم کریں، انسان کے حقوق کی حفاظت کریں اور اس کے ذمہ واجبات کا اسے پابند بنائیں، تاکہ وہ مصلحتِ عامہ حاصل ہو سکے جس سے سارا معاشرہ مستفید ہو، ترقی یافتہ ممالک اور معاشروں کے حالات پر غور و فکر کرنے والا شخص اس حقیقت کو یقینی طور پر جانتا ہے کہ وہ ممالک اور معاشرے آج جس مقام پر کھڑے ہیں وہ صرف اور صرف قوانین کے احترام اور ان کے نفاذ کی پابندی کی بدولت ہے، کیونکہ یہ چیز دوسرے کے حقوق کے احترام اور فرض کے مقابل حق کو عملی شکل دیتی ہے اور اس چیز کی عملی تصویر پیش کرتی ہے کہ انسان دوسرے کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرے جس طرح وہ پسند کرتا ہے کہ دوسرے اس کے ساتھ معاملہ کریں، اور یہ ایمانِ کامل کی علامت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہو "، اور سب افراد اس ذمہ داری کے پابند ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہو گا، پس امام محافظ ہے اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہو گا اور مرد اپنے گھر والوں کا محافظ ہے

اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہو گا، اور عورت اپنے خاوند کے گھر کی محافظہ ہے اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال کیا جائے گا، اور نوکر اپنے مالک کے مال کا محافظ ہے اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال کیا جائے گا"، قوانین کا احترام اور اصول و ضوابط کی پابندی کے ذریعے معاشرے میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو گا، بھائی چارے اور محبت و مودت کی فضا قائم ہو گی اور معاشرے کو امن و سلامتی اور استحکام نصیب ہو گا۔

☆عوامی ذوق کا لحاظ رکھنا: اسلام نے لوگوں کے ہاں متفق علیہا قواعدِ عامہ کے مطابق اور لوگوں کے عرف کا احترام کرتے ہوئے ہر اس چیز کی ترغیب دی ہے جو انسانی سلوک کو مہذب بنائے، خیالات کو عروج بخشے اور دلوں میں الفت پیدا کرے، دینِ متین نے ہر اس پاکیزہ چیز کو برقرار رکھا جو لوگوں کے ہاں نفرت کا باعث نہ بنے اور ہر اس ناپاک چیز کو حرام قرار دیا جو ان کے لئے نقصان کا باعث بنے، ارشاد باری ہے: {الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ} "جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات و انجیل میں

لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ ان کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں"۔

عوامی ذوق کو مدِ نظر رکھنے کا تقاضہ ہے کہ انسان اپنے لباس اور کھانے پینے میں میانہ روی اختیار کرے اور شرعا ناپسندیدہ فضول خرچی اور نامناسب ظاہری وضع قطع سے پرہیز کرے، ارشاد باری ہے: {یَا بَنِیْ آدَمَ خُذُواْ زِیْنَتَکُمْ عِندَ کُلِّ مَسْجِدٍ وکُلُواْ وَاشْرَبُواْ وَلاَ تُسْرِفُواْ إِنَّهُ لاَ یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ} "اے اولادِ آدم! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔ اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو۔ بے شک اللہ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔ اور اسی طرح انسان ملاقات کے لئے طے شدہ اوقات کا احترام کرے اور وعدوں کی پاسداری کرے، ارشاد باری ہے: {یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ أَوْفُواْ بِالْعُقُودِ} "اے ایمان والو! عہد وپیماں پورے کرو"۔ اسی طرح حرکات و سکنات، لباس اور ظاہر وضع قطع میں بھی عوامی ذوق کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کو پیٹھ کے بل لیٹے ہوئے ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر رکھنے سے منع فرمایا"، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی شخص کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے

تو دوسرے میں نہ چلے یہاں تک کہ اس کو مرمت کرلے"،اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب دونوں جوتوں میں سے ایک جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے اور وہ مرمت کے قابل نہ رہے تو اسے عوامی ذوق کو مد نظر رکھتے ہوئے صرف ایک جوتے میں نہیں چلنا چاہیے۔

اورلوگوں کے جذبات کو پیش نظر رکھنے کا تقاضہ ہے کہ انسان ایسی آواز نہ نکلے یا ایسا کام نہ کرے جو لوگوں کی ناپسندیدگی کا باعث بنے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے ڈکار مارا، یعنی پیٹ بھر جانے کی وجہ سے اس نے اپنے منہ سے آواز نکالی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" اپنے ڈکار کو ہم سے دور رکھو، دنیا میں سب سے زیادہ پیٹ بھرنے والے قیامت کے دن سب سے زیادہ بھوکے ہونگے"،اگرچہ ڈکار حرام نہیں ہے لیکن یہ عوامی ذوق کے منافی ہے،اس لئے ان لوگوں کو یہ چیز زیادہ پیشِ نظر رکھنی چاہیے جو ایسی حرام چیزیں کھا کر لوگوں کے لئے تکلیف کا باعث بنتے ہیں جن کی وجہ سے ان کے منہ اور کپڑوں سے بدبو آتی ہے،اسی طرح انسان کو اپنے ہر قول وفعل وغیرہ میں بھی عوامی ذوق کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے، ارشاد باری ہے: {إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ

مَسْؤُولًا} "بیشک کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے"۔

☆لوگوں سے گفتگو کرتے ہوئے اچھی بات کہنا اور اچھے الفاظ کا چناؤ کرنا بھی آداب عامہ کا حصہ ہے: ارشاد باری ہے: {وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنزَغُ بَيْنَهُمْ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا} "اور میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بہت ہی اچھی بات منہ سے نکالا کریں کیونکہ شیطان آپس میں فساد ڈلواتا ہے۔ بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے"۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اچھی بات صدقہ ہے"، اس لئے آدابِ عامہ کا تقاضہ ہے کہ گفتگو کرتے ہوئے ایسے عمدہ الفاظ کا چناؤ کیا جائے جو لوگوں کے لئے نفرت کا باعث نہ بنیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جو آگ جلا رہے تھے تو آپ نے یہ بات ناپسند کی کہ آپ انہیں کہیں کہ اے آگ والوں السلام علیکم، بلکہ آپ نے کہا، اے روشنی والو: السلام علیکم۔

☆اسی طرح لوگوں کے ذاتی معاملات کا احترام کرنا اور لایعنی چیزوں میں دخل اندازی نہ کرنا بھی آداب عامہ کا تقاضہ ہے، ارشاد باری ہے: {وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ

السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ کلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡئُولًا} "جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ۔ کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انسان کا لایعنی چیزوں کو ترک کر دینا اس کے حسن اسلام کی دلیل ہے"۔

برادرانِ اسلام:

معاشرے کی ترقی میں کردار ادا کرنے والے آدابِ عامہ کا اہم ترین ستون حیا ہے، حیا ایک ایسا بلند پایہ اسلامی اخلاق ہے جو انسان کو قابلِ ملامت کام سے روکتا ہے، ہر برے کام سے اجتناب کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور کوتاہی سے محفوظ رکھتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ حیا ان اخلاق میں سے ہے جو سابقہ آسمانی شریعتیں لے کر آئی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ پہلی نبوتوں کے کلام میں سے جو کچھ لوگوں کو ملا اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب تیری حیا ختم ہو جائے تو تو جو چاہے کر"۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک انصاری صحابی کے پاس سے ہوا جو اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اس کو

چھوڑ دو، بیشک حیا ایمان کا حصہ ہے"، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالی سے حقیقی طور پر حیا کرو" ہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول، الحمد للہ ہم اللہ سے حیا کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حیا یہ نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالی سے حقیقی حیا یہ ہے کہ تو دماغ اور اس میں موجود خیالات، پیٹ اور اس کے اعضاء کی حفاظت کرے، اور موت اور فنا ہو جانے کو یاد کرے، اور جو آخرت کو چاہتا ہے وہ دنیا کی زیب وزینت کو ترک کر دیتا ہے، چنانچہ جس نے ایسے کیا اس نے حقیقی طور پر اللہ سے حیا کی"۔ حیا انسان کو لغزشوں سے محفوظ رکھتی ہے جبکہ حیا سے عاری شخص لغزشوں سے محفوظ نہیں رہتا۔

☆ معاشرے کی تعمیر وترقی میں کردار ادا کرنے والے آداب کا ایک اہم ترین ستون انسانیت ہے: انسانیت مردانگی کے تمام معانی کو جامع لفظ ہے، اور اس سے مراد عمدہ صفات، اعلی اخلاق، لوگوں کے لئے بھلائی کرنا، نفس کو گھٹیا چیزوں سے محفوظ رکھنا، زبان کو لغو اور فضول باتوں سے محفوظ رکھنا اور معذرت کا باعث بننے والی ہر بات سے پرہیز کرنا ہے، اور ایک مقولہ ہے کہ "جس شخص نے لوگوں سے معاملات میں ان پر ظلم نہ کیا، ان سے بات کرتے ہوئے ان سے جھوٹ نہ بولا اور ان سے وعدہ کرکے وعدہ

خلافی نہ کی تو اس کی انسانیت مکمل ہو گئی، اس کا عدل و انصاف ظاہر ہو گیا، اس سے بھائی چارہ ضروری ہو گیا اور اس کی غیبت کرنا حرام ہو گیا"۔

انسان کی انسانیت اس کے ظاہر و باطن کو اچھا بنا دیتی ہے، وہ اپنی خلوت و جلوت میں خوفِ خدا کو پیشِ نظر رکھتا ہے، وہ ایسا نہیں ہوتا کہ لوگوں کے سامنے تو نیک ظاہر ہو لیکن جب خلوت میں جائے تو اللہ کی حدود کی پامالی کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "میں اپنی امت کے ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو تھامہ کے سفید پہاڑوں کی مثل نیکیاں لے کر آئیں گے تو اللہ تعالی انہیں فضا میں پھیلے ہوئے غبار کے ریزوں کی طرح بنا دے گا، وہ تمہارے بھائی ہیں، تم ہی میں سے ہیں، تمہاری طرح راتوں کو قیام بھی کرتے ہیں لیکن وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب خلوت میں جاتے ہیں تو اللہ کی حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب کرتے ہیں"۔

لوگوں کے لئے انسان کی انسانیت یہ ہے کہ وہ ان کی مدد کرے، ان کی مصلحت کا خیال رکھے اور ان کے لئے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ تو وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے تنہا چھوڑتا ہے، جو انسان اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کی

ضرورت پوری کرتا ہے، جو کسی مسلمان کی مشکل دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی سختیوں میں سے ایک سختی اس سے دور کرے گا، اور جو مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی بارگاہ میں محبوب ترین شخص وہ ہے جو لوگوں کے لئے سب سے زیادہ نفع کا باعث بنتا ہے، اور اللہ کی بارگاہ میں پسندیدہ عمل یہ ہے کہ تو کسی مسلمان کو خوشی دے، یا اس کی کسی مشکل کو دور کردے، یا اس کا قرض ادا کردے، یا اس کی بھوک ختم کردے، اور میرا اپنے بھائی کی کسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اس کے ساتھ چلنا میرے نزدیک اس مسجد نبوی میں اعتکاف بیٹھنے سے زیادہ پسندیدہ ہے"۔

اسلام نے ان اعلیٰ اور عمدہ آداب کی تاکید کی ہے کہ اگر کوئی بھی قوم ان کو مضبوطی سے تھام لیتی ہے تو وہ تہذیب وتمدن اور ترقی کی بلندیوں کو چھوئے گی، اور یہ قانونِ قدرت ہے جو تبدیل نہیں ہو سکتا، اور آج ہم اس بات کے کس قدر حقدار ہیں کہ ہم ان آداب پر عمل کریں اور ان کو عملی طور پر اپنی زندگیوں میں نافذ کریں تاکہ ہم دین ودنیا میں سرخرو ہو سکیں۔

ملکی تعمیر وترقی کے اسباب ومحرکات

وطن کی محبت، اس کا دفاع اور اس کی تعمیر وترقی کے لئے کام کرنا اسلام کے بنیادی اصول اور اس کی انتہائی اہم تعلیمات کا حصہ ہے۔ اور سب سے بڑا شرف انسان کو اپنے وطن سے حقیقی نسبت کا شعور ہونے، اس کی تعمیر وترقی کے لئے کوشش کرنے اور اس کی رفعت وبلندی کے لئے کام کرنے میں ہے۔ وہ تمام قومیں جنہوں نے علمی اور تہذیب ترقی کی ہے ان کے پیچھے ایسی مخلص شخصیات ہیں جن کے دل اپنے وطن کی محبت سے لبریز ہیں اور انہوں نے لوگوں اور ملکوں کے نفع کے لئے ثمر آور کوششیں کی ہیں۔

ہمارا پیارا اور قیمتی ملک مصر اپنے بیٹوں سے اس سے بڑا کر کوششوں کا مستحق ہے۔ یہ عرب اور اسلام کا دھڑکتا ہوا دل ہے۔ یہ امت مسلمہ کی زرہ، اس کی تلوار اور دہشت گردی اور چیلنجز کا سامنا کرنے کے لئے اس کا محفوظ قلعہ ہے۔ اس لئے اس کا دفاع کرنا اور اس کی تعمیر وترقی کے لئے کام کرنا ایک قومی اور دینی فریضہ ہے۔ یہ تہذیبوں کا گہوارہ اور کئی رسولوں کی رسالتوں کا مقام ہے اور یہی وہ شہر ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں امن وامان کے ساتھ کیا گیا ہے۔ حق باری تعالی نے سیدنا یوسف علیہ السلام کی

زبانِ اقدس کے ذریعے ارشاد فرمایا: {ادْخُلُوا مِصْرَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ} "آپ مصر میں داخل ہو جائیں اگر اللہ نے چاہا تم امن وعافیت سے رہو گے"۔

بلاشبہ ملکی تعمیر وترقی اور برتری امت کے لئے عزت وکرامت اور لوگوں کے احترام کی ضامن ہوتی ہے لیکن صرف باتیں کرنے، خواب دیکھنے اور خواہشات رکھنے سے ملکی تعمیر وترقی نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے عرق ریزی سے محنت، کوشش کرنا، قربانی دینا اور تعمیر وترقی کے ذرائع اور تہذیب کے اسباب کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

اور ان اسباب میں سے سب سے اہم سبب چیلنجز کا سمجھنا ہے۔ وطن کی اہمیت، اس کو درپیش چیلنجز وخطرات کو سمجھنا ایک ایسا کام ہے جو ہمیں درپیش چیلنجز کے دائرۂ کار سے آگاہ ہونے کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ ان چیلنجز کو سمجھے بغیر اور ان کا ادراک کئے بغیر ان کا کوئی بھی کامیاب حل پیش کرنا ناممکن ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وطن کی اہمیت اور قومی ملک کے جواز کا مسئلہ اور اس کی ثابت قدمی کے لئے تعاون کا ضروری ہونا اور اس کی تعمیر وترقی کے لئے کام کرنا ایک مضبوط ملک کی تعمیر وترقی کی اہم ترین بنیاد اور وطن سے نسبت ووفاداری، اور اس کی پیداوار کے ذرے ذرے کی حفاظت کا اہم ترین ستون ہے۔

اس طرح وطن کی اہمیت کا ادراک اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم ان غلط فہمیوں کی تصحیح کریں جنہیں دہشت گرد اور انتہا پسند جماعتوں نے ذہنوں میں پختہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ان جماعتوں نے اپنے فلسفہ کی بنیاد عوام اور ان کے حکمرانوں اور قومی ذمہ دار ان کے درمیان اعتماد کو ختم کرنے اور قطعِ تعلقی پیدا کرنے پر رکھی ہے۔ حالانکہ تمام مذاہب کی تعلیمات ہمیں عادل حاکم کی عزت وتوقیر کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بوڑھے مسلمان، معتدل مبلغِ قرآن اور منصف وعادل بادشاہ کی عزت وتوقیر کرنا درحقیقت اللہ کی تعظیم وتوقیر کرنا ہے"۔ اور حق سبحانہ وتعالی نے عادل حاکم کو ان سات لوگوں میں سے شمار کیا ہے جنہیں حق سبحانہ وتعالی روزِ قیامت اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائے جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "سات لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالی اس دن اپنا سایہ نصیب فرمائے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔۔۔۔۔"،اور پھر ان میں سرِ فہرست عادل حاکم کا ذکر فرمایا۔

وطن کی راہ میں قربانی دینا وطن کی تعمیر و ترقی کے اہم ترین اسباب اور بنیادوں میں سے ہے۔ حقیقی قومیت صرف بلند کئے جانے والے نعروں یاد ہرائے جانے والے چند جملے ہی نہیں ہے بلکہ قومیت ایک نظام حیات، وطن کی دھڑکن اور اس کو درپیش چیلنجز کے احساس، اس کی تکلیفوں پر درد محسوس کرنے، اس کی امیدوں کے پورا ہونے پر خوش ہونے اور اس کی خاطر قربانی دینے کے لئے ہمیشہ تیار رہنے کا نام ہے۔

وطن کا دفاع کرنا، اس کی حفاظت کرنا اور اس کی خاطر قربانی دینا ہر اس شخص کے ذمے ایک شرعی اور قومی فریضہ ہے جو اس کی زمین پر زندگی گزارتا ہے اور اس کے آسمان کے سائے میں پناہ لیتا ہے۔ وطن کی محبت صرف جذبات احساسات تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اسے ایک فرد اور معاشرے کے لئے نفع بخش عمل اور سلوک کے قالب میں ڈھالنا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے اس کو باوقار اور مضبوط رکھنے کے لئے قربانی دینا ضروری ہے۔ وطن کی نسبت اپنے بیٹوں پر یہ چیز لازم کرتی ہے کہ وہ اس پر فخر کریں اور اس کی حفاظت کے لئے شانہ بشانہ کھڑے ہو جائیں۔ کیونکہ کائنات کو آباد کرنے، دین کو سربلند کرنے اور شعائرِ اللہ کو قائم کرنے میں لوگوں سے اللہ کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ملکوں کا استحکام واستقرار ضروری ہے۔ اور اسلام میں جہاد

صرف ملکوں کا دفاع کرنے اور ظلم وسرکشی کو روکنے کے لئے ہی جائز قرار دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالی نے ان لوگوں کا بلند مقام ومرتبہ بیان فرمایا ہے جو اپنے ملکوں کا دفاع کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: {إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ} "بیشک اللہ نے اہلِ ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے مال، ان کے لئے جنت کے عوض خرید لئے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں قتل کرتے ہیں، سو وہ قتل کرتے ہیں اور خود بھی قتل کئے جاتے ہیں۔ اللہ نے اپنے ذمہ کرم پر پختہ وعدہ لیا ہے تورات میں بھی انجیل میں بھی اور قرآن میں بھی"۔

عمدہ اور پختہ کام کرنا بھی ملکوں اور تہذیبوں کی تعمیر وترقی کے اہم ترین اسباب اور بنیادوں میں شمار ہوتا ہے۔ اسلام نے کام کی بہت زیادہ اہمیت بیان کی ہے اور اسے عبادت کا ایک باب قرار دیا ہے بلکہ اسے عبادت کے بلند ترین مرتبے میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اللہ کی راہ میں جہاد قرار دیا ہے۔

اور کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا، صحابہ کرام نے اس کے توانا جسم اور پھرتی کو دیکھا جس نے انہیں حیران کردیا تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول، کاش یہ آدمی اللہ کے راہ میں ہوتا!! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر یہ اپنے چھوٹے بچوں کے رزق کی خاطر تگ ودو کررہا ہے تو یہ اللہ کی راہ میں ہے اور اگر یہ اپنے بوڑھے والدین کے لئے رزق کی خاطر نکلا ہے تو یہ اللہ کی راہ میں ہے اور اگر یہ اپنے نفس کو پاک دامن رکھنے کے لئے رزق تلاش کررہا ہے تو یہ اللہ کی راہ میں ہے اور اگر یہ ریاکاری اور فخر کرنے کے لئے نکلا ہے تو یہ شیطان کی راہ میں ہے"۔

دین اور قومیت دونوں ہم سے محنت، کوشش، عرق ریزی، کام اور پیداوار کا تقاضا کرتے ہیں۔ خصوصا جب ہمارا دین ہی پختہ کام کرنے کا دین ہے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: {الذي خلق الموت والحياة ليبلوكم أيكم أحسن عملا وهو العزيز الغفور} "جس ذات نے موت اور زندگی کو پیدا فرمایا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے، اور وہ غالب ہے بڑا بخشنے والا ہے"۔

اور دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ * فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ * وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ} "اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو فوراالله کے ذکر کی طرف تیزی سے چل پڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرنے لگو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور جب انہوں نے کوئی تجارت یا کھیل تماشا دیکھا تو اس کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے اور آپ کو کھڑے چھوڑ گئے، آپ فرمادیجئے: جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "کسی ایک شخص نے بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھانا کھانے سے بہتر کبھی کوئی کھانا نہیں کھایا، اور اللہ کے نبی داود علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھانا کھایا کرتے تھے"۔

اور ہم اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ ہمارے دین اسلام نے ہم سے صرف کام کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ ہم سے عمدہ اور پختہ کام کا مطالبہ کیا ہے۔ حق سبحانہ وتعالی ارشاد فرماتا ہے: {إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا} "بیشک ہم اس شخص کے اجر کو ضائع نہیں کرتے جس نے عمل کو احسن طریقے سے سرانجام دیا ہو"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کوئی کام کرے تو اسے پختگی سے کرے"۔

علم اور اچھی انتظامیہ بھی ملکوں اور تہذیبوں کی تعمیر وترقی کے اسباب میں شمار ہوتی ہے ۔ تعمیر وترقی کو علم، تجربے، عقل وفہم اور اسپیشلائزیشن کی ضرورت ہوتی ہے صرف خواہش اور پسند کی نہیں۔ جب ہم قرآن وسنت کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ چیز ہمارے سامنے واضح ہو جاتی ہے کہ یہ دونوں صلاحیت وقابلیت، اہلیت اور امانت داری کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ اللہ تعالی نے سیدنا یوسف علیہ السلام کی زبان پر ارشاد فرمایا: {اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ} "یوسف علیہ السلام نے فرمایا: مجھے سرزمینِ مصر کے خزانوں پر مقرر کر دو، بیشک میں خوب حفاظت کرنے والا خوب جاننے والا ہوں"۔

اور موسی علیہ السلام کے بارے میں شعیب علیہ السلام کی بیٹی کی زبانی ارشاد فرمایا: {يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ} "اے میرے والد گرامی! انہیں اپنے پاس مزدوری پر رکھ لیں بیشک بہترین شخص جسے آپ مزدوری پر رکھیں وہی ہے جو طاقتور امانتدار ہو"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نااہل لوگوں کو کسی کام کی ذمہ داری دینے سے متنبہ کیا ہے۔ اور خبر دی ہے کہ یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "جب کوئی کام کسی نااہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو"۔

ہر شعبے میں اہل لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو بیک وقت قابل، باصلاحیت اور امین ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ اور مختلف علاقوں میں اپنے حکمرانوں کو علم، صلاحیت اور ذمہ داری کو سرانجام دینے کی اہلیت کے مطابق کسی کام پر مامور کیا کرتے تھے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام چاپلوسی یا قرابت داری یا محبت کی بنا پر کسی کو کوئی ذمہ داری نہیں دیتے تھے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں نے

عرض کی: اے اللہ کے رسول، کیا آپ مجھے کسی علاقے میں حکمران نہیں بنا دیتے؟ ابو ذر نے کہا: آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر مارا اور پھر فرمایا: "اے اباذر تم ایک کمزور آدمی ہو، اور یہ ایک امانت ہے، اور روزِ قیامت یہ ندامت اور رسوائی کا باعث ہے سوائے اس شخص کے جس نے صحیح طریقے سے امارت کی ذمہ داری سنبھالی اور اس کا حق ادا کیا"۔ اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے عبد الرحمان بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: "اے عبد الرحمان! تو امارت کا سوال مت کرنا، اگر سوال کئے بغیر تجھے امارت دی گئی تو اس پر تیری مدد کی جائے گی، اور اگر سوال کرنے سے یہ امارت تجھے دی گئی تو تجھے اس کے سپرد کر دیا جائے گا"۔

برادرانِ اسلام:

کردار اور اخلاقی اقدار کو بلند کرنا بھی ملکوں کی تعمیر و ترقی کا بنیادی سبب اور اہم ترین ستون ہے۔ وہ قومیں اور تہذیبیں جو اخلاق اور اعلی اقدار پر قائم نہیں ہوتی انہیں اپنے قیام کے اسباب اور اپنی تعمیر و ترقی کی بنیاد میں ہی اپنی تباہ و بربادی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اسلام میں اخلاق کو بہت بلند مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ ایک مسلمان ان کے ذریعے ایمان کے درجات میں بلند مقام حاصل کرتا ہے۔ روزِ قیامت اللہ کی بارگاہ میں پیشگی

کے وقت اس کا ترازو بھاری ہوتا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "روزِ قیامت ایک بندہ مؤمن کے ترازو میں حسنِ خلق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہیں ہو گی، اور اللہ تعالی بد کلام وبد اخلاق کو ناپسند کرتا ہے"۔ اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ وہ کون سی چیز ہے جو کثرت سے لوگوں کو جنت میں داخل کروائے گی تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "اللہ کا ڈر اور حسنِ خلق"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنِ خلق کو ایمان کے کامل یا ناقص ہونے کا معیار قرار دیا ہے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "مؤمنوں میں کامل ترین ایمان والا وہ شخص ہے جس کا اخلاق سب سے زیادہ اچھا ہے۔۔۔"۔ اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "تو یہاں بھی ہو اللہ سے ڈر، اور برائی کے بعد نیکی کر وہ اس برائی کو مٹا دیتی ہے، اور لوگوں سے حسنِ خلق سے پیش آ"۔

حسنِ خلق انسان کو اوصاف حمیدہ پر ابھارتا ہے جیسا کہ شفقت ورحمت، دوسروں کے لئے بھلائی کی محبت، لوگوں کے نفع کے لئے کوشش کرنا، ذاتی ترجیح اور خود پسندی سے دور رہتے ہوئے لوگوں اور ملک کے لئے عمومی نفع کا باعث بننا۔ ہمارا دین متین ایثار وقربانی کی محبت پر قائم ہے نا کہ ذاتی ترجیح، کنجوسی اور خود پسندی پر۔

عدل بھی تہذیبوں اور ملکوں کی تعمیر وترقی کی اہم ترین بنیاد ہے۔ ملک ایسے عدل وانصاف کے ذریعے تعمیر کئے جاتے ہیں جو کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دیئے بغیر تمام لوگوں کے درمیان حقوق وواجبات میں برابری کرے۔ اور یہی قرآن کریم میں اللہ تعالی کا حکم ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: {إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ} "بیشک اللہ عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے اور قرابت داروں کو دیتے رہنے کا اور بے حیائی اور برے کاموں اور سرکشی ونافرمانی سے منع فرماتا ہے، وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم خوب یاد رکھو"۔

اور بعض لوگوں کا قول ہے: اللہ تعالی عدل کرنے والے ملک کی مدد کرتا ہے اگرچہ وہ غیر مسلم ملک ہی ہو، اور ظلم کرنے والے ملک کی مدد نہیں کرتا اگرچہ وہ مسلم ملک ہو کیونکہ اگر وہ حقیقی معنوں میں مسلم ملک ہوتا تو وہ ظلم پر راضی نہ ہوتا یا اس کے خلاف آواز اٹھاتا۔

معاشرے کے عام حقوق وآداب

اوراس کی تہذیب کی تعمیر وترقی میں ان کا کردار

اسلام ایک مکمل ضابطہء حیات لے کر آیا ہے جو انسان کے تعلق کو نہ صرف اس کے رب کے ساتھ منظم کرتا ہے بلکہ لوگوں اور پوری کائنات کے ساتھ بھی اس کے تعلق کو منظم کرتا ہے، بیشک شریعتِ اسلامیہ میں ایسے بے شمار قوانین اور آداب ہیں جو معاشرے کی تعمیر وترقی میں کردار ادا کرتے ہیں، ان آداب میں سے ایک اجازت طلب کرنے کا ادب ہے، اسلام نے اجازت لینے کو مشروع قرار دیا ہے اور اسے ان اسلامی آداب کا حصہ قرار دیا ہے جو انسان کو خصوصیت عطا کرتے ہیں، اللہ کریم نے ارشاد فرمایا: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ} "اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، یہاں تک کہ تم ان سے اجازت لے لو اور ان کے رہنے والوں کو سلام کہو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم غور وفکر کرو"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہمیں اجازت لینے اور اس کے آداب کی تعلیم دی ہے، اس کے آداب یہ ہے کہ اجازت طلب کرنے والا شخص پہلے سلام کرے، اور پھر اپنا نام ذکر کرے، نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی نے آپ سے اندر آنے کی اجازت طلب کرتے ہوئے کہا: کیا میں داخل ہو جاؤں ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم سے فرمایا: باہر اس کے پاس جاؤ اور اسے اجازت لینے کا طریقہ بتاؤ، اور اسے کہو: سب سے پہلے تم سلام کرو اور پھر کہو: کیا میں داخل ہو سکتا ہوں ؟ اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سن لیا اور کہا: السلام علیکم، کیا میں اندر داخل ہو سکتا ہوں ؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اندر آنے کی اجازت دی اور وہ اندر داخل ہوا"، جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے دروازے پر دستک دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (کون ہے ؟) میں نے کہا: میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (میں، میں)، گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند فرمایا"۔

اجازت طلب کرنے کے آداب میں سے ایک ادب نگاہیں نیچے رکھنا اور دروازے کے بالکل سامنے کھڑا نہ ہونا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نگاہوں کے لئے ہی اجازت طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے"، سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے دروازے کے بالکل سامنے کھڑے ہو کر اجازت طلب کی تو نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: "دروازے کے بالکل سامنے کھڑے ہو کر اجازت طلب نہ کرو"، اور مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی دروازے پر آکر اجازت طلب کرنا چاہتے تو آپ اس کے بالکل سامنے کھڑے نہ ہوتے بلکہ اس کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہو جاتے، اور اگر اجازت مل جاتی تو بہتر ورنہ واپس چلے جاتے"۔

جن عام آداب کی اسلام نے ترغیب دی ہے ان میں عام جگہوں اور راستوں کے آداب بھی شامل ہیں، اسلام نے راستے کا ایک حق مقرر کیا ہے جس کو ادا کرنا ضروری ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "راستوں میں مت بیٹھو" صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ہمارا یہ بیٹھنا ضروری ہیں جن میں ہم بات چیت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تمہارا یہ بیٹھنا ضروری ہی ہے تو راستے کو اس کا حق دو"، انہوں نے عرض کی: اس کا حق کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نگاہیں نیچے رکھنا، تکلیف دہ چیز کو دور کرنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا"، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایمان کے ساٹھ یا ستر شعبے ہیں، اس کا افضل ترین شعبہ لاالہ الا اللہ کہنا ہے اور ادنی ترین شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے،

اور حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے"، عام راستے یا مقامات استعمال کرنے والے شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ آواز بلند نہ کرے، یا پریشان کرنے والی بلند آواز میں گفتگو نہ کرے، پریشان کرنے والی آواز میں مت ہنسے، گندگی راستے میں نہ پھینکے اور اس کے لئے متعین جگہوں میں رکھے، بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ راستے سے تکلیف دہ چیزوں کو دور کرے، اسی طرح اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ راستے بند نہ کرے، نہ نگاہ سے گزرنے والوں کو تکلیف دے اور نہ ہی گزرنے والوں کو باتوں کے ذریعے یا عملی طور پر ہراسا کرے۔

اسی طرح ان آداب میں سے صفائی کے آداب بھی ہیں، اسلام نے جسم، کپڑے اور جگہ کی طہارت اور صفائی کو اپنے شرعی احکامات کا جزو لا ینفک قرار دیا ہے جو کہ بحثیت انسانی طرزِ عمل اور تہذیبی قدر کے اس کی اہمیت کے مناسب ہے، اسلام نے چند آداب کی ترغیب دی ہے جو انسان کو ایک عمدہ اور پاکیزہ وضع قطع کا حامل بنادیتے ہیں کہ لوگ اس سے دور نہیں بھاگتے، اللہ نے ان مومنین کی تعریف کی ہے جو اپنے جسموں اور اپنے ظاہر و باطن کو پاک کرنے کی پابندی کرتے تھے، اللہ تعالی نے فرمایا: {إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ} "بیشک اللہ بہت توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے

اور خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالی پاک ہے پاکی کو پسند کرتا ہے"، اور فرمایا: "پاکیزگی آدھا ایمان ہے"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں تو آپ نے فرمایا: "کیا اس شخص کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے ذریعے اپنے بالوں کو سَنوارے؟" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور شخص کو دیکھا جس کے جسم کے گندے کپڑے تھے تو آپ نے فرمایا: "کیا اس کے پاس ایسی چیز نہیں ہے جس سے اپنے کپڑے دھوئے"۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دانتوں کی صفائی کی ترغیب دی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ انسان کے منہ سے عمدہ خوشبو آئے اور وہ اپنے دوسرے بھائی کو اپنے منہ کی بدبو کی وجہ سے تکلیف نہ ہو کہ لوگ اس سے دور ہو جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر میں اپنی امت یا لوگوں پر دشوار نہ سمجھتا تو میں ضرور انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا"۔

اسی طرح ان آداب میں سے باہمی مکالمے کے آداب بھی ہیں، مکالمہ باہمی تعارف اور افکار و نظریات کی اصلاح کرنے کا ذریعہ شمار ہوتا ہے اسلام نے بغیر کسی پریشانی اور

پابندی کے حق اور ہدایت تک رسائی حاصل کرنے کے لئے تمام لوگوں کے درمیان باہمی مکالمے کے دروازے کو کھولا ہے، لیکن باہمی مکالمہ دوسرے کے بارے طعن وتشنیع کرنے یاان کا مذاق اڑانے یاان کی تذلیل کرنے سے دور ہوناچاہیے، اللہ تعالی نے فرمایا: {وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ} "اور ان سے بحث ایسے انداز سے کریں جو نہایت عمدہ ہو"اور دوسری جگہ فرمایا: {وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ} "اور آپ میرے بندوں کو فرمادیں کہ وہ ایسی بات کیا کریں جو بہتر ہو"۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومن نہ تو لعن طعن کرنے والا ہے اور نہ ہی فحش گو اور گھٹیا گفتگو کرنے والا ہے"، باہمی مکالمہ صورتحال کے تقاضے کالحاظ رکھتے ہوئے حقیقت پسندی اور علم کی بنیادپر اچھے طریقے سے ہوناچاہیے۔

خبروں کی تحقیق کرنااور ان کو آگے نقل کرنے میں آہستہ روی اختیار کرنا بھی ان آداب میں شمار ہوتا ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ} "اے ایمان والو ! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کرلیاکرو(ایسانہ ہو) کہ تم کسی قوم کو لاعلمی کوئی تکلیف پہنچابیٹھو، پھر تم اپنے کئے پر پچھتاتے رہو"۔اور نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آہستہ روی اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے ''اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدمی کے لئے یہ جھوٹ ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی بات کو آگے بیان کر دے''۔ افواہیں نہ پھیلانا اور اسی میں ہی مشغول نہ رہنا بھی ان آداب میں سے ہے، کیونکہ اس کو بار بار بیان کرنا ہی اس کو عام کرنے اور پھیلانے میں کردار ادا کرنا ہے، جھوٹی اور من گھڑت باتیں زیادہ عام ہو جاتی ہیں جب انہیں بیان کرنے والی زبانیں، سننے والے کان اور قبول کرنے اور ان کی تصدیق کرنے والے لوگ مل جاتے ہیں، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ﴾ ''جب تم اس (بات) کو اپنی زبانوں پر لاتے رہے اور اپنے منہ سے وہ کچھ کہتے رہے جس کا تمہیں کوئی علم نہ تھا اور تم اس کو معمولی بات خیال کر رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے حضور بہت بڑی ہے''۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے، جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت وتوقیر کرنی کرے، اور جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے''۔

اسلام نے جن عام آداب کی تعلیم دی ہے ان میں سے ایک ادب آواز کو پست رکھنا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان بالخصوص اپنے سے بلند مرتبہ اور معزز ومکرم شخصیت کی موجودگی میں عادی مقدار سے اپنی آواز کو بلند نہ کرے، قرآن کریم میں لقمان حکیم کی وصیتوں میں مذکور ہے: ﴿وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ﴾ "اور اپنے چلنے میں میانہ روی اختیار کر، اور اپنی آواز کو پست رکھا، بیشک سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے"۔ اور اللہ تعالی نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں اور بالخصوص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پست رکھتے ہیں، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ "بیشک جو لوگ رسول اللہ کی بارگاہ میں اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقوی کے لئے چن کر خاص کر لیا ہے، ان ہی کے لئے بخشش ہے اور اجر عظیم ہے"۔

ان آداب میں سے ایک ادب بھٹکے ہوئے کی راہنمائی کرنا ہے، اس کا مطلب اس کی صحیح راہ کی طرف راہنمائی کرنا یا اس کے ساتھ کسی راہنما کو بھیجنا ہے، رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "راستوں میں مت بیٹھو" صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ہماری یہ نشست گاہیں ضروری ہیں جن میں ہم بات چیت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تمہارا یہ بیٹھنا ضروری ہی ہے تو راستے کو اس کا حق دو"، انہوں نے عرض کی: اس کا حق کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نگاہیں نیچے رکھنا، تکلیف دہ چیز کو دور کرنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا، برائی سے روکنا اور بھٹکے ہوئے کی راہنمائی کرنا"۔

برادرانِ اسلام:

اسلام میں کچھ اور آداب بھی ہیں جو بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور ایک مسلمان کا ان سے متصف ہونا ضروری ہے، ان آداب میں سے مظلوموں کی مدد کرنا ہے: اسلام نے اسے افضل ترین اور اعلی ترین اعمال میں شمار کیا ہے، ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر وہ دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے اس میں مومن کو صدقہ دینا ہے، عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول، ہمارے پاس صدقے کے لئے مال کہاں ہے جس کے ذریعے ہم صدقہ کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیکی کے دروازے بہت زیادہ ہیں: تسبیح و تحمید، تکبیر و تہلیل، نیکی کا حکم دینا،

برائی سے روکنا، تمہارا راستے سے تکلیف دہ چیز دور کرنا، بہرے کو بات سمجھنا، اندھے کو راہ بتانا، اپنی ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کرنے والے کی راہنمائی کرنا، ضرورت مند مظلوم کے ساتھ اپنے قدموں سے چل کر اس کی مدد کی کوشش کرنا، کمزور شخص کی مدد کرنا، یہ سب کا سب تیری طرف سے اپنے اوپر صدقہ ہے"۔(صحیح ابن حبان)۔

اسی طرح ان آداب میں سے کمزوروں اور ضرورت مندوں کی مدد کرنا: سماجی کفالت زندگی میں توازن پیدا کرنے کے لئے غریب شخص سے پہلے امیر شخص کے لئے فائدہ مند ہے، اس کی دلیل امام علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ہے: "اللہ تعالی نے امیر لوگوں کے اموال میں غریبوں کا رزق فرض کیا ہے، غریب آدمی صرف امیر آدمی کے بخل اور لالچ کی وجہ سے ہی بھوکا رہتا ہے اور اللہ تعالی اس کے بارے میں ان سے سوال کرنے والا ہے"، یہ سرپرستی قومی سرمائے میں ایک بہت بڑا اضافہ ہے کہ ان کی سرپرستی اور دیکھ بھال کرنا ان کا حق اور معاشرے کا فرض ہے، بیشک اللہ کریم شکستہ دلوں کے قریب ہے، اس کے بندوں پر رحم کرنے والوں پر بڑا مہربان ہے، اس کی بارگاہ میں کوئی نیکی حقیر نہیں ہے اگرچہ وہ اچھی بات ہی کیوں نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: "تم کسی نیکی کو حقیر مت سمجھو اگرچہ وہ نیکی تمہارا اپنے بھائی کو خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا ہی کیوں نہ ہو"، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارے کمزور لوگوں کی وجہ سے ہی تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے"، اللہ تعالی اس وقت تک اپنے بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک وہ بندے اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔

اور ان آداب میں سے ایک ادب بزرگ آدمی کا احترام کرنے، اس پر شفقت ومہربانی کرنے اور اس پر دست درازی نہ کرنے کے ذریعے اس کی عزت وتوقیر کرنا ہے: اس کے بڑھاپے اور اسلام میں سبقت لے جانے کا لحاظ رکھنا، اس کی قدر ومنزلت کو پہچاننا، اور بڑا شخص بھی چھوٹوں پر رحمت وشفقت کرنے اور اس کے ساتھ نرمی برتنے کا پابند ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو مسلمان بزرگ شخص کا احترام کرتا ہے اللہ کریم اس کے ہم عمر لوگوں میں سے اس کا احترام کرنے والا شخص مقرر کر دیتا ہے"، اور یہ اسلام کی عظمت، اس کی رحمت ونرمی، اس کے عدل وانصاف اور اس کا انسان کی عزت وتکریم کا اہتمام کرنے کے مظاہر ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بزرگ شخص، حاملِ قرآن اور عادل حاکم کے ساتھ ادب کو حق سبحانہ وتعالی کی تعظیم وتوقیر کا

ایک مظہر قرار دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "بزرگ مسلمان، معتدل حاملِ قرآن اور عادل بادشاہ کی عزت و توقیر کرنا در حقیقت اللہ تعالی کی تعظیم و توقیر کرنا ہے"، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "وہ شخص ہم میں سے ہی نہیں ہے جس نے ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کیا، ہمارے بڑے کا احترام نہ کیا، نیکی کا حکم نہ دیا اور برائی سے نہ روکا"۔

اسلام کی سماحت و رواداری کی صحیح سمجھ یہ شرط نہیں لگاتی کہ وہ بزرگ شخص مسلمان ہو، مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی گھرانے پر صدقہ کیا اور یہ برقرار رکھا جائے گا، سیدنا عمر بن عبد العزیز بصرہ میں اپنے گورنر کے نام خط لکھتے ہیں کہ: تم اپنے ہاں ان ذمی لوگوں کو دیکھوں جو عمرِ رسیدہ ہو گئے ہیں اور ان کی قوت کمزور ہو گئی ہے اور ان کے پاس کمائی کے ذرائع بھی نہیں رہے اور ان کے لئے بیت المال سے اتنا وظیفہ مقرر کر جو ان کے لئے کافی ہو۔

معاشرے کا اپنے بیٹوں پر حق ہے کہ وہ اس کی عام مصلحتوں کا خیال رکھیں، اگر ہم مثال کے طور پر بڑھتی ہوئی آبادی کے مسئلہ کو لیں تو ہم دو باتوں کی تاکید کرتے ہیں:

پہلی بات یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے آپ کو دیکھتے ہیں جب وہ مالی طور پر غنی اور قدرت رکھتے ہوں، حالانکہ یہ صرف مالی قدرت واستطاعت ہی نہیں ہے بلکہ یہ مالی، تربیتی اور دیکھ بھال کے تمام پہلوؤں کو شاملِ قدرت واستطاعت ہے اور نہ ہی یہ صرف شخصی قدرت واستطاعت ہے بلکہ یہ ایک ایسا کام ہے جو افراد کی صلاحیتوں کو تجاوز کرتے ہوئے ان خدمات کو مہیا کرنے میں ملکوں کے وسائل تک پہنچ جاتا ہے جن خدمات کو ایک فرد کا بذاتِ خود اپنے لئے بھی مہیا کرنا ناممکن ہے، ملکوں کے ذرائع ایک اہم عامل ہے جس کو آبادی کے تمام پہلوؤں میں اپنے پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے، جو شخص صرف اپنے لئے جیئے وہ تو پیدا ہونے کا بھی مستحق نہیں ہے، غیر منظم بڑھتی ہوئی آبادی کے اثرات صرف افراد اور خاندانوں پر ہی مرتب نہیں ہوتے بلکہ یہ ان ممالک کے لئے بہت بڑا خطرہ بن جاتے ہیں جو آبادی کے مسائل کو حل کرنے میں علم کے ذرائع اختیار نہیں کرتے، اس مسئلہ میں تنگی اور وسعت کو ملکوں کے حالات اور ان کے عام وسائل سے الگ کر کے صرف افراد کے معیار پر نہیں پرکھا جا سکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ مضبوط کم آبادی اس کمزور اور نحیف زیادہ آبادی سے زیادہ بہتر ہے جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے کہ یہ سیلاب کے پتوں

اور تِنکوں کی طرح ہے، کیونکہ کثرتِ آبادی کمزوری یا جہالت یا تہذیب کی گاڑی سے پیچھے رہ جانے کا سبب بنتی ہے اور یہ ایک ایسا بھاری بوجھ ہے جسے ریاست کے ذرائع آمدنی اور وسائل برداشت کرنے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے متحمل نہیں ہے، یہ کثرت جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیلاب کے پتے اور تنکے قرار دیا ہے ان میں کوئی فائدہ یا نفع نہیں ہے بلکہ یہ کثرت نقصان دہ ہے۔

ریاستوں کی تعمیر و ترقی کا مفہوم

یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام قومیں اپنی تمام تر قوت اور ذرائع کے ذریعے ایک مضبوط اور مستحکم ریاست کی تعمیر و ترقی کے لئے تگ و دو کرتی ہیں تاکہ وہ اپنے مطلوبہ اہداف و مقاصد حاصل کر سکیں ریاست کی تعمیر و ترقی ایک علم کی حیثیت رکھتی ہے جسے تجربہ، درایت، حالات سے واقفیت اور درپیش چیلنجز سے آگاہی کی ضرورت ہوتی ہے اس تیز ترین اور بدلتی ہوئی دنیا افراد اور جماعتوں کے مفہوم کے درمیان اور ریاست کی تعمیر و ترقی اور تنظیم سازی کے مفہوم کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے جو دنیا صرف باہمی اتحادات، سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی بلاکس پر ایمان رکھتی ہے اور ایسے بین الاقوامی معاہدوں اور اصول و قوانین کی پابند ہے جن سے غفلت برتنا اور اعراض کرنا یا ان سے ہم آہنگ نہ ہونا کسی بھی عقلمند شخص کے لئے ناممکن ہے۔

ریاست حفاظت، امن و امان، اعتماد، استحکام، نظام اور اداروں کا نام ہے، ریاست فکری، سیاسی، اقتصادی، تنظیمی اور قانونی شعور کا نام ہے ریاست کی عدم موجودگی میں لاقانونیت جَنَم لیتی ہے۔

ریاستوں کی تعمیر وترقی کے چند اہم عناصر ہیں جن کو ہم درج ذیل نکات میں ذکر کرتے ہیں:

☆ ریاستوں کی تعمیر وترقی کا سب سے پہلا اور اہم عنصر قومی اداروں کی مضبوطی، دستور کی بالادستی، قانون کا نافذ اور عدل وانصاف کی فراہمی ہے، اور یہ چیزیں اس بات کا تقاضہ کرتی ہیں کہ لوگ ریاست کے قوانین و ضوابط کا احترام کریں، ٹریفک کے اصول وضوابط کی پابندی کریں، اور غلط سمت چلنے یا تیز رفتار ڈرائیونگ وغیرہ جیسے امور کے ذریعے ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی نہ کریں جو کہ راستے کی حق تلفی اور لوگوں کی حق تلفی شمار ہوتے ہیں اور اپنی اور دوسرے افراد کی جانیں ضائع کرنے یا دوسروں کو زخمی کرنے یا انہیں خوف زدہ کرنے کا سبب بنتے ہیں، اللہ تعالی کا فرمان ہے: { وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ } "اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور احسان کرو، اللہ تعالی احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: "نہ ضرر پہنچے اور نہ ضرر پہنچایا جائے"۔

نظام کی حفاظت اور اس کا احترام ایک مضبوط اور مستحکم ریاست کی تعمیر میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے کیونکہ ہر معاشرے کے لئے ایسے اصول و قوانین کا ہونا ناگزیر ہے جو

وہاں کے افراد کی طرزِ زندگی کو منضبط کریں، انسانوں کے حقوق کی حفاظت کریں، اور ہر انسان کو اپنے واجبات ادا کرنے کا پابند کرے، نظام کے احترام اور قانون کی بالادستی کے بغیر نہ تو کسی ریاست کو استحکام نصیب ہو سکتا ہے اور نہ ہی وہاں عدل وانصاف کا بول بالا ہو سکتا ہے۔

قوانین کا احترام اور ان کی پابندی ریاست کی تعمیر وترقی کا اہم ترین عنصر شمار ہوتی ہے، قانون تمام شہریوں کو تحفظ فراہم کرتا ہے کیونکہ قوانین کے احترام کے بغیر کسی ریاست کے استحکام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، ہر فرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاشرے میں اپنی ذمہ داری کو ادا کرے تاکہ وہ مصلحتِ عامہ حاصل ہو سکے جس کے ثمرات سارے معاشرے کو نصیب ہونگے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہو گا، پس امام محافظ ہے اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہو گا اور مرد اپنے گھر والوں کا محافظ ہے اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہو گا، اور عورت اپنے خاوند کے گھر کی محافظہ ہے اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال کیا جائے گا، اور نوکر اپنے مالک کے مال کا محافظ ہے اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال کیا جائے گا)، ایک ذمہ دار معاشرہ باہمی اتحاد

ویکجہتی کا مظاہرہ کرتا ہے اس میں ہر شخص اپنی ذمہ داری سے آگاہ ہوتا ہے اور دوسرے کا احترام کرتا ہے آج ہمیں کس قدر اشد ضرورت ہے کہ ہم نظام کا احترام کریں، قوانین کی پابندی کریں اور دوسروں کے حقوق کا خیال رکھیں تاکہ عدل وانصاف کا بول بالا ہو، معاشرے کو امن وامان اور استحکام نصیب ہو اور ہم اپنے ملک کو دوسری قوموں کے درمیان اس کے شایان شان مقام پر دیکھ سکیں۔

☆ ریاستوں کی تعمیر وترقی کا دوسرا عنصر معاشی استحکام ہے اور یہ ریاست کا بنیادی اور اہم ترین ستون ہے جس کے بغیر ریاست کا وجود برقرار نہیں رہ سکتا، ایک مضبوط معیشت کے ذریعے ہی ریاست اپنی قومی اور بین الاقوامی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے سرانجام دے سکتی ہے اور اپنے افراد کو باعزت زندگی کے اسباب فراہم کر سکتی ہے، اور جب معیشت کمزور ہوتی ہے تو معاشرے میں غربت اور بیماریاں پھیل جاتی ہیں، زندگی کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں، جرائم کثرت سے واقع ہوتے ہیں اور ریاست کے دشمنوں کو اسے تباہ وبرباد کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور جو قومیں اپنی بنیادی اشیاء تیار نہیں کرتیں اور دوسروں پر تکیا کرتیں وہ قومیں اپنے فیصلوں میں خود مختار نہیں ہو سکتیں۔

مضبوط معیشت کی وجہ سے ایک ریاست دوسری ریاستوں کے درمیان عزت وو قار کے ساتھ رہ سکتی ہے اسی لئے اسلام نے مال کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے کیونکہ یہ زندگی کا ستون ہے اس کے بغیر نظام زندگی کا جاری رہنا ناممکن ہے۔

ریاست کو معاشی طور پر مضبوط کرنا کام میں پختگی اور پیداوار میں اضافے کا تقاضہ کرتا ہے۔ کوئی ریاست یا ادارہ یا خاندان محنت، کام اور کام میں پختگی کے ذریعے ہی ترقی کر سکتا ہے، صرف پیداوار میں اضافہ ہی مطلوب نہیں ہے بلکہ پیداوار میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اس میں پختگی بھی ضروری ہے جس کا معاشی فائدہ معاشرے کے تمام افراد کو نصیب ہو، اسی لئے اللہ تعالی نے ہمیں محنت، کوشش اور زمین میں رزق کی تلاش میں نکلنے کی ترغیب دی ہے، ارشاد خداوندی ہے: { فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ } "پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور بکثرت اللہ کا ذکر کرو تاکہ تم فلاح پاؤ "۔اور دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی ہے: { هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ } "وہ ذات جس نے تمہارے لئے زمین کو پست و مطیع کر دیا تاکہ تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو اور اللہ کے رزق سے کھاؤ(پیو)

اسی کی طرف (تمہیں) جی کر اٹھ کھڑا ہونا ہے"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین کھانا وہ ہے جو انسان اپنی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے کھاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "کسی شخص نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کبھی کوئی کھانا نہیں کھایا"، اور آپ نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے اپنی محنت کی وجہ سے تھک کر رات گزاری اس نے اس حال میں رات گزاری کہ اس کو بخش دیا گیا"۔

محنت، کام اور پیداوار میں اضافہ کی ترغیب دیتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر قیامت آجائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں درخت کا پودا ہو تو اگر وہ شخص کھڑے ہونے سے پہلے اس کو بو سکتا ہو تو اسے بونا چاہیے" اور آپ کا فرمان ہے کہ: "جو مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے یا کوئی کھیتی کاشت کرتا ہے اور اس سے کوئی پرندہ یا انسان یا جانور کھاتا ہے تو اس مسلمان کے لئے اس کے بدلے ایک صدقہ (کا ثواب) ہے"، محنت اور کام کے ذریعے زمین آباد ہوتی ہے، ریاستیں ترقی کرتی ہیں اور انسان اپنی عزت وقار کی حفاظت کرتا ہے۔

☆ریاستوں کی تعمیر و ترقی کا تیسرا عنصر ثقافتی، فکری، دینی اور علمی شعور کا پایا جانا ہے شعور کا فقدان یا اس کی کمی ایک مضبوط اور مستحکم ریاست کی تعمیر میں کوئی کردار ادا

نہیں کر سکتی اسی لئے معاشرے کے تمام افراد کے ہاں بلند شعور کا پایا جانا اور ہر فرد کا اپنے حقوق و واجبات سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔

اور یہ چیز اخلاقی تربیت اور جہالت کے خاتمہ کے ذریعے امت کے تمام افراد میں شعور کو بیدار کرنے کے ذریعے ممکن ہے اس لئے ریاست کے تمام اداروں پر لازم ہے کہ وہ ثقافتی، دینی، فکری اور علمی شعور کو بیدار کرنے کے لئے شانہ بشانہ کھڑے ہوں جس سے لوگوں کو چیلنجز کے حجم کا ادراک ہو تا کہ وہ ان کا سامنا کریں، جھوٹی افواہوں کو رد کرتے ہوئے انہیں سر اٹھاتے ہی کچل دیں اور ان من گھڑت اور جھوٹی باتوں اور افواہوں کے پیچھے نہ چلیں جو ہمارے ملک کو نقصان پہنچانا چاہتی ہیں، ارشاد باری ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ} "اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ"۔

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے ہم سب ہوشیار اور بیدار رہیں، دوسرے سے عبرت حاصل کریں اور زندگی کے تجربات سے سیکھیں، ارشاد باری ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ} "اے ایمان والو! اپنے بچاؤ کا سامان لے لو"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: "مومن کو ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاسکتا"، ہم سب کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ ریاست کی تعمیر وترقی اور اس کی حفاظت ہم سب کے کندھوں پر ایک امانت ہے ہر کوئی اپنے اپنے شعبہ میں اس کا ذمہ دار ہے اور ہم اس بات کی بھی تاکید کرتے ہیں کہ ریاست کی تعمیر وترقی صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم تخریب کاروں کو کڑے ہاتھوں لیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، ایک آدمی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول، جب وہ مظلوم ہو گا تو میں اس کی مدد کروں گا، آپ کی کیا رائے ہے اگر وہ ظالم ہو تو میں اس کی کیسے مدد کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اسے ظلم سے روک، اور یہی اس کی مدد ہے"۔

ہم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے ہر اس شخص کی پکڑ کرے جو قومی یکجہتی یا قومی مصلحت کو نقصان پہنچانا چاہے، والد اپنے بیٹے کی، بھائی اپنے بھائی کی اور دوست اپنے دوست کی پکڑ کرے، اور ہمیں اپنے ارد گرد سے غافل رکھتے ہوئے منفی کردار ادا نہیں کرنا چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم لوگوں کی ہاں میں ہاں ملانے والے نہ بنو کہ تم کہتے پھرو کہ اگر لوگوں نے اچھا سلوک کیا تو ہم

بھی اچھا سلوک کریں گے اور اگر لوگوں نے ظلم کیا تو ہم بھی ظلم کریں گے بلکہ اپنے آپ کو اس بات پر آمادہ کرو کہ اگر لوگوں نے اچھا سلوک کیا تو تم بھی اچھا سلوک کریں گے اور اگر انہوں نے برا سلوک کیا تو تم ظلم نہیں کروگے "اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اللہ کی حدود پر قائم رہنے والے اور اللہ کی حدود کو تجاوز کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ بحری جہاز میں سوار ہوئے اور انہوں نے اس میں رہائش کے لئے قرعہ اندازی کی تو بعض لوگوں کے لئے اوپر کے حصہ میں رہائش کا قرعہ نکلااور بعض لوگوں کے لئے نیچے کے حصہ میں رہائش کا قرعہ نکلا، سو جو لوگ نچلے حصہ میں وہ پانی لینے کے لئے اوپر کے حصہ میں جاتے تو انہوں نے کہا: اگر ہم اپنے رہائشی حصہ میں سوراخ کرلیں اور سمندر سے پانی لے لیں اور اپنے اوپر والوں کو تنگ نہ کریں (تو بہتر ہے)، پس اگر ان لوگوں کو ان کے ارادہ کے ساتھ چھوڑ دیا جائے (تاکہ وہ جہاز کے پیندے میں سوراخ کردیں) تو سب لوگ ہلاک ہو جائیں گے، اور اگر ان کے ہاتھوں کو پکڑ لیا گیا تو وہ بھی نجات پاجائیں گے اور باقی لوگ بھی نجات پاجائیں گے)

انسان کا خود نیک ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ موجودہ حالات کا تقاضہ ہے کہ انسان ذاتی اصلاح کے دائرہ کار کو تجاوز کر کے دوسروں کی اصلاح کے لئے میدان عمل میں آئے،

ارشاد خداوندی ہے : {لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا} "ان کے اکثر خفیہ مشوروں میں کوئی خیر نہیں، ہاں! بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک کام کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے اور جو شخص صرف اللہ تعالی کی رضامندی حاصل کرنے کے ارادہ سے یہ کام کرے اسے ہم یقینا بہت بڑا ثواب دیں گے"۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی ہے : {وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَى بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ} "اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ کسی بستی کو ظلم سے ہلاک کر دے اور وہاں کے لوگ نیکوکار ہوں"۔ دوسروں کی اصلاح کرنا انبیاء اور رسولوں کی سنت ہے اور اسی سے ریاست کی تعمیر و ترقی، اور اس کے اتحاد و اتفاق، یکجہتی اور قوت کی حفاظت ہوتی ہے تاکہ تمام انسانیت کسی بھی قسم کی لڑائی جھگڑے، تشدد، دہشت گردی اور قتل و غارت اور تخریب کاری کے ذریعے فتنہ و فساد بپا کئے بغیر امن و سلامتی کی زندگی گزار سکے۔

برادرانِ اسلام:

ریاستوں کی تعمیر وترقی اور اس کی حفاظت کا چوتھا عنصر سماجی تعمیر وترقی ہے اسلام نے ایک معاشرے کے افراد کے درمیان قائم ہونے والے سماجی تعلقات وروابط اور ان کے درمیان اتحاد ویکجہتی اور باہمی رحم دلی کے جذبہ کو تقویت دینے اور دوسروں کو نقصان نہ پہنچانے پر خصوصی توجہ دی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے"، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی قسم مومن نہیں ہو سکتا، اللہ کی قسم مومن نہیں ہو سکتا، اللہ کی قسم مومن نہیں ہو سکتا، عرض کی گئی اے اللہ کے رسول، کون مومن نہیں ہو سکتا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ شخص مجھ پر ایمان ہی نہیں لایا جو پیٹ بھر کر رات گزاری اور اس کو علم ہوتے ہوئے بھی اس کے پہلو میں اس کا پڑوسی بھوکا رہا"۔

سماجی تعمیر وترقی کا ایک مظہر خاندانی اتحاد ویکجہتی ہے جو خاندانی ساخت کی حفاظت کرتا ہے، خاندان ہی وہ خِشتِ اول ہے جس سے معاشرے کی عمارت تعمیر ہوتی ہے یہ نئی نسل کی حفاظت، اس کی دیکھ بھال اور اس کے روح وبدن کی پرورش کا ذمہ دار ہوتا ہے،

اسی کے زیر سایہ محبت، رحمت اور باہمی کفالت کے جذبات جنم لیتے ہیں ایک متحد خاندان کی گود میں عمدہ صفات اور اعلی اخلاق پروان چڑھتے ہیں اور محبت کا دور دورہ ہوتا ہے لیکن بات یہاں تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ اپنی اولاد کی تربیت کرنا بھی خاندان کی ذمہ داری ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آدمی کے لئے یہ گناہ ہی کافی ہے کہ وہ ان لوگوں کو ضائع کردے جن کی وہ پرورش کرتا ہے"۔

اور اس سے بڑھ کر ضائع کرنا اور کیا ہو سکتا ہے کہ تم اپنی اولاد اور اپنے جگر پاروں کو گمراہ جماعتوں یا گمراہ افکار و نظریات کا شکار ہونے کے لئے چھوڑ دو اور انہیں اپنے ارد گرد چیلنجز اور خطرات سے آگاہ کرنے کے لئے اپنے فرض کو ادا نہ کرو۔

☆ ریاستوں کی تعمیر و ترقی کا پانچواں عنصر انسانی اقدار کو فروغ دینا ہے جو قومیں اور تہذیبیں انسانی اقدار اور اخلاق پر قائم نہیں ہوتیں وہ قومیں بڑی کمزور اور خستہ حال ہوتی ہیں اور تہذیبیں ان سے بھی زیادہ خستہ حال ہوتی ہیں بلکہ وہ اپنی تعمیر کی بنیادوں میں ہی اپنے زوال کے اسباب اپنے ساتھ لاتی ہیں، ایک مسلمان اخلاق کے ذریعے ایمان کے درجات میں ترقی کرتا رہتا ہے اور میزان عمل میں اس کے ایمان کا پلڑا بھاری ہو جاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "روزِ قیامت بندہ مومن کے

میزان میں حسن اخلاق سے بڑھ کر کوئی چیز بھاری نہیں ہو گی اور اللہ تعالی فحش گو اور بدزبان شخص کو ناپسند کرتا ہے "اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسی چیز سب سے زیادہ جنت میں داخل ہونے کا سبب بنے گی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"خوفِ خدااور حسنِ خلق"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کو کامل ایمان اور ناقص ایمان کا معیار قرار دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومنوں میں سے سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے زیادہ اچھا ہے"۔

اخلاق انسان کو برائیوں اور گندی گفتگو سے محفوظ رکھتا ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: {وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِن فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِن قَرَارٍ} "اور ناپاک بات کی مثال گندے درخت جیسی ہے جو زمین کے کچھ ہی اوپر سے اکھاڑ لیا گیا۔ اسے کچھ ثبات تو ہے نہیں"۔

مفادِ عامہ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں

بیشک جو شخص اسلامی شریعت کے احکامات میں غور و فکر کرتا ہے اس پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ احکامات ملکوں اور بندوں کے مفادات کو ثابت کرنے اور انسانی نفوس کو اعلی ترین مقامات پر فائز کرنے کے لئے آئے ہیں، ہر وہ چیز جو لوگوں کے لئے مفادِ عامہ کا باعث بنے وہ شریعت کے مطابق و موافق ہو گی اگرچہ اس کے بارے میں کوئی صریح نص نہ بھی وارد ہوئی ہو اور ہر وہ چیز جو لوگوں کے مفادات اور ان کے فائدوں سے متصادم ہو گی اس کی شریعت مطہرہ میں کوئی اصل نہیں ہے۔

بیشک دینِ متین نہ تو انفرادیت پسندی، انانیت اور منفی رجحان کو جانتا ہے اور نہ ہی شخصی مفاد کو مفادِ عامہ پر ترجیح دینے کو جانتا ہے، بلکہ وہ تو مفادِ عامہ، سچے ایثار و قربانی اور نیکی و تقوی میں باہمی تعاون کو جانتا ہے تاکہ مطلوبہ ترقی یافتہ معاشرہ اور قابلِ تعریف باہمی کفالت وجود میں آسکے اور اس میں ایک فرد کی کوشش تمام افراد کی خاطر ہو تاکہ بیک وقت فرد اور باقی تمام لوگوں کے لئے بھلائی حاصل ہو سکے اور فرزندانِ وطن کے دلوں میں ایک ایسے جسم کا احساس گہرا ہو جائے کہ جب اس کا ایک حصہ تکلیف کی شکایت کرتا ہے تو اس جسم کے سارے حصے بے خوابی اور بیماری مبتلا ہو جاتے ہیں۔

بیشک جو شخص قرآن کریم میں غور و فکر کرتا ہے یقیناً اسے اس حقیقت کا ادراک ہو جاتا ہے کہ لوگوں کے لئے شرعی احکامات نافذ کرنے کا عمومی اور کلی مقصد لوگوں سے شر اور تکلیف کو دور کرنے اور ان کے لئے بھلائی اور نفع لانے کے ذریعے ان کے مفادات کو پورا کرنا ہے، قرآن کریم نے اس بات کی تاکید کی ہے کہ مصلحت کی حفاظت کرنا اور مفادِ عامہ کو بروئے کار لانا تمام انبیا ورسل کا طریقہ ہے، اللہ تعالی نے ہر رسول اور نبی کو اپنی قوم سے کسی دنیاوی مفاد یا اجرت کا انتظار کئے بغیر ان کی بھلائی اور سعادت مندی کے لئے بھیجا ہے۔ اللہ تعالی نے اپنے نبی نوح علیہ السلام کی زبان پر ارشاد فرمایا: {وَيَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ} "اے میری قوم! میں تم سے اس پر کوئی مال ودولت طلب نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف اللہ کے ذمہ پر ہے"۔ اپنے نبی ھود علیہ السلام کی زبان پر ارشاد فرمایا: {يَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي أَفَلَا تَعْقِلُونَ} "اے میری قوم! میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر صرف اس کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، کیا تم عقل نہیں رکھتے"۔ ابراہیم علیہ السلام اپنے رب سے گڑگڑا کر دعا مانگتے ہیں یہ دعا ان کی لوگوں کے لئے بھلائی کی خواہش کو ظاہر کرتی ہے عرض کرتے ہیں: {رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ

مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ} "اور جب ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب اسے امن والا شہر بنادے اوراس کے باشندوں کو طرح طرح کے پھلوں سے نوازان لوگوں کو جو ان میں سے اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لائے"۔اور یہ بات معلوم ہے کہ یہاں شہر سے مراد اس کے باشندے ہیں، اسی طرح ان کے لئے ایسے رزق کی دعامانگی جوانہیں دوسرے سے مستغنی کردے کیونکہ جب ملک پرامن ہوگا اور اس میں لوگوں کو ضروریاتِ زندگی میسر ہونگی تو یہ چیز وہاں کے رہنے والوں کو اطمینان وسکون کے ساتھ اللہ کی اطاعت کرنے پر معاون ثابت ہوگی اور وہ زمین کو آباد کرنے اور اس کی اصلاح کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ اس تخلیق سے اللہ تعالی کی مراد پوری ہوسکے،اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: {هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا} "اسی نے تمہیں زمین سے پیدافرمایااوراس میں تمہیں آباد کیا"، دوسری جگہ پر فرمایا: {وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا} "اور زمین میں اس کے سنور جانے کے بعد فساد انگیزی نہ کرو"۔

شریعتِ محمدی اس لئے آئی ہے تاکہ وہ اس معتدل انسانی اور اصلاحی اصول کی قدر ومنزلت کو بلند کرے اور مفادِ عامہ کو شخصی مفاد پر ترجیح دینے اور اولویات کو ترتیب

دینے کے ذریعے معاشرے کے استحکام کی حفاظت اور اس کی تعمیر و ترقی کے لئے کوشش کرنے کے اصول و قواعد پختہ کرے تاکہ زندگی منظم اور مستحکم ہو سکے۔ سیرتِ نبوی اور صحابہ کرام کی زندگی ایسے واقعات سے بھری پڑی ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں :

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے کہا: "اگر ہم پیٹ بھر کر کھانا چاہتے تو ہم کھا سکتے تھے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم شدید ضرورت کے باوجود دوسروں کو اپنی ذات اور اپنے اہلِ خانہ پر ترجیح دیتے تھے، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: ہم ایک سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک شخص اپنی سواری پر آیا، راوی کہتے ہیں کہ وہ اپنی نگاہ دائیں بائیں پھیرنے لگا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس ایک سے زائد سواری ہے وہ اسے اس شخص کو دے دے جس کے پاس کوئی سواری نہیں ہے اور جس کے پاس ضرورت سے زائد زادِ راہ ہے وہ اس شخص کو دے دے جس کے پاس زادِ راہ نہیں ہے، راوی کہتے ہیں

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی مختلف اصناف کا ذکر کیا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ ضرورت سے زائد مال میں ہم میں سے کسی کا کوئی حق نہیں ہے"۔

البخاری و مسلم کی صحیحین میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ کہتی ہیں: ایک غریب عورت اپنی دو بچیوں کو اٹھائے ہوئے میرے پاس آئی، میں نے اسے کھانے کے لئے تین کھجوریں دیں تو اس نے دونوں بچیوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک کھجور دی اور ایک کھجور کھانے کے لئے اپنے منہ کی طرف بلند کی تو دونوں بچیوں نے اس سے وہ کھجور بھی کھانا چاہی پس وہ عورت جو کھجور کھانا چاہتی تھی اس کے دو حصے کر کے ان دونوں کو دے دی، اس کے فعل نے مجھے حیران کر دیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے اِس فعل کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیشک اللہ نے اس کے لئے اس فعل کے بدلے جنت واجب کر دی ہے یا اسے جہنم سے آزاد کر دیا ہے"، جب یہ اس عورت کی جزا ہے جس نے اپنی بیٹی کو اپنی ذات پر ترجیح دی ہے تو اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جو کمزور، ضرورت مند اور غریب شخص کو اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہے؟۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شخصیت ہمارے سامنے ہے کہ جب عام الرمادۃ میں مسلمانوں پر فقر اور بھوک نے شدت اختیار کی اور ان کا سامانِ تجارت ملک شام سے واپس آ چکا تھا اور یہ سامانِ تجارت ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا جو گیہوں، تیل اور کشمش سے لدھے ہوئے تھے، مدینہ کے تاجر ان کے پاس آئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم جو چاہتے ہیں وہ آپ جانتے ہی ہیں، آپ ہمیں اپنا سامانِ تجارت فروخت کر دیں، آپ کو پتہ ہے کہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم مجھے اس پر کتنا نفع دوگے؟ انہوں نے کہا : ہم ایک درھم پر دو درھم نفع دیں گے، آپ نے انہیں کہا: مجھے اس سے زیادہ نفع دیا گیا ہے، انہوں نے کہا: ہم ایک درھم پر چار درھم نفع دیں گے، آپ نے کہا: مجھے اس سے بھی زیادہ نفع دیا گیا ہے، انہوں نے کہا: ہم ایک درھم پر پانچ درھم نفع دیں گے، آپ نے کہا: مجھے اس سے بھی زیادہ نفع دیا گیا ہے، انہوں نے آپ سے کہا: اے ابو عمرو، مدینہ میں ہمارے علاوہ کوئی تاجر باقی نہیں رہا اور نہ ہی ہم سے پہلے کوئی تاجر آپ کے پاس آیا ہے تو کس نے آپ کو یہ نفع دیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالی نے مجھے ہر درھم کے بدلے دس درھم دیے ہیں کیا تمہارے پاس اس سے زیادہ

ہے ؟انہوں نے کہا: نہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اللہ کو گواہ بناتاہوں کہ ان اونٹوں کی پشتوں پر جو بھی سامانِ تجارت ہے میں اسے اللہ کی رضا کی خاطر غریب اور مسکین مسلمانوں پر صدقہ کرتاہوں"۔

اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بئرِ رومہ یعنی رومہ کا کنواں خریدنے کا اشارہ کیا جو کہ ایک یہودی شخص کی ملکیت میں تھا اور وہ پانی بہت مہنگا دیتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو رومہ کا کنواں خریدے گا اس کا اس میں سے ایک ڈول پانی نکالنا ایسے ہی ہے جیسے تمام مسلمانوں کا اپنے ڈولوں سے پانی نکالنا ہے" عثمان رضی اللہ عنہ یہودی کے پاس گئے اور اس کی قیمت لگائی تو اس نے سارا کنواں فروخت کرنے سے انکار کر دیا، آپ نے بارہ ہزار درھم کے بدلے آدھا کنواں خریدا اور اسے مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا، ایک دن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے ہوتا تھا اور ایک دن یہودی کے لئے، جب عثمان رضی اللہ عنہ کا دن آتا تو مسلمان اتنا پانی بھر لیتے جو دو دن کے لئے کافی ہوتا، جب یہودی نے یہ دیکھا تو اس نے کہا: آپ نے میرا کنواں خراب کر دیا ہے، تم دوسرا آدھا حصہ بھی خرید لو، تو عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے

خرید لیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تکمیل کرتے ہوئے کیا تھااور آپ نے اس کو مسلمانوں کے مفادِ عامہ کے لئے خریدا تھا۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں جب مسجد حرام لوگوں کے لئے تنگ پڑ گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے مسجد کے پڑوس میں رہنے والوں کو اپنے گھر فروخت کرنے پر مجبور کیا اور انہیں کہا: تم نے کعبہ کے پڑوس میں آکر سکونت اختیار کی ہے کعبہ نے تمہارے پڑوس میں سکونت اختیار نہیں کی۔

اسی طرح عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے بھی ایک مرتبہ یہی کام کیا اور انہیں کہا: "میرے حلم وبردباری نے تمہیں دلیر بنادیا ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے بھی تمہارے ساتھ یہ کام کیا تھا تو تم نے کوئی بات نہیں کی تھی"۔ یہ تمام واقعات ضروریاتِ عامہ اور عام اداروں کے مفاد کی خاطر شخصی ملکیت چھیننے کے جواز پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ راستوں اور قبرستان کی توسیع، مساجد کی تعمیر، قلعوں کی تعمیر، ہسپتال، سکولز، پناہ گاہیں وغیرہ کی تعمیر ہے کیونکہ مفادِ عامہ شخصی مفاد پر مقدم ہے۔

اسی طرح ہم اس بات کی بھی تاکید کرتے ہیں کہ دین کا صحیح فہم اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ لوگوں کے حالات وواقعات کا لحاظ رکھنا اور معاشرے کی اہم ضروریات کو پورا

کرتے ہوئے اولویات کو ترتیب دینا اس مفادِ عامہ کی صورتوں میں شمار ہوتا ہے جس کے بارے میں دینِ حنیف نے ترغیب دی ہے۔ اگر معاشرے کو ہسپتالز تعمیر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ انہیں تیار کرکے مریضوں کا علاج معالجہ اوران کی دیکھ بھال کی جائے تو انہیں اولویت حاصل ہوگی اور اگر معاشرے کو سکولز اور انسٹیٹوٹ کی ضرورت ہے تاکہ انہیں تیار کرکے طالب علموں کو تعلیم دی جاسکے اور ان کی دیکھ بھال کی جاسکے تو انہیں اولویت کا درجہ حاصل کا ہوگا اور اگر تنگ دست لوگوں کے لئے شادی آسانی کرنے، مقروضوں کے قرض ادا کرنے کی شدید ضرورت ہے تو اولویت ان کاموں کو حاصل ہوگی۔

برادرانِ اسلام:

اسلام نے نیک اعمال میں بھی اولویت کی ترتیب کو پیش نظر رکھا ہے اور تفاوت کے وقت مصلحتِ عامہ کو شخصی مصلحت پر مقدم کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ مصلحتِ عامہ کا فائدہ دوسرے لوگوں تک پہنچتا ہے جبکہ شخصی مصلحت کا فائدہ صرف اس شخص کو ہی حاصل ہوتا ہے، اگر کوئی شخص کسی ادارے میں کام کرتا ہے اور اس کام پر اسے اجرت ملتی ہو اور وہ اپنی ساری رات صلاۃ و قیام میں گزار دے اور جب صبح ہو تو وہ تھکاماندہ اپنے

کام پر چلا جائے اور اپنی ذمہ داری کو بھی احسن طریقہ سے ادا نہ کرے اور اس کی وجہ سے اس ادارے اور جن لوگوں کے لئے یہ ادارہ کام کر رہا ہے ان کے منافع معطل ہو جائیں تو کیا یہ امانت کو ضائع کرنا، لوگوں کے مال کو ناحق کھانا اور اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کرنا نہیں ہے ؟اِس سے اس شخص نے نوافل کی ادائیگی کے لئے واجبات کو ضائع کر دیا ہے، اور بلاشبہ یہ مقاصدِ دین سے لاعلمی ہے، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خوب فرمایا تھا جب آپ بسترِ مرگ پر تھے تو آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ایک وصیت لکھی اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ : "اور جان لے اللہ کے لئے ایک عمل رات کو ہے جسے وہ دن میں قبول نہیں کرتا اور ایک عمل دن کو ہے جسے وہ رات کو قبول نہیں کرتا اور وہ نفل کو قبول نہیں کرتا یہاں تک کہ فرض کو ادا کیا جائے"۔

دین کا صحیح فہم جو اس زمانے کے حالات سے موافقت رکھتا ہے اور لوگوں کے حالات وضروریات کو پیشِ نظر رکھتا ہے وہ اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ فہم کا دائرہ کار صرف چند فقہی احکامات تک ہی محدود نہیں ہونا چاہیے کہ ہم ان کو ہی پڑھتے پڑھاتے رہیں اور ان اولویات یا مقاصد یا حالات وواقعات کو سمجھنے اور ان میں غور وخوض کرنے کی کوشش نہ ہی کریں جن سے لاعلم رہنے سے شریعت کے مقاصد کا سب سے اعلی مقصد

مفقود ہو جاتا ہے۔ دینِ حنیف کے احکامات کی مقاصدی فہم اور فقہ اولویات کی ترتیب کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہم اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ معاشرے اور لوگوں کی ضروریات پوری کرنا بار بار حج وعمرہ کرنے سے زیادہ بہتر اور مقدم ہے کیونکہ لوگوں کی ضروریات پوری کرنا جیسا کہ تنگ دست کے لئے آسانی کرنا، اس کی ضرورت پوری کرنا، یا فقیر پر صدقہ کرنا اور اس کی کفالت کرنا یا جیل میں کسی مقروض قیدی کو رہا کرانا یہ سب فرض کفایہ میں شمار ہوتے ہیں اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ فرض کفایہ تمام نوافل پر مقدم ہے اور بار بار حج وعمرہ کرنا بھی نوافل میں شامل ہے۔

آج ہمیں اپنے دین کی ایسی صحیح فہم اور اپنے حالات کا ایسا صحیح ادارک کرنے کی کتنی اشد ضرورت ہے جو ہمیں اس قابل بنادے کہ ہم اپنے دینِ متین کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اور اپنے وطن کی تعمیر وترقی، عروج اور اس کے شایانِ شان مقام تک اس کی رسائی کی خواہش کو پورا کرتے ہوئے اپنے ارد گرد درپیش خطرات کے حجم کا اندازہ لگا سکیں اور مکمل اخلاص کے ساتھ مصلحتِ عامہ اور مفادِ عامہ کو شخصی مصلحت پر مقدم کر سکیں۔

شہادت کا مفہوم: حقیقت یا افسانہ

سنت الٰہی ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے جنہیں چاہتا ہے چن لیتا ہے، ان کے رتبے کو بلند کرتا ہے، ان پر اپنی کرم نوازیوں اور عنایتوں کے دروازے کھول دیتا ہے اور اپنی رحمتوں اور عطاؤں سے ان کی دستگیری فرماتا ہے، بلاشبہ مقام شہادت قرب کا وہ بلند ترین مقام ہے جس کے ذریعے اللہ تعالی اپنی مخلوق میں سے جس پر چاہتا ہے انعام فرماتا ہے، اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: {وَمَن يُطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُولَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيقًا}، (النساء 67)اور جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تو یہی لوگ ان (ہستیوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے جو کہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور یہ بہت اچھے ساتھی ہیں {وَلِيَعْلَمَ اللّٰہُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ}. (آل عمران 140)"اور تاکہ اللہ ایمان والو کو جان لے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا مقام عطا فرمائے".

اللہ رب العزت نے شہداء کو بہت سے مناقب اور انعامات عطا کیے ہیں جن میں سے چند ایک آج کی گفتگو میں آپکے گوش گزار کرتے ہیں:

اللہ تعالی نے شہداء کو سب سے پہلا انعام یہ دیا ہے کہ ان کو بلند مقام و مرتبہ اور اپنا قرب اور پڑوس عطا فرمایا ہے، ان کے لئے اجر عظیم اور نعمتوں کے باغات تیار کیے ہیں: ارشاد خداوندی ہے: {وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ} (الحدید 19)، "اور شہداء اپنے رب کے پاس ہیں اور ان کے اجر ہے اور ان کا نور بھی ہے، کتنا عظیم شرف اور پڑوس ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے لئے اجر عظیم اور ان کے آگے آگے نور ہو گا"، علامہ مسروق علیہ رحمہ فرماتے ہیں: کہ یہ مقام و مرتبہ شہداء کے لئے خاص ہے اور اس شرف اور مقام و مرتبے کی عظمت پر اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی راہ میں شہادت کے خواہش مند تھے تاکہ اس بلند رتبے کا اجر و ثواب آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے حصے میں لکھا جائے، شہداء کے لئے اللہ تعالی کے تیار کردہ مقام و مرتبے کی عظمت کی وجہ سے آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: (وَالذي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ أَنِّي أُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میری خواہش ہے کہ مجھے اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے پھر زندہ کیا جائے پھر

قتل کیا جائے پھر زندہ کیا جائے پھر قتل کیا جائے پھر زندہ کیا جائے اور پھر قتل کیا جائے۔

دوسرا انعام شہداء کے لئے یہ ہے کہ وہ زندہ ہیں ان کے رب کے ہاں ان کو رزق دیا جاتا ہے، وہ زندگی ہماری زندگی کی طرح نہیں بلکہ وہ زندگی انسانی فہم وادراک سے بالاتر ہے اور اسی طرح وہ امت کے اذہان میں بھی زندہ ہیں جن کی یاد کو گردشِ زمانہ کس ساتھ فراموش نہیں کیا جاسکتا، ارشاد خداوندی ہے {وَلاَ تَقُولُواْ لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبيلِ اللّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاء وَلَكِن لاَّ تَشْعُرُونَ} (البقرۃ 154) "اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جائے تم انہیں مت کہو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں"، اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی آپ علیہ الصلاۃ السلام نے فرمایا: اے جابر مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تجھے پریشان دیکھ رہا ہوں، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول میرے والد شہید ہو گئے اور اہل وعیال اور قرض چھوڑ کر گئے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمیں اس بات کی خوش خبری نہ سناؤں جس کے ساتھ اللہ نے تمہارے والد سے ملاقات کی ہے؟ انہوں نے عرض کی ضرور اے اللہ کے رسول

تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: اللہ رب العزت نے بغیر حجاب کے کبھی کسی سے بھی کلام نہیں کیا لیکن اللہ نے تمھارے والد کو زندہ کیا اور اس سے بغیر کسی حجاب کے براہ راست کلام کیا، اللہ نے فرمایا: اے بندے تو تمنا کر میں تجھے عطا کروں گا تو (تمہارے والد نے) عرض کی کہ اے میرے رب تو مجھے زندگی عطا کر تا کہ میں دوبارے تیرے لئے لڑوں، اللہ رب العزت نے فرمایا: کہ میرا فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ دوبارہ اس دنیا میں نہیں لوٹائے جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت یہ ایت نازل ہوئی: {وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ}.

تیسرا انعام جو اللہ تعالی نے شہداء پر فرمایا وہ اللہ کریم کا شہداء کو ان عظیم عنایتوں اور جلیل القدر عطاؤوں سے نوازنا ہے جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے ہاں شہید کے کیلئے چھ خوبیاں ہیں: اس کے خون کے پہلے قطرے میں اسکو بخش دیا جاتا ہے، جنت میں اس کا مقام اس کو دکھادیا جاتا ہے، عذاب قبر سے بچالیا جاتا ہے، قیامت کی بڑی ہولنا کیوں سے محفوظ رہتا ہے، ایمان کا تاج پہنایا جاتا ہے، اور حور العین کے ساتھ شادی کی جاتی ہے اور اسکے عزیز واقارب کے ستر افراد کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ آپ علیہ الصلاۃ

والسلام کا فرمان ہے: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جاں ہے کہ اللہ کی راہ میں جو شہید ہوتا ہے وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا رنگ خون کا رنگ ہو گا اور اس کی خوشبو مشک و عنبر کی خوشبو جیسی ہو گی۔

ہم اس بات کی یقین دہانی کراتے ہیں کہ یہ عالی مقام اور بلند رتبہ جو اللہ تعالی نے شہداء کے لئے تیار کیا ہے یہ صرف حق کی راہ میں شہید ہونے والے کو ہی نصیب ہو گا کیونکہ ایک شخص وہ ہے جو اللہ کی راہ میں شہید ہوا اور ایک شخص وہ ہے جو باطل کی راہ میں مارا گیا۔

حق کی راہ میں شہید وہ ہے جس نے ہر سرکش کے خلاف ڈٹ کر وطن کا دفاع کیا اور اپنے اھل وطن اور اپنی سر زمین کی حفاظت کرتے ہوئے رضائے الٰہی کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا، وطن اور عزت وناموس کا مقام اور اہمیت جان، مال اور دین کے مقام اور سے کم نہیں ہے، یہ ان عمومی مقاصد میں سے ہیں جن کی حفاظت کے ضرورت ہونے پر شریعت نے زور دیا ہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص اپنے مال کا دفاع کرتے ہوئے قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے، جو شخص اپنے اہل وعیال، یا اپنی جان یا اپنے دین کا دفاع کرتے ہوئے قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے، ایک آدمی نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوااور عرض کی: یارسول اللہ آپ کا کیاخیال ہے کہ کوئی شخص آکر میرا مال چھیننا چاہتا ہے، آپ نے فرمایا: تم اپنامال اسے نہ دو اس نے عرض کی کہ آپ کا کیاخیال ہے اگر وہ مجھ سے لڑائی کرے آپ نے فرمایا تم بھی اس سے لڑائی کرو، اس نے عرض کی کہ آپ کا کیاخیال ہے اگر وہ مجھے کردے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: توتم شہید ہو، اس نے عرض کی کہ آپ کا کیاخیال ہے اگر میں اس کو قتل کردوں؟ توآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جہنمی ہے۔

یہاں تک باطل کی راہ میں مارے جانے والے شخص کا تعلق ہے جو معصوم لوگوں کا ناحق خون بہاتا ہے فرزندانے وطن کو خوف زدہ کرتا ہے، انکے امن وامان کے لئے خطرہ بنتا ہے، زمیں پر انتشار وفساد پھلاتا ہے، خودکش دھماکوں اور دہشت گردی کی کاروائیوں جن کو نہ توکوئی دین تسلیم کرتا ہے اور نہ ہی کوئی عقل قبول کرتی ہے، ان کے ذریعے پرامن لوگوں خوف زدہ کرتا ہے تو وہ ہر گز شہید شمار نہیں کیا جائے گا اور اس کو شہید کہنا ایک بے بنیاد جھوٹا دعوی ہے اور کلام کو اپنے سیاق وسباق سے بدل کر پیش کرنا ہے۔

دہشت گرد جماعت کے بعض جھوٹے دعوؤں کا رد کرنے کے لئے ازہر شریف نے 2019/2/23 کو جاری کردہ بیان میں اس بات کی تاکید کی ہے کہ حقیقی شہداء وہ لوگ ہیں جو ہر سرکش کے خلاف ڈٹ کر اپنے وطن کا دفاع کرتے ہیں اور اس کی مٹی، فضاء اور اس کے مکینوں کی حفاظت کے لئے اپنی جانیں قربان کرتے ہیں اور جو لوگ اپنے ہم وطنوں کو خوف زدہ کرتے ہیں، ان کے امن و امان کے لئے خطرہ بنتے ہیں اور اس کے چاروں طرف فتنہ انگیزی اور لاقانونیت عام کرنے کے لئے کوشش کرتے ہیں وہ شہید نہیں۔

یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ ایک مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنے وطن کا وفادار، محبت کرنے والا، اس کا محافظ اور اپنے قول و فعل سے اس کا دفاع کرنے والا ہو، وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے اس بات کی تاکید اسلامی عقیدہ کرتا ہے اور سنت نبوی بھی کرتی ہے بلکہ سلیم الفطرت اور عقل مند لوگ بھی اس بات پر متفق ہیں۔

دار الافتاء مصریہ نے بہت سے فتوے جاری کئے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ اس طرح کی کاروائیاں دہشت گردی ہے اور ان کو سر انجام دینا خودکشی کی ہی ایک صورت ہے جو اللہ رب العزت کے ہاں سب سے عظیم اور بڑا گناہ ہے کیونکہ یہ کام کرنے والا شخص

جاہل ہے جس نے اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈھکیل دیا ہے، حق سبحان وتعالی ارشاد فرماتا ہے: (ولا تقتلوا أنفسکم)(النساء 29)، "اور تم اپنی جانوں کو ہلاک مت کرو"۔

اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں (جس شخص نے اپنے آپ کو لوہے کے آلہ سے قتل کیا تو لوہے کا آلہ اس کے ہاتھ میں ہوگا جس کے ساتھ وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہتے ہوئے اپنے پیٹ کو کاٹے گا اور امام نووی نے اپنی شرح صحیح مسلم میں اس حدیث پر باب باندھا ہے: "باب غلظ تحریم قتل الانسان نفسہ، ان من قتل نفسہ بشئ عذب بہ فی النار"، اور انہیں جیسے لوگوں پر اللہ تعالی کا یہ فرمان صادق آتا ہے: { أَفَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا } (فاطر 8) "بھلا جس شخص کے لئے اس کا برا عمل آراستہ کر دیا گیا ہو اور وہ اسے اچھا سمجھنے لگے"۔

ہم یہ واضح کرتے ہیں کہ جو لوگ اس طرح کی خودکش کاروائیاں سرانجام دیتے ہیں وہ غالی خوارج اور ان کے بعد آنے والی گمراہ کن جماعتوں کے مذہبی افکار کی پیروی کرتے ہیں جو معاشرے کی تکفیر کرتیں ہیں اور اس کے تمام افراد کو مباح الدم سمجھتی ہیں۔

دھماکہ خیزی، تباہی، تخریب کاری، دھوکے سے قتل کرنے اور خود کشی کو ذریعہ بنانا یہ سب شرعی طور پر حرام کام ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ سارے کام دین متین کی ان نصوص کے مخالف ہیں جو جان، مال اور وطن کی حفاظت کرنے کے واجب ہونے کا حکم دیتیں ہیں، تو کسی انسان کا اپنے آپ کو ہلاک کرنے، اپنی روح نکالنے، دوسروں کی جانوں پر زیادتی کرنے اور زمین میں فساد کرنے کے لئے اقدام کرنے کو دین متین نے حرام قرار دیا ہے۔

اسلام نے خون کی حرمت اور اس کی حفاظت کی ضرورت پر بہت زور دیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃالوداع کے موقع پر اپنے جامع خطبے کا آغاز ان کلمات کے ساتھ کیا ("اے لوگو! تمہاری جانیں، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تم پر اسی طرح حرمت والی ہیں جس طرح تمہارا آج کا دن حرمت والا ہے، جس طرح تمہارا یہ مہینہ حرمت والا ہے اور جس طرح تمہارا یہ شہر حرمت والا ہے۔ بیشک تم اپنے رب سے ملاقات کروگے وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا، تم میرے بعد کافر یا گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگ جاؤ)، آپ علیہ الصلاۃ

والسلام نے فرمایا("آدمی اس وقت تک اپنے دین کی کشادگی میں رہتا ہے جب تک وہ کوئی ناحق خون نہ بہادے)۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کے طواف کے دوران دیکھا آپ فرمارہے تھے تو کتنا عمدہ ہے تیری خوشبو کتنی عمدہ ہے، تو کتنا عظیم ہے تیری حرمت کتنی بڑی ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اللہ کے ہاں بندہ مومن اور اس کے مال اور خون کی حرمت تیری حرمت سے بڑھ کر ہے

اسلام نے اللہ کی حرام کردہ جان کو ناحق قتل کرنے سے روکا ہے اور اس پر بہت سخت وعید مرتب کی ہے، اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا: {وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا} . (النساء93)، "اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے تو اس کی سزا دوزخ ہے کہ وہ ہمیشہ اس میں رہے گا اور اس پر اللہ غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس نے اس کے لئے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

برادرانِ اسلام:

اس زندگی میں عظیم مقاصد کو پانااور بڑے اہداف تک رسائی حاصل کرناایسی قربانیوں کا تقاضا کرتا ہے جو ان اہداف کی بلندی اور مقاصد کی عظمت وشرف کے مناسب ہو، اور ان قربانیوں میں سرِ فہرست اپنے وطن اور اس کی عزت وناموس کا دفاع کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں اپنی جان کی قربانی پیش کرنا ہے۔

آج جب ہم یومِ شہید منا رہے ہیں تو ہم اپنے لئے اپنی بہادر فوج اور پولیس کے نوجوانوں اور ان تمام پاکباز ہم وطنوں کی یاد تازہ کر رہے ہیں جو دہشت گردی، شر اور اندھیروں کا سامنا کرتے اللہ کے حضور حاضر ہو گئے اور اللہ کی خوشنودی سے سرفراز ہوئے۔

یہ بہادر شہداء ہی حقیقی شہداء ہیں، حقیقت اور دعوے میں بہت بڑا فرق ہے، یہی بہادر ہیں جنہوں نے ہمارے اندر عزت ووقار، مروءت، اور جوانمردی کی روح کو پیدا کیا، مصر کے مقام اور وقار کی حفاظت کی اور ابھی تک وطن کے محافظ دہشت گردی اور گمراہ کن تکفیری جماعتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے وطن کی راہ میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں، اور ان کے لئے اللہ تعالی کی مدد پر ہمیں مکمل یقین اور اعتماد ہے۔

ہم اپنے لئے اللہ تعالی اور وطن کی راہ میں شہادت کی امید رکھتے ہیں،اور کیونکہ نہ رکھیں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(جس نے صدقِ دل سے اللہ تعالی سے شہادت طلب کی تو اللہ تعالی اسے شہداء کے مقام تک پہنچائے گا اگرچہ اسے اپنے بستر پر ہی موت آگئی ہو۔

اس وقت ہمارا وطن عزیز جس مرحلے سے گزر رہا ہے تو ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ہم ہر اس دشمن اور خطرے سے وطن کی حفاظت اور دفاع کریں جو اس کے امن واستقرار کے لئے چیلنج بن رہا ہو اور تعمیر وترقی کے کارواں کو جاری رکھنے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لایں، ہمارا دین زندگی عطاء کرتا ہے نا کہ موت، تعمیر وترقی کا دین ہے نا کہ فساد انگیزی اور تخریب کاری کا دین، ہمارا فرض ہے کہ ہم سب مل کر ہر اس شخص کے خلاف شانہ بشانہ کھڑے ہو جائیں جس کے نفس نے اسے ہمارے اس وطن کے خلاف جسارت کرنے پر اکسایا ہے جسے مختلف سازشیں اپنے گھیرے میں لے رہی ہیں جن کا ہدف مصر،اس کی عوام اور ان کی سر زمین کو نقصان پہنچانا ہے جس کے سامنے مصر کے مخلص بیٹے سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہیں اور اپنی سر زمین کی حفاظت اور دفاع کرتے ہوئے اپنی جان ومال کا نذرانہ پیش کر رہے

ہیں، مصر عرب کی زرہ اور اسلام کا ڈھڑکتا ہوا دل ہے اس کا دفاع کرنا شرعی واجب اور دینی حق ہے، مصر کو نقصان پہنچانا در حقیقت اسلام کو نقصان پہنچانا ہے اور تمام ممالک میں مسلمانوں کو کمزور کرنا ہے، ہمیں کینہ پرور لوگوں کے کینے، مکار لوگوں کی مکاری اور فتنہ پرور لوگوں کے فتنہ وفساد سے اس ملک کا دفاع کرنے کے لئے ایک صف بن کر کھڑے ہونا چاہیئے۔

شہادت کا مفہوم اور شہداء کے درجات

اللہ تعالی کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کو اس نے مقام شہادت پر فائز کرنے کے لئے چن لیا ہے، ارشاد باری ہے: {وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ} "اور تاکہ اللہ تعالی ایمان والوں کو ظاہر کر دے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے"۔ لفظ شہادت کے شرف کی وجہ سے علماء نے اس کے متعدد مفاہیم اور معانی بیان کئے ہیں، بعض علما کہتے ہیں کہ ان کو شہید اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالی اور اس کے فرشتوں نے ان کے لئے جنت کی گواہی دی ہے، بعض کہتے ہیں کہ ان کو شہید اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے، اور یہ اپنے لئے اللہ تعالی کی تیار کردہ نعمتوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں، اور اپنے ساتھ کئے ہوئے اللہ کے وعدہ کی صداقت کا مشاہدہ کر رہے ہیں، اور اس طرح کے کئی اور عمدہ معانی بیان کئے گئے ہیں جو کہ لفظ شہادت کی عظمت اور شرف کو مزید بڑھا دیتے ہیں اور اللہ کے ہاں شہداء کے مقام و مرتبے کو بیان کرتے ہیں، ارشاد باری ہے: {وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَن يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ * سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ * وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ} "اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کر دیے گئے اللہ تعالی ان کے اعمال ہر گز ضائع نہ کرے گا۔

انہیں راہ دکھائے گا اور ان کے حالات کی اصلاح کردے گا۔ اور انہیں اس جنت میں لے جائے گا جس سے انہیں شناسا کر دیا ہے"۔

اس شخص سے بڑھ کر کوئی اور اللہ کی رحمت کا حق دار نہیں بن سکتا جو اپنے وطن کی عزت وناموس کا دفاع کرتے ہوئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے شہادت کے مقام پر فائز ہو جائے، اور یہ ایک ایسا نفع بخش سودا ہے جس میں ہر گز کوئی خسارہ نہیں ہو گا، کیونکہ ارشاد باری ہے: {إِنَّ اللهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ} "بیشک اللہ تعالی نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کے لئے جنت ہے"۔

اللہ کی راہ میں شہادت کی مختلف اقسام ہیں جن میں سب سے اعلی وارفع درجہ اپنے وطن کے دفاع اور اللہ کی رضا کی خاطر دشمن کے مقابلے میں جام شہادت نوش کرنا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دو قطروں اور دو نشانوں سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ کی بارگاہ میں محبوب نہیں ہے، اللہ کے ڈر سے نکلنے والا آنسو کا قطرہ، اور اللہ کی راہ میں بہنے والا خون کا قطرہ، اور دو نشانوں سے مراد اللہ کی راہ میں قدموں کے نشان، اور اللہ کے فرائض میں سے کسی فرض کی ادائیگی میں قدموں کا نشان"۔

شہادت کی مختلف صورتیں ہیں جو کہ مقام و مرتبہ کے لحاظ سے کم نہیں ہیں، ان میں سے ایک اپنے وطن کی حفاظت، یا اپنے قومی ذخائر کی حفاظت، یا اپنے وطن کے ترقی کے لئے کوئی کام کرتے ہوئے شہید ہونے والا ہے، جیسا کہ پولیس والا شخص جو عبادت گاہوں کی حفاظت کرتا ہے، یا اپنے ملک میں آنے والے سیاحوں کی حفاظت کرتا ہے، یا اپنے قومی اور تاریخی آثار کی حفاظت کرتا ہے، اور اپنے کام کو اخلاص اور مکمل ذمہ داری کے ساتھ احسن طریقے سے ادا کرتے ہوئے شہید ہو جاتا ہے، اسی طرح ہر وہ شخص جو اپنا فرض ادا کرتے ہوئے شہید ہو جاتا ہے تو وہ اللہ کی راہ میں شمار ہو گا، جیسا کہ عام کلرک جو عام مال کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہو جائے۔

اسی طرح جو اپنا یا کسی دوسرے شخص کا دفاع کرتے ہوئے، اپنی عزت و ناموس یا کسی دوسرے شخص کی عزت و ناموس کا دفاع کرتے ہوئے، اپنے مال یا کسی دوسرے شخص کے مال کا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جاتا ہے تو وہ شہید ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: "جو اپنے مال کا دفاع کرتے ہوئے قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے، اور جو اپنی جان کا دفاع کرتے ہوئے قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے، اور جو اپنے دین کا دفاع کرتے ہوئے قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے، اور جو اپنے اہل خانہ کا دفاع کرتے ہوئے

قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے"، یہ سب اپنے وطن اور ان کے ذخائر کی حفاظت کرتے ہیں، ان مالوں، جانوں اور عزتوں کی حفاظت کرتے ہیں جن پر ظلم وزیادتی کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے، اور ان کی حفاظت کا حکم دیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلم پر مسلم بھائی کی جان، مال اور عزت حرام ہے"۔

شہادت ایک خداوندی عطیہ ہے جو اللہ تعالی اپنے نبیوں اور رسولوں کے بعد اپنی مخلوق کے بہترین افراد کو عطا کرتا ہے، اور یہ روز قیامت اعلی ترین درجات پر فائز ہونگے، اور شہادت کے مختلف ثمرات اور فوائد ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

☆ شہداء موت اور اس کی سختی کو محسوس نہیں کرتے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "شہید کو موت کے چھونے سے صرف اتنی سی تکلیف ہوتی ہے جتنی تم میں سے کسی کو چٹکی بھرنے سے تکلیف محسوس ہوتی ہے"۔

☆ شہداء قبر کے عذاب اور اس کی آزمائش سے محفوظ رہتے ہیں: ایک آدمی نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! شہید کے سوا مومنوں کو قبر کی آزمائش میں کیوں ڈالا جاتا ہے ؟ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "اس کے سر کے اوپر تلواروں کی چمک ہی آزمائش کے لئے کافی ہے"۔

☆ شہداء کا نیک عمل کبھی ختم نہیں ہو گا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر میت کے عمل کو بند کر دیا جاتا ہے سوائے اس شخص کے جس کو اللہ کی راہ میں سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے موت آئے، پس اس کا عمل روز قیامت تک جاری رہتا ہے اور وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے"۔

☆ شہداء کے لئے بہت بڑا اجر اور عظیم نعمتیں ہیں: "شہید کے خون کے پہلے قطرے کے گرتے وقت اس کو بخش دیا جاتا ہے، اور وہ جنت میں اپنے مقام کو دیکھ لیتا ہے، اور اسے قبر کے عذاب سے محفوظ رکھا جاتا ہے، اور بڑی سختی سے بھی محفوظ رہے گا"۔

اسی طرح روز قیامت شہید اس طرح عزت و تکریم سے دوبارہ زندہ کیا جائے گا کہ اس سے کستوری کی خوشبو آرہی ہو گی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، جس شخص کو اللہ کی راہ میں قتل کیا جاتا ہے—اور اللہ اسے بہتر جانتا ہے جسے اس کی راہ میں قتل کیا جاتا ہے —وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا رنگ خون کا رنگ ہو گا، اور اس کی خوشبو کستوری کی خوشبو ہو گی"

برادرانِ اسلام:

شہداء کو قربانی، مردانگی اور عزت و شرف کی مثال کے طور پر امت کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھ جائے گا، اور اللہ تعالی نے ان کو وہ حقیقی اور ابدی زندگی عطا فرمائی ہے جس کی کوئی نظیر نہیں ہے، ارشاد باری ہے: : {وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ * فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ * يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ} "اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں ان کو ہر گز مردہ نہ سمجھیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالی نے اپنا فضل جو انہیں دے رکھا ہے اس سے بہت خوش ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں ان لوگوں کی بابت جو اب تک ان سے نہیں ملے ان کے پیچھے ہیں، اس پر کہ انہیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگیں ہوں گے۔ وہ خوش ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس سے بھی کہ اللہ تعالی ایمان والوں کے اجر کو برباد نہیں کرتا"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہیں، اور ان کے لئے عرش کے ساتھ لٹکے ہوئے فانوس ہیں، یہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں گھومتے پھرتے ہیں، اور پھر ان فانوسوں کے پاس لوٹ آتے ہیں، ان کے رب نے ان پر نظر کرم فرمائی

اور فرمایا: کیا تم کوئی چیز چاہتے ہو؟، انہوں نے کہا: ہمیں کیا چیز چاہیے جبکہ ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں گھومتے پھرتے ہیں، اور ان کے رب نے تین مرتبہ ان کے ساتھ ایسا کیا، پس جب انہوں نے دیکھا کہ ان کا سوالوں سے چھٹکارا نہیں ہے، تو انہوں نے عرض کی اے ہمارے رب ! ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں واپس لوٹا دیا جائے تاکہ انہیں تیری راہ میں دوبارہ قتل کیا جائے، پس جب ان کے رب نے دیکھا کہ ان کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے تو ان کو چھوڑ دیا گیا"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے صدق نیت کے ساتھ اللہ سے شہادت کا سوال کیا تو اللہ تعالی اسے شہیدوں کے درجات پر فائز کرے گا، اگرچہ اسے اس کے بستر پر ہی موت آئے"، چنانچہ اس شخص کو مبارک ہو جس کو اللہ تعالی نے شہادت کے لئے چن لیا، ارشاد باری ہے: { وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا } "اور جو بھی اللہ تعالی کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فرمانبرداری کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ تعالی نے انعام کیا ہے، جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، اور یہ بہترین رفیق ہیں"۔

شہادت کی فضیلت اور شہداء کے اہلِ خانہ کے متعلق ہمارا فرض

اللہ تعالی نے انسان کو زمین کی آبادکاری اور اس کی اصلاح کے لئے پیدا کیا ہے، حق سبحانہ و تعالی نے اس آبادکاری کے لئے معاون ثابت ہونے والی ہر چیز کی انسان کے لئے حفاظت کی ہے اور انسانی نفس جس کے ساتھ شرعی احکامات کا تعلق ہے، اس کی مکمل حفاظت فرمائی ہے اور اس پر کسی قسم کے ظلم و زیادتی، یا زمین پر فتنہ و فساد برپا کرنے کو تمام لوگوں پر ظلم و زیادتی قرار دیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: {مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا} "جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کرڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا، اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے، اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا"۔

زمین کی آبادکاری اور اس کو قابلِ کاشت بنانا ایک ایسا اعلی ہدف ہے جو اپنے وطن اور دین سے مخلص لوگوں کی بہت سی قربانیوں کے بعد حاصل ہوتا ہے جنہیں اپنے وطن، دین اور پرامن زندگی کی اہمیت کا پتہ ہوتا ہے، لہذا وہ اس ہدف کے حصول کے لئے اپنی جان و مال تک کی قربانی پیش کر دیتے ہیں، اور اپنے رب کے ساتھ ایک نفع بخش

تجارت میں داخل ہو جاتے ہیں، اور یہ ایسی تجارت ہے جس میں کبھی نقصان نہیں ہوتا، ارشاد باری تعالی ہے : {إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ} "بلاشبہ اللہ تعالی نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔ وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں پس وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں، اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے، تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے معاملہ طے کیا ہے خوشی مناؤ، اور یہ بڑی کامیابی ہے"۔

چنانچہ ان کی جزا ان کے عمل کی جنس سے تھی، وہ دوسرے کو جو پر امن زندگی مہیا کرنا چاہتے تھے اللہ تعالی نے ان کی اچھی نیت کی وجہ سے انہیں اس سے بہتر دائمی پر امن اور خوشحال زندگی عطا فرمائی، ارشاد باری تعالی ہے : {وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِن لَّا تَشْعُرُونَ} "اور اللہ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ مت کہو وہ زندہ ہیں، لیکن تم نہیں سمجھتے"۔

اللہ کی راہ میں شہادت ایک بہت بلند مرتبہ اور اعلی مقصد ہے جو اللہ کے برگزیدہ بندوں کو ہی حاصل ہوتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: {وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ} "اور تم میں سے بعض کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمائے"۔

اور یہ انبیاء اور صدیقین کے بعد اللہ کے محبوب ترین بندوں کے لئے اللہ کی طرف سے انعام ہے، ارشاد باری تعالی ہے: {وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا} "اور جو بھی اللہ تعالی کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فرمانبرداری کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ تعالی نے انعام کیا ہے، جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں"۔

اسی طرح شہادت کا مرتبہ شہداء کو قبر کی سختیوں سے اور قیامت کے دن ہلاکت سے محفوظ رکھے گا، ایک آدمی نے عرض کی اے اللہ کے رسول، شہید کے سوا دوسرے مسلمانوں کو قبر کی سختیوں میں مبتلا کیوں کیا جاتا ہے؟، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا (شہید کے سر کے اوپر تلواروں کی چمک کی سختی ہی کافی ہے)، اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: {وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ

اللہؒ} ''اور صور پھونک دیا جائے گا پس آسمانوں اور زمین والے سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے مگر جسے اللہ چاہے''۔

جب اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالی بے ہوش کر کے گرانا نہیں چاہے گا؟، تو جبریل نے کہا: وہ اللہ کی راہ کے شہید ہیں، شہداء کرام کے مقام و مرتبہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہی کافی ہے کہ (ہر میت کا عمل بند کر دیا جاتا ہے سوائے اللہ کی راہ میں سرحدوں کی حفاظت کرنے والے کے،اس کے عمل کا اجر اس کو قبر سے دوبارہ زندہ کیے جانے تک جاری رہتا ہے)۔

اس لئے جس شخص کو اللہ تعالی شہادت نصیب فرمائے، وہ اس کی فضیلت کو دیکھ لے اور اس کے مقام و مرتبہ کو پالے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش اسے دنیا میں دوبارہ لوٹایا جائے اور بار بار شہید کیا جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (شہید کے سوا جنت میں داخل ہونے والا کوئی شخص اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ اسے دنیا میں واپس بھیجا جائے اور اس کے لئے زمین پر کوئی چیز ہو، پس شہید جو عزت و تکریم دیکھتا ہے اس کی وجہ سے وہ اس بات کی تمنا کرے گا کہ اسے دس مرتبہ دنیا میں واپس بھیجا جائے اور

قتل کیا جائے)،اور شہادت کی فضیلت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ نبی کریم صلی للہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میری خواہش ہے کہ مجھے اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے پھر زندہ کیا جائے پھر قتل کیا جائے پھر زندہ کیا جائے پھر قتل کیا جائے پھر زندہ کیا جائے اور پھر قتل کیا جائے)۔

اسی لئے صحابہ کرام سب سے زیادہ شہادت کے آرزو کرتے تھے، وہ اس کے خواہش مند رہتے اور اس کے حصول کے لئے جلدی کرتے تھے، حضرت عمرو بن جموح ایک ٹانگ سے اپاہج تھے وہ بدر کے دن میدانِ جنگ میں ساتھ جانا چاہتے تھے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اپاہج ہونے کی وجہ سے انہیں ساتھ جانے سے منع کر دیا، جب احد کا دن آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا مجھے ساتھ لے کر چلو، انہوں نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نہ جانے کی رخصت دی ہے، اس صحابی نے اپنے بیٹوں کو کہا، دور ہو جاؤ، تم نے بدر کے دن مجھے جنت سے روک دیا، کیا اب احد کے دن بھی تم مجھے جنت سے روک رہے ہو، انہوں نے ساتھ جانے پر اصرار کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی اے اللہ کے رسول، جو آج قتل ہو

گا وہ جنت میں داخل ہو گا؟، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایاہاں، اس صحابی نے عرض کی اللہ کی قسم میں اپنے اہلِ خانہ کی طرف واپس نہیں جاؤں گا یہاں تک میں جنت میں داخل ہو جاؤں، عمر بن خطاب نے کہااے عمرو، اللہ قسم مت کھاؤ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اے عمر! ٹھہر جاؤ، ان میں سے کچھ ایسا افراد ہیں جو اگر اللہ کی قسم کھالیں تو وہ اسے پوری کر دے گا، اور ان میں سے ایک عمرو بن جموح ہے، یہ جنت میں اپنے لنگڑے پن کے ساتھ داخل ہو گا)۔

جب اسلام مروت، مردانگی، عزت و وقار، پاکدامنی، اور مال، جان، عزت اور حقوق کی حفاظت کا دین ہے تو اس نے ان تمام چیزوں کی حفاظت کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے، اور ان اخلاق و آدب کا دفاع کرنے کو اعلی ترین مقصد قرار دیا ہے، جو شخص ان چیزوں کا دفاع کرتے ہوئے فوت ہو جائے وہ شہید ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جو شخص اپنے مال کا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے، جو اپنے دین کا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے، جو اپنی جان کا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے، اور وہ اپنے ہلِ خانہ کا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے)، اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے: (قتل ہونے والا شہید ہے، عمارت کے نیچے آنے

والا شہید ہے، پیٹ کی بیماری سے مرنے والے شہید ہے، جس کو درندہ کھا جائے وہ شہید ہے، سانپ کے ڈسنے سے مرنے والا شہید ہے، سل بیماری سے مرنے والا شہید ہے، جو اللہ کی راہ میں سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے مر جائے وہ شہید ہے، جس نے اپنی کروٹ بدلتے وقت اللہ کا ذکر کیا اور پھر فوت ہو گیا وہ شہید ہے، دورانِ نفاس مرنے والی عورت شہید ہے، اور جو شخص اللہ کی بات سربلند ہونے اور کافروں کی بات سرنگوں ہونے کی آرزو کرتے ہوئے اپنے بستر فوت ہو جائے وہ شہید ہے)، اسی طرح جو شخص صدقِ نیت سے شہادت طلب کرے وہ بھی شہادت کی فضیلت سے محروم نہیں رہتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جس شخص نے صدقِ نیت کے ساتھ اللہ سے شہادت کا سوال کیا تو اللہ تعالی اسے شہداء کا مقام و مرتبہ عطا فرمائے گا اگرچہ وہ اپنے بستر پر ہی فوت ہو جائے)۔

حقیقی شہید وہ ہے جس نے حق کو قبول کیا، اس کے لئے مخلص ہو گیا اور اس کی خاطر قربانی دی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (جو شخص اس لئے لڑا کہ اللہ کی بات بلند ہو تو وہ شہید ہے)، شہید کو دنیا و آخرت میں عظمت و شرف نصیب ہوتا ہے، دنیا میں اس کا نام مردانگی، بہادری، جرأت کی علامت کے طور امت کی تاریخ میں سنہری

حروف سے لکھا جاتا ہے، ہمارے شہداء ہمارے قلوب واذہان میں زندہ رہیں گے ہم انہیں فخر سے یاد کرتے رہیں گے خواہ کتنی نسلیں ہی گزر جائیں، اور قیامت کے دن اللہ تعالی انہیں عزت وشرف کا تاج پہنائے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جو شخص بھی اللہ کی راہ میں شہید کیا جاتا ہے—اور اللہ تعالی اسے بہتر جانتا ہے جو اس کی راہ میں شہید کیا جاتا ہے—وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا رنگ خون کا رنگ ہوگا اور اس کی خوشبو کستوری کی خوشبو ہوگی)۔

ہمارے شہداء نے دوسروں کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے اور اپنے پیچھے اپنے خاندان چھوڑ گئے ہیں ہمارے ذمے ان کے کچھ حقوق وواجبات ہیں:

☆ پہلا حق یہ ہے کہ ہم ان کی طرف عزت وفخر کی نگاہ سے دیکھیں اور اس احسان کا اعتراف کریں جو ان کے والدین نے ہم پر کیا ہے، قدر والے ہی اہلِ قدر کو جانتے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: {هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ} "احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا)، اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے: (جو شخص تمہارے ساتھ کوئی نیکی کرے تو تم اس کا بدلہ دو، اور اگر تم اس کا بدلہ نہ دے سکو تو اس کے لئے دعا کرتے رہو یہاں تک کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ تم نے اس کا بدلہ دے گیا)، اور انسان کے اپنے وطن اور عزت وناموس کی خاطر اپنی جان کے نذرانہ پیش کرنے کے برابر کونسی نیکی ہو سکتی ہے۔

☆دوسرا حق یہ ہے کہ ہم انہیں اپنے باپ یا اپنے گھر کے سربراہ سے محروم ہونے کی تکلیف کو محسوس نہ ہونے دیں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم ان کی دیکھ بھال کریں، ان کے ساتھ کچھ وقت گزاریں، ان کے چہروں پر خوشیاں لائیں، اور ان سے اچھا سلوک کریں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہیدوں کے اہلِ خانہ اور ان کے بیٹوں کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے، اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جب جنگ موتہ میں شہید ہو گئے اور اپنے پیچھے چھوٹی اولاد چھوڑ گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سنبھالی، آپ علیہ الصلاۃ والسلام ان سے پیار و محبت اور شفقت کیا کرتے اور ان کی کفالت کیا کرتے تھے۔

برادرانِ اسلام:

☆ شہداء کے اہلِ خانہ کا ہمارے ذمہ ایک حق یہ ہے کہ ہم انہیں پرامن اور خوشحال زندگی مہیا کریں، کیونکہ ان کے باپ ہمیں پرامن زندگی فراہم کرنے کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے شہید ہوگئے ہیں، جو شخص شہداء کے اہلِ خانہ اور ان کی اولاد کی دیکھ بھال کرتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے اجر وثواب کی ضمانت دی ہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے کہ: (جس نے اللہ کی راہ میں نکلنے والے شخص کو سامان تیار کر کے دیا وہ خود اللہ کی راہ میں نکلا، اور جس نے اللہ کی راہ میں نکلنے والے شخص کے بعد اس کے اہلِ خانہ سے بھلائی کی وہ خود اللہ کی راہ میں نکلا)، اللہ کی راہ میں نکلنے والے شخص کے بعد اس کے اہلِ خانہ سے بھلائی کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان کی معاملات کی دیکھ بھال کی اور ان کی ضروریات پوری کی، اس سے اسے شہادت کا ثواب ملے گا، اسی طرح ان کے اہلِ خانہ کی دیکھ بھال کرنا ان کے احسان اور نیکی کا اعتراف کرنا ہے ہمارے ذمہ ان کے حق کو ادا کرنا ہے، بخاری شریف میں مذکور ہے زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ (میں عمر بن خطاب کے ساتھ بازار کی طرف نکلا تو ایک جوان عورت عمر کے پاس آئی اور اس نے کہا اے

امیر المومنین! میرا خاوند فوت ہو گیا ہے اور وہ چھوٹے بچے چھوڑ گیا ہے، نہ تو وہ پائے پکا سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے پاس کچھ ہے، مجھے ڈر ہے کہ انہیں درندے کھا جائیں گے جبکہ میں خفاف بن ایماء غفاری کی بیٹی ہوں، اور باپ حدیبیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھا، عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ کھڑے رہے اور آگے نہ چلے، پھر کہا قریبی نسب کو خوش آمدید، پھر ایک اونٹ کی طرف چلے گئے جو گھر میں بندھا ہوا تھا اس پر دو تھیلے رکھے جنہیں کھانے سے بھرا اور ان دونوں کے درمیان نان نفقہ اور کپڑے رکھے، پھر اس کی لگام اس عورت کو پکڑائی اور کہا اسے ہانک کر لے جاؤ، اور وہ ہر گز مطمئن نہیں ہو گے یہاں تک کہ اللہ تعالی تمہیں بھلائی عطا فرمائے، آدمی نے کہا اے امیر مومنین آپ نے اسے بہت زیادہ دے دیا ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تیری ماں تجھے روئے، میں نے دیکھا کہ اس کے باپ اور بھائی نے ایک عرصہ تک ایک قلعے کا محاصرہ کئے رکھا اور اس کو فتح کیا پھر ہم ان کے حصوں سے مال غنیمت لینے لگ گئے۔

اس واقعہ میں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شہداء کرام اور ان کے اہلِ خانہ کے متعلق ہمارے ذمہ حقوق و واجبات کو بیان کرتے ہیں

☆ان کی اچھی تربیت کرنا اور انہیں وہ مقام دینا جس کے وہ مستحق ہیں، اور اس بارے میں ہمارے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام شہداء کے اہلِ خانہ کی حفاظت اور دیکھ بھال کیا کرتے تھے اور ان کے بچوں کی اچھی تربیت کیا کرتے تھے، جب سیدنا اسامہ بن زید کے والد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما جنگ موتہ میں شہید ہو گئے تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کی تعلیم و تربیت کا اس قدر اہتمام کیا کہ آپ تاریخ اسلام کے سب سے کم عمر فوجی سربراہ بن گئے اور آپ کی عمر بیس سال بھی نہیں ہوئی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کبار صحابہ کرام کی موجودگی میں لشکر کا قائد مقرر کیا، اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ: (اگر تم اس کی قیادت میں طعنہ زنی کرو گے تو تم اس سے پہلے اس کے باپ کی قیادت میں بھی طعنہ زنی کر چکے ہو، اللہ کی قسم وہ قیادت کا حقدار تھا، اگرچہ وہ میرے محبوب ترین لوگوں میں سے تھا، اور اس کے بعد یہ بھی میرے محبوب ترین لوگوں میں سے ہے)۔

اور ہم شہداء کے اہلِ خانہ اور ان کے بیٹوں کو خوشخبری دیتے ہیں کہ ان کے باپوں کی عزت و توقیر کی وجہ سے وہ اللہ کی حفظ و امان میں ہے، بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور وہ

نیکوکاروں کی مدد فرماتا ہے، اللہ تعالی والدین کی نیکی وپرہیزگاری کا فائدہ ان کی اولاد کو دنیاوآخرت میں دیتا ہے، اللہ تعالی نے دو یتیم بچوں کو اپنے دو نیک بندوں موسی اور خضر علیہما السلام کے سپرد کردیا تاکہ وہ ان کے مال اور خزانے کی حفاظت کریں، اور یہ سب کچھ ان کے نیک والدین کی عزت وتوقیر کرتے ہوئے کیا، ارشاد باری تعالی ہے: {وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَن يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي} "اور دیوار کا قصہ یہ ہے کہ اس شہر میں دو یتیم بچے ہیں جن کا خزانہ ان کی اس دیوار کے نیچے دفن ہے، ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا تو تیرے رب کی چاہت تھی کہ یہ دونوں اپنی جوانی کی عمر میں آکر اپنا یہ خزانہ تیرے رب کی مہربانی اور رحمت سے نکال لیں، میں نے اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کیا"۔

اور آخرت میں اللہ تعالی انہیں کے آباءواجداد کے ساتھ اکٹھا کردے گا اگرچہ ان کے عمل تھوڑے ہی ہوئے، ارشاد باری تعالی ہے: {وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ} "اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو

ان تک پہنچادیں گے اور ان کے عمل سے ہم کچھ کم نہ کریں گے، ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا گروی ہے"۔

ہمیں یہ بات یقینی طور پر جان لینی چاہیے کہ ہمارے شہیدوں کی قربانیاں وطن اور ہر مصری کے سر کا تاج ہے، اور یہ قربانیاں ہم سے تقاضہ کرتی ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک شخص اپنے اپنے شعبے میں ایک محبِ وطن سپاہی بن کر رہے اور اس وطنِ عزیز کی خدمت کی خاطر اپنی تمام تر توانیاں صرف کر دے، اور ہم اپنی فوج، پولیس، اور تمام قومی اداروں کے پیچھے ایک شخص کی قیادت میں شانہ بشانہ کھڑے ہو جائیں اور اس بات کی تاکید کریں کہ ہمارے قومی ادارے ہمارے معاشرے کا محفوظ قلعہ ہے، اور ہمارے لئے ان دہشت گرد اور انتہاپسند جماعتوں کے فتنہ پرور مبلغین ڈٹ کر مقابلہ کرنا ضروری ہے جو جماعت کی مصلحت کو قومی مصلحت پر مقدم رکھتے ہوئے نہ تو وطن پر یقین رکھتی ہیں اور نہ ہی قومی ریاست، یہ جھتے اور گروہ دین اور ریاست دونوں کے لئے خطرہ ہے اور ان کا مقابلہ کرنا اور انتہاپسند فکر کا خاتمہ کرنا ایک دینی، قومی اور انسانی فریضہ ہے۔

وطن کی خاطر جان کا نذرانہ پیش کرنے اور شہید ہونے کا مقام و مرتبہ

ان دنوں مصری عوام اپنے ایک تاریخی دن کا جشن منا رہی ہے جس میں اللہ کریم نے مصر کو اپنی سرزمین اور عزت و وقار کو واپس لوٹانے میں فتح و کامیابی سے سرفراز فرمایا تھا، یہ 6 اکتوبر 1973 میلادی بمطابق 10 رمضان 1393 ہجری کی جنگ میں حاصل ہونے والی کامیابیوں اور فتح کا جشن ہے جس میں مصری فوج نے بہادری، سرفروشی اور اپنی جانوں کی قربانی پیش کرنے کی داستانیں رقم کیں اور پوری دنیا نے مصری فوج کے اللہ پر ایمان اور اس کی مدد پر بھروسے، اور اپنے ہدف و مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس کے قوی عزم و ارادے کا مشاہدہ کیا۔

جب اہداف و مقاصد بلند ہوتے ہیں تو اس کے لئے قربانیاں بھی بڑی قیمتی دینی پڑتی ہیں اور اللہ کی راہ میں حصولِ شہادت کے لئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے سے بڑھ کر کوئی چیز قیمتی نہیں ہو سکتی، آدمی اپنے دین، اپنے وطن اور اپنی عزت و ناموس کا دفاع کرتے ہوئے اپنی جان کو قربان کر دیتا ہے تا کہ وہ اللہ تعالی کے ہاں شہادت کے بلند ترین مرتبہ پر فائز ہو سکے۔

شہادت ایک ربانی عطیہ اور خداوندی انعام ہے جس سے اللہ کریم انبیاء اور صدیقین کے بعد اپنی مخلوق میں سے محبوب ترین لوگوں کو نوازتا ہے، ارشاد خداوندی ہے : {وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيقًا} "اور جو بھی اللہ تعالی کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فرمانبرداری کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ تعالی نے انعام کیا ہے، جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں"۔ اللہ تعالی کا کسی انسان کو شہادت کے مرتبہ پر فائز کرنے کے لئے منتخب کر لینا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالی اس انسان سے راضی ہے، اور اس مقام و مرتبہ سے بڑھ کر اور کون سا مقام و مرتبہ ہو سکتا ہے، اللہ کریم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: {وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ} "اور تم میں سے بعض کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے"۔ شہید اللہ تعالی کی رضا کی خاطر اپنے وطن کا دفاع کرتے ہوئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے، آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتا ہے اور اپنی تمام تر خواہشات اور آرزؤں کو قربان کرتے ہوئے دین اور وطن کی خاطر میدان جنگ میں کود پڑتا ہے۔

شہید کو یہ بلند مقام و مرتبہ مبارک ہو، اس نے نفع بخش سَودا کیا ہے، اس کے بارے میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: {إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ} "بلاشبہ اللہ تعالی نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔ وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں پس وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں، اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں"۔ شہید نے کتنا عمدہ سودا کیا ہے جس کی جزا جنت ہے، حدیث پاک میں آیا ہے کہ ام ربیع بنت براء جو کہ حارثہ بن سراقہ کی ماں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اور کہا: اے اللہ کے رسول، کیا آپ مجھے حارثہ کے بارے میں خبر نہیں دیں گے؟ حارثہ رضی اللہ عنہ بدر کے دن کسی نامعلوم تیر انداز کے تیرے لگنے سے شہید ہو گئے، اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں گی ورنہ میں اس پر خوب آہ و بکا کروں گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے حارثہ کی ماں، جنت میں کئی مقامات ہیں اور تیرے بیٹے کو فردوس الاعلی میں مقام نصیب ہوا ہے"۔

حقیقی شہید وہ ہے جو اللہ کی رضا کی خاطر اس کی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے اور اللہ کے دین کی سربلندی، اپنے وطن کے دفاع اور اس کے پرچم کو سربلند رکھنے کے لئے اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے، ابو موسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی: (اے اللہ کے رسول) ایک آدمی مالِ غنیمت کے لئے لڑتا ہے، اور ایک آدمی شہرت کے لئے لڑتا ہے اور ایک آدمی اس لئے لڑتا ہے تاکہ اس کی بہادری کے چرچے ہوں، تو اِن میں سے اللہ کی راہ میں کون لڑ رہا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اس لئے لڑتا ہے تاکہ اللہ کا دین ہی سربلند ہو تو وہ اللہ کی راہ میں لڑنے والا ہے"۔

اسی طرح حقیقی شہید وہ ہے جو ہر قسم کے گھٹیا پن کو ناپسند کرتا ہے، ذلت ورسوائی کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے اور اپنے مال ومتاع پر ظلم وزیادتی کرنے کی کوشش کرنے والے ہر شخص سے مزاحمت کرتا ہے، ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ آپ کا کیا خیال ہے اگر کوئی شخص آکر میرا مال چھیننا چاہے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنا مال اسے نہ دو، اس نے عرض کی: آپ کا کیا خیال ہے اگر وہ مجھ سے لڑائی کرے؟ آپ نے

فرمایا: تم بھی اس سے لڑائی کرو، اس نے عرض کی: آپ کا کیا خیال ہے اگر وہ مجھے قتل کر دے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو تم شہید ہو، اس نے عرض کی: آپ کا کیا خیال ہے اگر میں اس کو قتل کر دوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جہنمی ہے۔

اسی طرح حقیقی شہید وہ بھی ہے جو اپنے وطن، اپنی سر زمین اور اپنی عزت و ناموس کا دفاع کرتا ہے، ایک حقیقی مسلمان کے نزدیک وطن اور عزت و ناموس کا دفاع کرنا جان و مال اور دین کا دفاع کرنے کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ دین کے لئے ایک وطن کا ہونا ناگزیر ہے جو اس کی حفاظت کرے، سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اپنے مال کا دفاع کرتے ہوئے قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے اور جو شخص اپنے اہل و عیال کا دفاع کرتے ہوئے قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے اور جو شخص اپنے دین کا دفاع کرتے ہوئے قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے"۔

اس لئے اگر کوئی شخص اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے دین کا دفاع کرتے ہوئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے یا اپنے وطن کی سر زمین کی حفاظت اور اس پر دشمن کی سرکشی کا جواب دیتے ہوئے اپنی جان قربان کر دیتا ہے تو اس پر شہادت کے مفہوم کا

اطلاق ہو گا کیونکہ وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے، اور تاریخی معرکہ ءعبور کے شہداء مبارک باد کے مستحق ہیں جن کے پاکیزہ خون سے مصر کی پاک سرزمین سیراب ہوئی اور ان کی روحیں اللہ کریم کی بارگاہ کی طرف پرواز کرتے ہوئے اس کی خوشنودی اور ان نعمتوں کی مستحق ٹھہریں جن کا اللہ کریم نے ان سے وعدہ کرر کھا تھا، ہم اللہ کریم کی بارگاہ میں دست دعادراز کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بھی شہادت کی موت نصیب فرمائے۔

اللہ کی راہ میں شہید ہونے کے بہت بڑے انعامات ہیں، ان میں سے ایک انعام یہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں خبر دی ہے کہ شہداء زندہ ہے اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں، ارشاد خداوندی ہے: {وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ * فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ * يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ} "جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں ان کو ہر گز مردہ نہ سمجھیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالی نے اپنا فضل جو انہیں دے رکھا ہے اس سے بہت خوش ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں ان لوگوں کی بابت جو اب تک ان سے نہیں ملے ان

کے پیچھے ہیں اس پر کہ انھیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگیں ہوں گے ۔ وہ خوش ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اِس سے بھی کہ اللہ تعالی ایمان والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا"۔جی ہاں وہ زندہ ہیں مردہ نہیں ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور ان کا رزق اللہ تعالی کی بارگاہ سے ملتا ہے، وہ اللہ تعالی کی عطا کردہ نعمتوں سے خوش ہو رہے ہیں انہیں وہ جنت نصیب ہوئی ہے جس میں ایسی نعمتیں ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزرا ہے، وہ اپنے آنے والے بھائیوں سے خوش ہو رہے ہیں، وہاں نہ کوئی ملال ہے، نہ کوئی غم ہے نہ کوئی پریشانی بلکہ وہاں تو صرف خوشیاں، اللہ کا فضل و کرم اور نعمتیں ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جابر کیا وجہ ہے کہ میں تجھے پریشان دیکھ رہا ہو، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول میرے والد شہید ہو گئے ہیں اور وہ اہل و عیال اور قرض چھوڑ کر گئے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس بات کی خوش خبری نہ سناؤں جس کے ساتھ اللہ نے تمہارے والد سے ملاقات کی ہے ؟ انہوں نے عرض کی ضرور اے اللہ کے رسول تو آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: اللہ رب العزت نے بغیر حجاب کے کبھی کسی سے کلام نہیں کیا لیکن اللہ رب العزت نے تمھارے والد کو زندہ کیا اور اس سے بغیر کسی حجاب کے براہِ راست کلام کیا، اللہ نے فرمایا: اے بندے تو تمنا کر میں تجھے عطا کروں گا تو (تمہارے والد نے) عرض کی کہ اے میرے رب تو مجھے زندگی عطا کر تا کہ میں دوبارہ تیرے لئے لڑوں، اللہ رب العزت نے فرمایا: کہ میرا فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ دوبارہ اس دنیا میں نہیں لوٹائے جائیں گے۔ حضرت جابر نے کہا کہ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: {وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا} "جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں ان کو ہر گز مردہ نہ سمجھیں"۔

اللہ تعالی نے شہداء کو جو مقام و مرتبے عطا فرمائے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالی کے ہاں شہید کے لئے چھ خوبیاں ہیں، حضرت مقدام بن معدیکرِب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کے ہاں شہید کیلئے چھ خوبیاں ہیں: اس کے خون کے پہلے قطرے میں اسکو بخش دیا جاتا ہے، جنت میں اس کا مقام اس کو دکھا دیا جاتا ہے، عذابِ قبر سے بچا لیا جاتا ہے، قیامت کی بڑی ہولناکیوں سے محفوظ رہتا ہے، اس کے سر پر ایمان کا تاج سجایا جاتا ہے، اور حور العین میں سے بہتر

بیویوں کے ساتھ اس کی شادی کی جاتی ہے اور اسکے عزیز واقارب کے ستر افراد کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔

اور شہید کی عزت و تکریم کی ایک صورت یہ ہے کہ فرشتے اپنے پروں سے اس پر سایہ کرتے ہیں، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ احد کے دن میرے والد کو شہید ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لایا گیا جبکہ ان کا مُثلَہ کر دیا گیا تھا اور انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا گیا، میں ان کے چہرے سے کپڑا ہٹانے کے لئے گیا تو میرے ساتھیوں نے مجھے منع کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہ وبکا کرنے والی عورت کی آواز سنی تو فرمایا: "تم کیوں رو رہی ہو؟ مت رو، فرشتے اس پر اپنے پروں سے سایہ کر رہے ہیں"۔

شہید کا ایک انعام یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے کو پہلے لمحہ ہی بغیر کسی حساب اور عذاب کے جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے، عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "اللہ تعالی قیامت کے دن جنت کو بلائے گا پس وہ اپنی زیب و زینت اور آرائش و ستائش کے حاضر ہو گی، اللہ تعالی فرمائے گا: میرے وہ بندے کہاں ہیں جو میری راہ میں

لڑے اور میری راہ میں قتل کر دیئے گئے اور انہیں تکلیفیں پہنچائی گئیں اور انہوں نے میری راہ میں جہاد کیا، (انہیں حکم ہو گا کہ) جنت میں داخل ہو جاؤ پس وہ بغیر کسی حساب اور عذاب کے اِس میں داخل ہو جائیں گے، فرشتے آکر کہیں گے : اے ہمارے رب، ہم دن رات تیری تسبیح بیان کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں، یہ کون لوگ ہیں جنہوں تو نے ہم پر ترجیح دی ہے ؟ تو اللہ رب العزت ارشاد فرمائے گا: یہ وہ لوگ ہیں جو میری راہ میں لڑے اور انہیں میری راہ میں تکلیفیں دی گئیں پس فرشتے ان پر ہر دروازے سے یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے کہ "تمہارے صبر کی وجہ سے تم پر سلامتی ہو،اور آخرت کا گھر بہت اچھا ہے"۔

اور شہید کے لئے ایک انعام یہ ہے کہ اس کے لئے جنت میں بہترین اور عمدہ گھر ہو گا، سَمُرَہ بن جُندَب رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " میں نے رات دو آدمی دیکھے جو میرے پاس آئے اور مجھے ساتھ لے کر درخت پر چڑھے اور انہوں نے مجھے ایک گھر میں داخل کیا جو بہت خوبصورت اور عمدہ تھا میں نے اس سے زیادہ خوبصورت گھر کبھی نہیں دیکھا، انہوں نے مجھے کہا کہ : یہ شہداء کا گھر ہے"۔

ان تمام انعامات کی وجہ سے شہید ہی ایک واحد فرد ہو گا جو اس بات کو پسند کرے گا کہ اسے دنیا میں واپس بھیجا جائے تاکہ اسے اللہ کی راہ میں دوبارہ شہید کیا جائے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "شہید کے سوا جنت میں داخل ہونے والا کوئی شخص اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ اسے دنیا میں واپس بھیجا جائے اور اس کے لئے زمین پر کوئی چیز ہو، پس شہید جو عزت و تکریم دیکھتا ہے اور ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ وہ شہادت کا جو مقام و مرتبہ دیکھتا ہے اس کی وجہ سے وہ اس بات کی تمنا کرے گا کہ اسے دس مرتبہ دنیا میں واپس بھیجا جائے اور قتل کیا جائے"۔

برادرانِ اسلام:

اس دنیا میں بڑے اہداف اور اعلی مقاصد تک رسائی حاصل کرنا بڑی قیمتی قربانیوں کو مستلزم ہے، اس بات میں شک نہیں ہے کہ اہداف و مقاصد کا بلند ہونا بڑی قیمتی قربانیوں کا تقاضہ کرتا ہے اور یہی ہر اس شخص کا حال ہے جو اپنے وطن اور دین کی راہ میں جان کی قربانی پیش کرتا ہے۔

اپنے وطن عزیز اور دین متین کے حق میں ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم سب اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اپنے وطن کو دشمنوں اور اس کو درپیش چیلنجز سے محفوظ رکھنے کے لئے شانہ بشانہ کھڑے ہوں ایک دوسرے کا دست و بازو بن کر اس کے دفاع کے لئے کوشش کریں اور ان کے امن وامان کی حفاظت کے لئے ہر وقت بیدار رہیں اور اس کے خلاف اٹھنے والی ہر آنکھ کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بن جائیں۔

ہم اپنے بہادر سپاہیوں کو مبارک باد پیش کرتے ہیں جنہوں نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھا، اللہ تعالی کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کو پورا کر دکھایا اور اپنے پختہ عزم اور یقین راسخ کے ذریعے ہمارے پیارے ملک مصر کو تعمیر وترقی کی راہ پر گامزن کرنے میں کامیاب ہوئے، ہم اپنی بہادر مسلح فوج کو ان کی عظیم کامیابی کے دن کے موقع پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

شخصیت سازی میں صحبت کا اثر

بیشک انسان فطری طور پر اجتماعیت پسند ہے وہ اپنے معاشرے میں زندگی گزارتا ہے، اس سے متاثر ہوتا ہے اور اپنی شخصی خوبیوں اور صلاحیتوں کے ذریعے اس سے ہم آہنگ ہوتا ہے، بیشک صحبت اور سنگت کا انسان کی سوچ اور اس کی طرزِ حیات میں بہت واضح اور گہرا اثر ہوتا ہے اور یہ صحبت ہی اس کے مستقبل کا تعین کرنے اور دنیا و آخرت میں اس کی سعادت مندی کا سبب ہے۔

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہمیں ایک ایسی کامل شخصیت کی ضرورت ہے جو قومیت کے بلند ترین درجہ اور انسانیت کے اعلی ترین معانی سے متصف ہو تاکہ ہماری ایک ایسی نسل تیار ہو جو تخریب کاری کی بجائے تعمیر و ترقی کی راہ پر گامزن ہو اور وطن کی مصلحت کو ہر قسم کی مصلحت پر مقدم رکھے۔

شریعتِ مطہرہ نے اچھی شخصیت تیار کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ وہ ایک ایسی باشعور شخصیت بنے جو خطرات کا ادراک رکھے، زندگی کی مشکلات کا اچھی طرح سے سامنا کرے اور فتنوں اور شبہات سے بچے، ارشاد خداوندی ہے : {وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ

الذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً} "اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص کر صرف ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہو گا جو تم میں سے ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں"۔

اسی طرح شریعتِ مطہرہ نے اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ انسان کو ہچکچاہٹ کی بجائے ایک ایسی پُر اعتماد اور پختہ شخصیت کا مالک ہونا چاہیے جو نفع بخش اور درست چیز کو سمجھے، حق کی پیروی کرے اور باطل پَرستوں کے ساتھ مل کر فضول کاموں میں مشغول نہ ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم لوگوں کی پیروی کرنے والے نہ بنو کہ تم کہو: اگر لوگوں نے اچھا سلوک کیا تو ہم بھی اچھا سلوک کریں گے اور اگر انہوں نے ظلم کیا تو ہم بھی ظلم کریں گے، بلکہ تم خود کو اس بات پر آمادہ کرو کہ اگر لوگوں نے اچھا سلوک کیا تو تم اچھا سلوک کرو اور اگر انہوں نے برا سلوک کیا تو تم ظلم نہ کرو"۔

بیشک انسان کی شخصیت کی تعمیر میں جن چیزوں کا بہت اہم کردار ہوتا ہے ان میں سے ایک صحبت ہے، آدمی اپنے ہم نشین سے متاثر ہوتا ہے اور فکری، اعتقادی، عملی طور پر اس کا رنگ ڈھنگ اختیار کرتا ہے اور اس بات پر شریعت، عقل، تجربہ اور مشاہدہ بھی دلالت کرتا ہے۔

اپنے دین، وطن اور معاشرے کے لئے نفع بخش اور ایک کامل شخصیت کی تعمیر میں اچھی صحبت کی بہت زیادہ اہمیت ہے، اسی چیز پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی تربیت کی جن میں سرِ فہرست ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے جنہوں نے اچھی صحبت اور اس کا حق ادا کرنے کی اعلی ترین مثال پیش کی کہ جب اہلِ مکہ نے انہیں کہا کہ: تیرا ساتھی یہ دعوی کر رہا ہے کہ اسے رات کے وقت بیتِ المقدس کی سیر کرائی گئی اور پھر وہ واپس آگیا تو آپ نے اپنے ساتھی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ کہا کہ: اگر اس نے کہا ہے تو اس نے سچ کہا ہے، میں تو اِس سے بھی آگے کی چیزوں میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، میں تو آسمان کی خبر کے بارے میں بھی اس کی تصدیق کرتا ہوں۔

صحابہ کرام آپس میں بھی اس چیز کا عملی نمونہ تھے، وہ بھائی چارے، ایثار وقربانی، قومی وابستگی، اتحاد ویکجہتی، مفید ومثبت کام، اور باہمی محبت ورحمدلی پر مبنی اچھی اور پاکیزہ صحبت کا بہترین نمونہ ہیں، نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: "مومن کی باہمی محبت ومودت، رحمدلی اور شفقت میں مثال ایک جسم کی طرح ہے جب جسم کا ایک حصہ بیمار ہوتا ہے تو بے قراری اور بخار میں سارا جسم اس کا شریک ہوتا ہے"۔

اسی طرح دنیا و آخرت میں صالحین کی صحبت کی برکت اور فضیلت نصیب ہوتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک اللہ تعالی کے کچھ گشت کرنے والے فرشتے ہیں جو ذکر کی مجالس کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں، جب وہ ذکر کی کوئی مجلس دیکھتے ہیں تو ان (ذاکرین) کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں اور اپنے پروں سے بعض فرشتے بعض دوسرے فرشتوں کو (اوپر تلے) ڈھانپ لیتے ہیں، یہاں تک کہ زمین سے لے کر آسمانی دنیا تک جگہ بھر جاتی ہے، جب ذاکرین اٹھتے ہیں تو یہ فرشتے آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں، پھر اللہ تعالی ان سے سوال کرتا ہے حالانکہ اس کو ان سے زیادہ علم ہے، تم کہاں سے آئے ہو؟ وہ کہتے ہیں ہم زمین پر تیرے بندوں کے پاس سے آئے ہیں جو سبحان اللہ، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، اور الحمد للہ کہہ رہے تھے اور تجھ سے سوال کر رہے تھے، اللہ تعالی کہتا ہے وہ مجھ سے کیا سوال کر رہے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں وہ تجھ سے تیری جنت کا سوال کر رہے تھے، اللہ تعالی فرماتا ہے کیا انہوں نے میری جنت کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں اے میرے رب، اللہ تعالی فرماتا ہے اگر وہ میری جنت کو دیکھ لیتے تو؟ اور وہ تجھ سے پناہ طلب کر رہے تھے، اللہ تعالی فرماتا ہے وہ کس چیز سے میری پناہ مانگتے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں اے رب وہ تیری دوزخ

سے پناہ مانگتے تھے، اللہ تعالی فرماتا ہے کیا انہوں نے میری دوزخ کو دیکھا ہے ؟ فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں، اللہ تعالی فرماتا ہے اگر وہ میری دوزخ کو دیکھ لیتے تو کس قدر پناہ مانگتے ؟ فرشتے عرض کرتے ہیں اور وہ تجھ سے استغفار کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالی فرماتا ہے میں نے ان کو بخش دیا اور جو کچھ انہوں نے مانگا وہ میں نے ان کو عطا کر دیا اور جس چیز سے انہوں نے پناہ مانگی میں اس چیز سے انہیں پناہ دے دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں : اے میرے رب ان میں فلاں بندہ خطا کار تھا، وہ اس مجلس کے پاس سے گزرا اور ان کے ساتھ بیٹھ گیا، آپ نے فرمایا: "اللہ تعالی فرماتا ہے میں نے اس کو بھی بخش دیا، یہ وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ بیٹھنے والا بد بخت نہیں رہتا"۔

اور اچھی صحبت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ اللہ کی محبت اور جنت کے حصول کا سبب ہے، حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک آدمی دوسرے گاؤں میں اپنے بھائی سے ملنے کے لئے گیا تو اللہ تعالی نے اس کی راہ میں ایک فرشتے کو بیٹھا دیا، جب وہ (آدمی) اس (فرشتے) کے پاس آیا تو فرشتے نے پوچھا: کہاں جانے کا ارادہ ہے ؟ اس نے کہا: اس گاؤں میں میرا ایک بھائی ہے اس کو

ملنے کا ارادہ ہے، اس نے پوچھا: کیا تمہارا اس پر کوئی احسان ہے جس کی تکمیل مقصود ہے؟ اس نے کہا: اس کے سوا اور کوئی بات نہیں کہ مجھے اس سے صرف اللہ کے لئے محبت ہے، تب فرشتے نے کہا: میں آپ کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا قاصد ہوں (تم جان لو) اللہ تعالی بھی تجھ سے اسی طرح محبت کرتا ہے جس طرح تو اس آدمی سے صرف اللہ کے لئے محبت کرتا ہے"۔

اسی طرح اچھی صحبت قیامت کے دن ان صالحین کے ساتھ اٹھائے جانے کا سبب ہے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے بارے میں پوچھا اور کہا: قیامت کب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے"، سائل نے کہا: اس بات کے سوا کچھ تیاری نہیں کی کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو اسی کے ساتھ ہو گا جس سے تو نے محبت کی ہو گی"، انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم کسی چیز سے اتنا خوش نہیں ہوئے جتنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے خوش ہوئے کہ "تو اس کے ساتھ ہو گا جس سے تو نے محبت کی ہو گی" انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اور ابو بکر و عمر رضی اللہ

عنہما سے محبت کرتا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ میں ان سے محبت کی وجہ سے ان کے ساتھ ہوں گا اگرچہ میں ان کے اعمال جیسے اعمال نہیں کر پایا"۔

امام الشافعی رحمہ اللہ تعالی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ : میں صالحین سے محبت کرتا ہوں اگرچہ میں ان کو جیسا نہیں ہوں شاید کہ مجھے ان کی شفاعت نصیب ہو جائے، اور میں اس شخص کو ناپسند کرتا ہوں جس کا کام ہی صرف گناہ کرنا ہے اگرچہ ہم ساز و سامان میں برابر ہیں۔

اسی طرح صالحین کی صحبت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ اللہ کی یاد دلاتی ہے اور دنیا و آخرت میں بھلائی کا باعث بنتی ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عرض کی گئی اے اللہ کے رسول، ہمارے سب سے بہترین ساتھی کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " جس کے چہرے کو دیکھنا تمہیں اللہ کی یاد دلائے، اور اس کی گفتگو تمہارے علم میں اضافہ کرے اور اس کا عمل تمہیں آخرت کی یاد دلائے"۔

حقیقی ساتھی اپنے مسلمان بھائی کا آئینہ ہے، وہ اسے بھلائی کی ترغیب دیتا ہے، برائی سے روکتا ہے، اس کے لئے وہی چیز پسند کرتا ہے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، ارشاد خداوندی ہے : {وَالْعَصْرِ * إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ * إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ} "زمانے کی قسم۔ بیشک (بالیقین) انسان سرتا سر نقصان میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور (جنھوں نے) آپس میں حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی"۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول، یہ مظلوم ہے ہم اس کی مدد کریں گے، لیکن ہم ظالم کی مدد کیسے کریں؟ آپ نے فرمایا: "تم اس کو ظلم سے روکو، یہی تمہاری طرف سے اس کی مدد ہے"۔

ایک نیک ساتھی نے جب دیکھا کہ اس کا ساتھی حق سے منہ پھیر رہا ہے اور شیطان اور خواہشِ نفس کی پیروی کرتے ہوئے حق سے انحراف کر رہا ہے تو اس نے اپنی اچھی صحبت کا عملی نمونہ پیش کیا اور اس کی نصیحت کی، اس کے سامنے حق کو واضح کیا، اور اللہ سے دوری کے انجام سے متنبہ کیا، ارشاد باری ہے: {قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا * لَّٰكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا * وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ إِن تَرَنِ أَنَا أَقَلَّ مِنكَ مَالًا وَوَلَدًا * فَعَسَىٰ رَبِّي أَن يُؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّن جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا

زَلَقًا * أَوْ يُصْبِحَ مَاؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا * وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلَى مَا أَنْفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا وَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا} "اس کے ساتھی نے اس سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ کیا تو اس (معبود) سے کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے پھر تجھے پورا آدمی بنا دیا۔ لیکن میں تو عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کروں گا۔ تو نے اپنے باغ میں جاتے ہوئے کیوں نہ کہا کہ اللہ کا چاہا ہونے والا ہے، کوئی طاقت نہیں مگر اللہ کی مدد سے، اگر تو مجھے مال واولاد میں اپنے سے کم دیکھ رہا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ میرا رب مجھے تیرے اِس باغ سے بھی بہتر دے اور اِس پر آسمانی عذاب بھیج دے تو یہ چٹیل اور چکنا میدان بن جائے۔ یا اس کا پانی نیچے اتر جائے اور تیرے بس میں نہ رہے کہ تو اسے ڈھونڈھ لائے۔ اور اس کے (سارے) پھل گھیر لیے گئے، پس وہ اپنے اِس خرچ پر جو اُس نے اِس میں کیا تھا اپنے ہاتھ ملنے لگا اور وہ باغ تو اوندھا الٹا پڑا تھا اور (وہ شخص) یہ کہہ رہا تھا کہ کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرتا"۔

جس طرح اچھی صحبت کا دنیا وآخرت میں اچھا اور نفع بخش اثر ہے اسی طرح بری صحبت کا بھی منفی یا تخریبی یا منحرف شخصیت کی تعمیر میں بہت بڑا اثر ہوتا ہے، دنیا میں اس کے

خطرناک نقصانات ہوتے اور آخرت میں برا انجام ہوتا ہے، بری صحبت اعلی اقدار کو تباہ کر دیتی ہے، اخلاقِ حسنہ کو ختم کر دیتی ہے، نئی نسل اور نوجوانوں کو تباہ و برباد کر دیتی ہے، کام کے پہیے کو معطل کر دیتی ہے، جھوٹی افواہیں عام کرتی ہے اور گمراہی اور فتنے پھیلاتی ہے، براساتھی اپنے ساتھی کو فاسد عقائد اور تخریبی افکار و نظریات کے ذریعے گمراہ کرتا ہے، قرآن کریم نے ہمارے سامنے برے ساتھی کا ایک منظر بیان کیا ہے، ارشادِ خداوندی ہے: { وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَالَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا * يَاوَيْلَتَى لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا * لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا } "اور اُس دن ظالم شخص اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا ہائے کاش کہ میں نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی راہ اختیار کی ہوتی۔ ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے تو مجھے اس کے بعد گمراہ کر دیا کہ نصیحت میرے پاس آ پہنچی تھی اور شیطان تو انسان کو (وقت پر) دغا دینے والا ہے"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی برے ساتھی کو بھٹّی دھونکنے والے کے ساتھ تشبیہ دی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نیک ساتھی اور برے ساتھی کی مثال مشک والے اور بھٹی دھونکنے والے کی طرح ہے، مشک والا یا تو تمہیں یونہی مشک دے دے

گا، یاتم اس سے خرید لوگے، یا تمہیں اس سے اچھی خوشبو آئے گی، اور بھٹی دھونکنے والا یاتو تمہارے کپڑے جلائے گا یا تم کو اس سے بدبو آئے گی"۔

اسی طرح بری صحبت اپنے اور دوسروں کے لئے ظلم اور تباہی کا ذریعہ ہے، اور سب سے خطرناک صحبت اِس شخص کی ہے جو تجھے ان منحرف، گمراہ اور تخریبی جماعتوں کی راہ پر چلاتا ہے جو زمین میں فساد، اور تخریب کاری کی دعوت دیتی ہیں اور اِس شخص کی ہے جو تجھے نشہ آور اشیاء راہ پر یا اپنے قول و فعل سے ان کا عادی ہونے کی راہ پر چلاتا ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں دنیا و آخرت میں تباہ و بربادی اور اللہ کے غضب کی طرف لے جاتی ہیں۔

برادرانِ اسلام:

ہم سب کو برے لوگوں کی سنگت اور ان سے میل جول رکھنے سے احتیاط کرنی چاہیے، ارشادِ باری ہے: {وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا} "اور اللہ تعالی تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالی کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے

ہوئے سنو تو اِس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو! جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں، (ورنہ) تم بھی اُس وقت اُنہی جیسے ہو، یقیناً اللہ تعالی تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے"۔ اور ارشادِ باری ہے: {وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ} "اور جب آپ اُن لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر آپ کو شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھیں"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، پس تم میں سے ہر کسی کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے"، اور آپ نے فرمایا: "تو مومن کی ہی صحبت اختیار کر اور متقی پرہیز گار شخص ہی تیرا کھانا کھائے"، کسی نے کیا خوب کہا کہ: جب تو لوگوں میں ہو تو ان میں سے بہترین شخص سے دوستی کر، اور تو گھٹیا ترین شخص سے دوستی نہ کر کہ تو بھی گھٹیا شخص کے ساتھ گھٹیا شخص بن جائے۔

اور ہم اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ اچھی صحبت کے ذریعے شخصیت سازی ایک مشترکہ ذمہ داری ہے جس پر سارے معاشرے کو شانہ بشانہ کھڑا ہونا چاہیے اور تمام لوگوں پر اس ذمہ داری کی اہمیت کا ادراک کرنا چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہو گا، پس امام محافظ ہے اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہو گا اور مرد اپنے گھر والوں کا محافظ ہے اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہو گا، اور عورت اپنے خاوند کے گھر کی محافظہ ہے اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال کیا جائے گا، اور نوکر اپنے مالک کے مال کا محافظ ہے اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال کیا جائے گا"۔

پس خاندان، سکول، مسجد، اور معاشرے کے تمام تربیتی اور فکری اداروں کے ذریعے نئی نسل کی حفاظ اور تربیت کا جلد از جلد اہتمام کرنا چاہیے، نئی نسل اور نوجوانوں کو انتہا پسند فکر اور تخریبی جماعتوں سے محفوظ رکھنے اور ان میں قومی وابستگی کو پختہ کرنے کے لئے دوگنا کوششیں کرنی چاہیے اور اپنے بیٹوں اور نوجوانوں کی نگرانی اور ان کے لئے دوستوں کا انتخاب کرنے میں ان کے ساتھ شرکت کرنا ایک بہت بڑی امانت اور ذمہ داری ہے، ارشاد خداوندی ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا}، "اے

ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ"۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالی ہر محافظ سے اس چیز کے بارے میں پوچھے گا جو چیز اس نے اس کی حفاظت میں دی تھی کیا کہ اس نے اس کی حفاظت کی یا اس کو ضائع کر دیا، ؟ حتی کہ آدمی سے اس کے گھر والوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا"۔

بلند عزم وارادہ ترقی یافتہ قوموں کاراز

دینِ اسلام اپنی اعلی تعلیمات کے ذریعے لوگوں کو بلند ہمتی، محنت وکوشش اور زمین کی آباد کاری کی ترغیب دیتا ہے اور سستی، کاہلی اور فساد سے منع کرتا ہے، اور تمام آسمانی شریعتیں بھی یہی پیغام لے کر آئی ہیں، ارشاد باری ہے: { أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَى * وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى * أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى * وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى * وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى * ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَى } "کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں دی گئی جو موسی (علیہ السلام) کے اور وفادار ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں تھا۔ کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ اور یہ کہ ہر انسان کے لئے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی۔ اور یہ کہ بیشک اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی۔ پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند ہمتی کی قدر واہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: "بیشک اللہ تعالی کریم ہے جو کرم اور اعلی اخلاق کو پسند کرتا ہے، اور گھٹیا اخلاق کو ناپسند کرتا ہے"، اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تم اپنی ہمت کی پست نہ کرو، میں اعلی اخلاق سے پیچھے رہنے کو کم ہمتی سمجھتا"، اور ایک مقولہ ہے کہ عقل کے کامل ہونے کی علامت بلند ہمتی ہے۔

بلند ہمتی صرف کسی مخصوص شعبے تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ انسان اپنی زندگی میں جو کام بھی کرتا ہے اس میں بلند ہمتی کا مظاہرہ ہونا چاہیے، اور ان کاموں میں سے ایک عبادت ہے، دینِ متین نے عبادت کے میدان میں سبقت لے جانے اور جلدی کرنے کی ترغیب دی ہے، ارشاد باری ہے: {وَسارِعُوا إِلى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّماواتُ وَالأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ} "اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے"۔ اور اللہ تعالی نے اپنی عبادت میں محنت و کوشش کرنے والے کے لئے بہت بڑے اجر کی ضمانت دی ہے، ارشاد باری ہے: {وَمَنْ أَرَادَ الآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا} "اور جس کا ارادہ آخرت کا ہو اور جیسی کوشش اس کے لیے ہونی چاہیے، وہ کرتا بھی ہو اور وہ باایمان بھی ہو، پس یہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی اللہ کے ہاں پوری قدردانی کی جائے گی"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے تمام معاملات میں بلند عزم وارادہ کے مالک تھے، اور ان معاملات میں سے ایک عبادت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: {يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ* قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا*

نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا * أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا * إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا}
"اے کپڑے میں لپٹنے والے۔ رات (کے وقت نماز) میں کھڑے ہو جاؤ مگر کم۔ آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر لے۔ یا اس پر بڑھا دے اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر (صاف) پڑھا کر۔ یقیناً ہم تجھ پر بہت بھاری بات عنقریب نازل کریں گے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو قیام فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کے قدمِ مبارک سوج جاتے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: "کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنو؟"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ اور امت کو برتری اور بلند ہمتی کی بہت زیادہ ترغیب دیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم اللہ سے مانگو تو اس سے جنت الفردوس مانگو، یہ جنت کا درمیان اور اعلیٰ درجہ ہے، اور اس کے اوپر رحمن کا عرش ہے، اور یہاں سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں"، ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات گزارا کرتا تھا، میں آپ کے وضو کا پانی اور ضرورت کا سامان لے کر آپ کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: (مجھ سے مانگو)، میں نے عرض کی، میں آپ سے جنت میں آپ کی

سنگت مانگتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اس کے علاوہ کچھ ؟)، میں نے عرض کی، بس یہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (کثرت سجود سے اپنے متعلق میری مدد کرو)۔

عبادت میں بلند ہمتی اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ اسے اچھی طرح سے ادا کیا جائے، اور اس کا اثر انسان کے طرزِ عمل اور اس کے اخلاق میں ظاہر ہو، پس وہ نہ جھوٹ بولے، نہ خیانت کرے، نہ ملاوٹ کرے اور نہ ہی ناجائز طریقے سے لوگوں کا مال کھائے، پس عبادت کی ادائیگی عبادت کے مقصد کے ساتھ متفق ہونی چاہیے تاکہ استقامت نصیب ہو سکے جو کہ اس دینِ اسلام کی بنیاد ہے۔

بلند ہمتی کے اہم میدانوں میں سے ایک میدان علم ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اللہ تعالی سے علم نافع مانگیں جس کے ثمرات اللہ تعالی کی تمام مخلوق کو نصیب ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: "اللہ تعالی سے علم نافع مانگو، اور ایسے علم سے اللہ کی پناہ مانگو جو نفع نہ دے"، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے کہ: "اے اللہ! میں ایسے علم سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے"، علم نافع وہ حقیقی ہتھیار ہے جس سے ملک مضبوط ہوتے ہیں اور قومیں ترقی کرتی ہیں، جس

ملک نے بھی ترقی کی ہے علم کے ذریعے ہی کی ہے،اور جو ملک بھی پسماندگی کا شکار ہیں وہ علم کے میدان میں سستی کرنے اور پیچھے رہنے کی وجہ سے پسماندگی کا شکار ہیں۔

صحابہ کرام اور تابعین عظام لوگوں میں سے سب سے زیادہ بلند ہمت کے مالک تھے، سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ طلب حدیث میں بلند ہمت کے مالک تھے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ "وادی کی کھیتی باڑی اور بازاروں میں خرید وفروخت مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشغول نہیں کرتے تھے، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لفظ بھی پوچھا کرتا تھا جو آپ مجھے سکھایا کرتے تھے"،ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اے ابوہریرۃ تم ہم میں سے سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے والے اور آپ کی احادیث کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھے کسی آدمی سے حدیث پہنچتی تو میں اس کے پاس آتااور وہ سویا ہوا ہوتا تو میں اس کے دروازے پر اپنی چادر کا تکیہ بنا کر لیٹ جاتا،اور ہوا میرے چہرے پر گرد وغبار پھینکتی، یہاں تک کہ وہ آدمی باہر آتااور مجھے دیکھ کر کہتا اے رسول اللہ کے چچا کے بیٹے ! کونسی چیز تمہیں یہاں لے کر آئی ہے ؟، آپ نے پیغام کیوں نہیں بھیج دیا کہ میں آپ کے پاس آجاتا؟، میں کہتا کہ نہیں، میں تمہارے

پاس آنے کا زیادہ حق دار ہوں، پھر میں اس سے حدیث کے بارے میں پوچھتا، اسماعیل بن یحی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا تھا اور دس سال کی عمر میں الموطا یاد کر لی تھی، اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کو دس لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں، اور کہا گیا ہے کہ امام نووی رضی اللہ عنہ ایک دن میں بارہ درسوں میں حاضر ہوتے تھے۔

اسی طرح ہمارے علمائے متقدمین نے ہر شعبے میں علم کی امانت کو اٹھانے میں محنت وکوشش کی اور اللہ تعالی کی رضا اور تمام انسانیت کے نفع کے لئے مکمل امانت داری کے ساتھ اسے لوگوں تک پہنچایا، اور اپنے ناموں اور علمی کارناموں کو تاریخ کے صفحہ پر سنہری حروف سے رقم کیا، ارشاد باری ہے: { فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ } "اب جھاگ تو ناکارہ ہو کر چلا جاتا ہے لیکن جو لوگوں کو نفع دینے والی چیز ہے وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے"۔

بلند ہمتی کا ایک میدان کام کرنا ہے، شریعتِ مطہرہ نے کام کی اہمیت کو بیان کیا ہے اور اس کی قدر ومنزلت کو بلند کیا ہے، قرآن کریم نے عبادت اور کام کے درمیان ربط قائم کرتے ہوئے انہیں ایک دوسرے کا ساتھی قرار دیا، ارشاد باری ہے: { فَإِذَا قُضِيَتِ

الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ} "پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤاور اللہ کا فضل تلاش کرو اور بکثرت اللہ کا ذکر کیا کرو تاکہ تم فلاح پالو"۔اور اللہ تعالی نے اچھی طرح کام کرنے والے سے دنیا میں عمدہ زندگی اور آخرت میں دائمی نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے،ارشاد باری ہے: {مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ} "جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت، لیکن باایمان ہو، تو ہم اسے یقینا نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے۔اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انہیں ضرور ضرور دیں گے"۔ اور ارشاد باری ہے: {إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلاً} "جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی اچھے کیے یقینا ان کے لئے الفردوس کے باغات کی مہمانی ہے"۔

کام کی عظمت پر اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ تمام انبیاء کرام کام کیا کرتے تھے، آدم، ابراہیم اور لوط علیہم السلام کھیتی باڑی کیا کرتے تھے، نوح علیہ السلام بڑھئی کا کام کیا کرتے تھے، ادریس علیہ السلام درزی کا کام کیا کرتے تھے، صالح علیہ السلام تجارت کیا کرتے تھے اور داود علیہ السلام لوہے کا کام کیا کرتے تھے، ارشاد باری

ہے: { وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلًا يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ * أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ } "اور ہم نے داود پر اپنا فضل کیا، اے پہاڑو! اس کے ساتھ رغبت سے تسبیح پڑھا کرو اور پرندوں کو بھی (یہی حکم ہے) اور ہم نے اس کے لئے لوہا نرم کر دیا۔ کہ تو پوری پوری زرہیں بنا اور جوڑوں میں اندازہ رکھ تم سب نیک کام کیا کرو۔ (یقین مانو) کہ میں تمہارے اعمال دیکھ رہا ہوں"۔ انسان جو کام عمدگی اور پختگی سے کرتا ہے اسی سے اس کا مقام و مرتبہ بلند ہوتا ہے اور کام کرنا لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کسی شخص کا اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کی گٹھلی اٹھانا اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی سے سوال کرے اور وہ اسے دیدے یا انکار کر دے"۔

صرف کام کرنا ہی مقصود نہیں ہے بلکہ کام کو عمدگی اور پختگی سے کرنا مقصود ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیشک اللہ تعالی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کو کرے تو اسے پختگی سے کرے"، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی خواہش رکھتے تھے کہ ہر فرد کے پاس کوئی اچھا کام ہے جس سے وہ اپنے آپ کو اور دوسرے لوگوں کو نفع پہنچائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (

ہر مسلمان کے ذمے صدقہ ہے)، صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کی نبی! جو شخص کچھ نہ پائے تو؟، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (وہ اپنے ہاتھ سے کام کرے اور اپنے آپ کو نفع پہنچائے اور صدقہ کرے)، انہوں نے عرض کی: اگر وہ کام نہ پائے تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (وہ ضرورت مند محتاج کی مدد کرے)، انہوں نے عرض کی: اگر وہ مدد نہ کر پائے تو؟، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (وہ نیکی کا کام کرے اور اپنے آپ کو شر سے روکے رکھے، یہ اس کے لئے صدقہ ہے)، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کام سے فارغ شخص کو ترغیب دی کہ وہ اپنے آپ کو لوگوں کو نقصان پہنچانے سے روکے اور اسے ایک ایسا عمل قرار دیا جس پر اسے ثواب ملے گا کیونکہ اس نے لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھا ہے۔

بلند ہمتی کا اعلی ترین درجہ معاشرے کی خدمت کرنے، کمزور اور محتاج کی مدد کرنے، ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنے اور جوانمردی اور مردانگی میں بلند ہمتی کا مظاہرہ کرنا ہے، ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اور عرض کی اے اللہ کے رسول! کون سا شخص اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ اور کون سا عمل اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ کو

سب سے زیادہ وہ شخص محبوب ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے، اور اللہ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ خوشی ہے جو تو کسی مسلمان کو دے، یا اس کی کسی مشکل کو دور کرے، یا اس کے قرض کو ادا کرے، یا اس کی بھوک کو ختم کر دے، اور میرا کسی کام میں اپنے بھائی کے ساتھ چلنا مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں اس مسجد یعنی مسجد نبوی میں ایک مہینہ اعتکاف بیٹھو، اور جس شخص نے اپنے غضب کو روک لیا اللہ تعالی اس کی پردہ پوشی فرمائے گا، جس نے اپنے غصہ کو ضبط کر لیا، اگر چاہے کہ وہ اسے نکلے تو وہ اسے نکال سکتا تھا، تو اللہ تعالی قیامت کے دن اس کے دل کو امن و سلامتی سے بھر دے گا، اور جو اپنے بھائی کے ساتھ کسی کام کے لئے چلا یہاں تک اس کو پورا کر دیا تو اللہ تعالی اس دن پل صراط پر اسے ثابت قدم رکھے گا جس دن قدم ڈگمگائیں گے"۔

برادرانِ اسلام:

جن میدانوں میں ہم سب کو ایک دوسرے سے سبقت لے جانی چاہیے اور بلند ہمتی کا مظاہرہ کرنا چاہیے ان میں سے ایک میدان اپنے وطن کی خدمت کرنا ہے، وطن کی خدمت ایمان کا تقاضہ ہے، اللہ تعالی نے ہمیں بھلائی اور ایسے نفع بخش کاموں میں ایک

دوسرے سے سبقت لے جانے کا حکم دیا جن کے ثمرات وطن کو حاصل ہوتے ہیں، ارشاد باری ہے: { فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ } "تم نیکی کی طرف جلدی کرو، تم سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے، پھر وہ تمہیں ہر وہ چیز بتادے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو"۔ اللہ تعالی نے لوگوں کو نفع پہنچانے میں جلدی کرنے والے اپنے بندوں کی تعریف کی ہے اور بیان کیا ہے کہ یہ نیکی انہیں دنیا و آخرت میں نفع دے گی، ارشاد باری ہے: { إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ } "یہ بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں لالچ طمع اور ڈر خوف سے پکارتے تھے۔ اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے"۔

اور اسی طرح ملکوں کی تعمیر وترقی، معاشرتی ذمہ داری اٹھانے اور مساجد، اسکول، ہسپتال وغیرہ کی تعمیر اور مریضوں کا علاج و معالجہ کرنے جیسے بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں بلند ہمتی کا مظاہرہ کرنا چاہیے، یہ سب صدقہ جاریہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سات چیزیں ایسی ہیں جن کا ثواب انسان کو اس کی موت کے بعد بھی ملتا رہتا ہے جبکہ وہ قبر میں ہوتا ہے، جس نے کوئی علم

سکھایا، یانہر کھودی، یا کنواں کھودیا، یا کھجور کا درخت لگایا، یا مسجد بنائی، یاقرآن کسی کو دیا، یا کوئی اولاد چھوڑ گیا جواس کی موت کے بعد اس کے لئے استغفار کرتی ہے"۔

کتنا ہی اچھا ہو کہ ہم اپنے وطن کی خدمت میں ایک دوسرے سے مقابلہ کریں، اور اس کے ثمرات تمام فرزندانِ وطن کو حاصل ہوں، اور یہ کام ہم باہمی اتحاد و یکجہتی، شعور، رحمدلی اور سب کی مدد کے لئے ہاتھ بڑھانے کے ذریعے کر سکتے ہیں، یہ وطن ہم سب کا ہے اور ہم سب کے ذریعے ہی ترقی کرے گا، ہم قوت و ارادہ اور محنت و کوشش میں دوسروں سے کم نہیں ہیں، ہم ایک قدیم تہذیب اور تاریخ رکھتے ہیں، ہمارے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ سبقت اور برتری کا حصول تمام تر مشکلات اور مصائب کو عبور کرنے اور اپنی ذات کی نفی کرنے کا تقاضہ کرتا ہے، اعلی کارنامے مشکلات کی مرہون منت ہوتے ہیں، مصالح اور بھلائیوں تک صرف محنت و کوشش سے ہی رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

قومی یکجہتی ہی قومی قوت کا راز ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا دین لے کر آئے جو اتحاد و یکجہتی کی دعوت دیتا ہے اور فرقہ واریت اور باہمی اختلافات سے منع کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپس میں دست و گریباں عرب کو متحد کر کے ایک امت بنا دیا، ان کے درمیان دینی بھائی چارہ قائم کیا اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت و محبت پیدا کر دی، ارشاد باری ہے: {إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ} "بیشک سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں"۔ اور دوسری جگہ ارشاد باری ہے: {وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ} "اور ان کے دلوں میں باہمی الفت بھی اسی نے ڈالی ہے۔ زمین میں جو کچھ ہے آپ اگر سارے کا سارا بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دل آپس میں نہ ملا سکتے۔ یہ تو اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی ہے وہ غالب حکمتوں والا ہے"۔ اور اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں باہمی محبت، رحم دلی اور شفقت و ہمدردی کی تعلیم دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: "مسلمان باہمی محبت، رحم دلی اور شفقت و ہمدردی میں جسد واحد کی مانند ہیں جب

اس کا کوئی ایک عضو تکلیف محسوس کرتا ہے تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے"۔

اور یہ باہمی الفت ومحبت صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہیں، بلکہ یہ تمام لوگوں کو شامل ہے، ارشاد باری ہے: {يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ} "اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے اور قبیلے بنا دیئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے"۔ قرآن کریم نے انبیاء کرام اور اعتقادی طور پر ان کے مخالفین کے درمیان انسانی بھائی چارے کا ذکر کرتے ہوئے اسی چیز کی تاکید کی ہے، مختلف انبیاء کرام کے بارے میں اللہ کریم کا فرمان ہے: {وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا} "اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا"۔ {وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا} "اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ھود علیہ السلام کو بھیجا"۔ {وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا} "اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو بھیجا"۔ اور سابقہ انبیاء کرام کے واقعات کو ذکر کرنے کے بعد اللہ کریم نے ارشاد فرمایا:

{وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ} "یہ تمہاری امت ہے جو حقیقت میں ایک ہی امت ہے، اور میں تم سب کا پروردگار ہوں پس تم مجھ ہی سے ڈرو"۔ اور دوسری جگہ ارشاد باری ہے: {إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ} "یہ تمہاری امت ہے جو حقیقت میں ایک ہی امت ہے، اور میں تم سب کا پروردگار ہوں پس تم میری ہی عبادت کرو"۔ امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالی نے تمام انبیاء کرام کو دین قائم کرنے، باہمی الفت ومحبت اور اتحاد ویکجہتی کی فضا قائم کرنے اور باہمی اختلافات کو ختم کرنے کے لئے مبعوث فرمایا"۔

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام کا اتحاد و یکجہتی قائم کرنے اور باہمی اختلافات اور فرقہ واریت کو ترک کرنے کی دعوت دینا قومی قوت اور معاشرے کی سلامتی کا سب سے اہم عنصر ہے، کیونکہ ایک کمزور معاشرے میں انسان کس قدر ہی مضبوط کیوں نہ ہو وہ کمزور ہی رہتا ہے، جبکہ اگر انسان کسی مضبوط معاشرے میں ہو تو وہ اپنے معاشرے سے قوت حاصل کرتا ہے، اسی لئے اسلام نے ہم وطنی کو بہت اہمیت دی ہے اور اس بات کی تاکید کی ہے کہ وطن سب کے لئے ہے اور سبھی سے اس کا وجود باقی ہے، کیونکہ قومی یکجہتی اپنے بیٹوں کے درمیان مذہب، رنگ یا نسل کی بنیاد پر کسی بھی

قسم کی فرقہ واریت کے نہ ہونے کا تقاضہ کرتی ہے، تقوی اور عمل صالح کے بغیر نہ تو کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل ہے، اور نہ کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی برتری حاصل ہے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود مدینہ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا جس میں یہود کو مسلمانوں کی طرح امن وسلامتی اور مذہبی آزادی کے تمام تر حقوق دیئے، انہیں مسلمانوں کے ساتھ مل کر مدینے کا دفاع کرنے کا پابند کیا، اور پختہ تاکید کی کہ جب تک تمام شہری اپنے فرائض اور ذمہ داریاں احسن طریقے سے ادا کرتے رہیں اس وقت تک وطن شہریوں کو شامل ہو گا اور انہیں اپنے دامن میں جگہ دے گا۔

اسی طرح اسلام نے اجتماعی کام کو بہت اہمیت دی ہے اور باہمی اتحاد و یکجہتی کی فضا قائم کرنے اور باہمی اختلافات ترک کرنے کو ہر زماں اور مکاں میں امت پر فرض قرار دیا ہے، اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: {وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا} "اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو، اور تفرقہ میں نہ پڑو"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اللہ تعالی تمہارے لئے تین چیزیں پسند کرتا ہے اور تین چیزیں ناپسند کرتا ہے، اللہ تعالی تمہارے لئے پسند کرتا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور

اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور اس کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو، اور اختلاف میں نہ پڑو، اور تمہارے لئے قیل و قال، کثرتِ سوال اور مال ضائع کرنے کو ناپسند کرتا ہے"، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے اتحاد و اتفاق اور یکجہتی کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا: "مسلمان مسلمان کے لئے دیوار کی مانند ہے جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط کرتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کا جال بنایا"۔

قرآن کریم نے ہمارے لئے ملکی اور معاشرتی سلامتی کا باعث بننے والی مثالیں ذکر کی ہیں، ان میں سے ایک مثال سیدنا یوسف علیہ السلام کی ہے کہ جب انہوں نے پختہ پلان تیار کیا اور تمام افراد نے اپنے مقصد کی خاطر متحد ہو کر اسے نافذ کیا اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنے پلان کے مطابق حسبِ استطاعت شانہ بشانہ کھڑے ہو کر کام کیا تو ملک میں خوشحالی اور فراوانی کا دور دورہ ہوا، امن و سلامتی اور اقتصادی قوت حاصل ہوئی، اور دور دراز سے لوگوں مصر سے خیرات لینے کے لئے آئے، اللہ تعالی نے سیدنا یوسف علیہ السلام کی زبانی ارشاد فرمایا: {قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا حَصَدتُّمْ فَذَرُوهُ فِي سُنبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَأْكُلُونَ * ثُمَّ يَأْتِي مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا

قَدَّمتُم لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تُحْصِنُونَ * ثُمَّ يَأتِي مِن بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ} "یوسف نے جواب دیا کہ تم سات سال تک پے درپے لگاتار حسب عادت غلہ بویا کرنا، اور فصل کاٹ کر اسے بالیوں سمیت ہی رہنے دینا سوائے اپنے کھانے کی تھوڑی سی مقدار کے۔ اس کے بعد سات سال نہایت قحط سالی کے آئیں گے وہ اس غلے کو کھا جائیں گے، جو تم نے ان کے لئے ذخیرہ رکھ چھوڑا تھا، سوائے اس تھوڑے کے جو تم روک رکھتے ہو۔ اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں لوگوں پر خوب بارش برسائی جائے گی اور اس میں (شیرہ انگور بھی) خوب نچوڑیں گے"۔

اسی طرح اسلام نے ہر اس چیز کی ترغیب دی ہے جو اتحاد اور اجتماعیت کا باعث بنے، اسلام نے رحمت، شفقت اور نرمی کی تعلیم دی، ارشاد باری ہے: {فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ} "اللہ تعالی کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، سو آپ ان سے در گزر کریں اور ان کے لئے استغفار کریں اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں، پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالی پر

بھروسہ کریں، بے شک اللہ تعالی توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔ رحمت، نرمی اور عاجزی وانکساری باہمی اتحاد اور دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کا سبب ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیشک دین آسان ہے، جو بھی اس میں سختی کرے گا یہ اس پر غالب آ جائے گا، راہِ راست کی طرف راہنمائی کرو، قربتیں پیدا کرو، خوشخبریاں سناؤ، صبح و شام اور رات کے پچھلے پہرے سے مدد حاصل کرو"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے آسانی پر مبنی دین حنیف کے ساتھ مبعوث کیا گیا"۔

اسی طرح اسلام نے فرزندانِ وطن کے اعتقادی اختلاف کے باوجود ان کے درمیان باہمی الفت اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنے کا حکم دیا ہے، ارشاد باری ہے: {وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا} "اور لوگوں سے اچھی بات کہو"۔ اور دوسری جگہ ارشاد باری ہے: {لَّا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ} "جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالی تمہیں نہیں روکتا، بلکہ اللہ تعالی تو انصاف کرنے والوں

سے محبت کرتا ہے"۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی قرآنی ضابطے کے مطابق غیر مسلموں کے ساتھ معاملات کیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دین اسلام کی رواداری ظاہر کرنے اور معاشرتی یکجہتی واجتماعیت کو محفوظ رکھنے کے لئے ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے، ان کے تحائف قبول کرتے، ان کی دعوت قبول کرتے اور ان کے بیمار کی عیادت کرتے۔

وقت اور اولویات کا تقاضہ حالاتِ حاضرہ سے آگاہی رکھنے والے محبان وطن پر یہ بات لازم قرار دیتا ہے کہ وہ سب شانہ بشانہ کھڑے ہو جائیں تاکہ ہر کوئی اپنے اپنے شعبے میں اپنے وطن کی خدمت کر سکے، ڈاکٹرز حضرات باہم مل کر اپنے وطن کے لئے اپنی صلاحیتیں وقف کریں، اور اسی طرح قانون دان، انجنیئرز، کسان، اساتذہ سب مل کر اپنے اپنے شعبے میں اپنی تمام تر صلاحیتوں کو وطن کے لئے وقف کر دیں، اور یہ سب کچھ ایثار وقربانی کے جذبہ سے ممکن ہے، کیونکہ ایک شخص مزدوری کرتا ہے، دوسرا شخص مال خرچ کرتا ہے اور تیسرا شخص لوگوں کو تعلیم دیتا ہے، جب یہ سب اپنی اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو اپنے وطن کے لئے صرف کریں گے تو وطن ترقی کرے گا اور یہی ہمارے دینِ اسلام کی تعلیم ہے، اللہ تعالی نے بغیر کسی استثناء کے ہم سب کو جمع

کے لفظ سے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: {هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ} "وہ ذات جس نے تمہارے لئے زمین کو پست و مطیع کر دیاتا کہ تم اس کی راہوں میں چلتے پھرتے رہو اور اللہ کے رزق سے کھاؤ(پیو) اسی کی طرف (تمہیں) جی کر اٹھ کھڑا ہونا ہے"۔ {فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ} "پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور بکثرت اللہ کا ذکر کیا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ"۔

برادرانِ اسلام:

تاریخی واقعات کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے والا شخص اس حقیقت کا ادراک رکھتا ہے کہ فرقہ واریت اور باہمی اختلافات شکست اور کمزوری کا بنیادی سبب ہے، اسی لئے اللہ کریم نے ہمیں اس سے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: {وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ} "تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا، انہی لوگوں کے لئے بہت بڑا عذاب ہے"۔ {وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ

اللہَّ معَ الصَّابِرِینَ} "اور آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤگے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو، یقیناً اللہ تعالی صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔ اور اسی طرح فرقہ واریت اور باہمی اختلاف امت کے رعب ودبدبے کو ختم کرکے اسے کمزور کرنے کا باعث بنتا ہے، فرقہ واریت سے محتاط رہنے کے بارے میں یہی کافی ہے کہ جو شخص اس پر مرے گا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

اسی لئے اسلام نے ہر اس طرزِ عمل اور کردار کی نفی کی ہے جو فرقہ واریت اور باہمی اختلاف کا باعث بنے، ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے نسلی تعصب سے منع کیا ہے جو کہ جاہلی تعصب کا اثر ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اسلام نے تم سے زمانہ جاہلیت کے تعصب اور آباءواجداد پر فخر کرنے کو زائل کردیاہے،انسان پرہیزگار مومن ہے یا بدبخت فاسق، تم آدم کی اولاد ہو،اور آدم مٹی سے پیدا ہوا"۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بیان فرمایا کہ سب لوگوں حقوق وواجبات میں برابر ہیں۔

نوجوانوں کے حقوق اور فرائض

جوانی کا مرحلہ انسان کی زندگی کا اہم ترین مرحلہ ہے، یہ جسمانی قوت، پختگی، طاقت، ایثار وقربانی، اعلی مقاصد، بلند آرزؤں اور زندگی میں کچھ کر گزرنے کا مرحلہ ہے، بے شک نوجوان امت کا مستقبل، اس کا دھڑکتا ہوا دل، اور اس کا مضبوط بازو ہیں، اور کوئی شخص بھی ملکوں کی تعمیر وترقی اور قوموں کے عروج میں ان کے اہم کردار کا انکار نہیں کر سکتا۔

قرآن کریم نے جوانی کے مرحلے کو بچپن اور بڑھاپے کی کمزوری کے درمیان قوت کے مرحلہ سے تعبیر کیا ہے، ارشاد باری ہے: {اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً} "اللہ تعالی وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا پھر اس کمزوی کے بعد توانائی دی، پھر اس توانائی کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا"۔ اسی لئے نبوت ورسالت بھی جوانی کی عمر میں ہی عطا کی جاتی تھی، اللہ تعالی نے سیدنا یوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا: {وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ} "اور جب (یوسف) پختگی کی عمر کو پہنچ گئے ہم نے اسے قوتِ فیصلہ اور علم دیا، ہم نیک کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں"۔ اور سیدنا موسی علیہ

السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا: {وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ} "اور جب (موسی علیہ السلام) اپنی جوانی کو پہنچ گئے اور پورے توانا ہو گئے ہم نے انہیں حکمت و علم عطا فرمایا، نیکی کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں"۔ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "اللہ تعالی نے ہر نبی کو جوانی کی حالت میں ہی مبعوث فرمایا، اور جوانی کی حالت میں ہی عالم کو علم سے نوازا گیا"۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جوانی کے عالم میں ہی بتوں کے پوجاریوں کا مقابلہ کیا، ارشاد باری ہے: {قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ} "بولے ہم نے ایک نوجوان کو ان کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے سنا تھا جسے ابراہیم (علیہ السلام) کہا جاتا ہے"۔ اسی طرح قرآن کریم نے جوانی کی حالت میں سیدنا سلیمان علیہ السلام کی ذہانت و فطانت کی جانب اشارہ کیا، ارشاد باری ہے: {فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا} "ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا۔ ہاں ہر ایک کو ہم نے حکم و علم دے رکھا تھا"۔ سیدنا موسی علیہ السلام اس وقت اپنی جسمانی قوت اور شباب کے عالم میں تھے جب انہوں نے نیک آدمی کی بیٹیوں کو پانی بھر کر دیا، اور آپ کی امانت داری اور قوت کے بارے میں نیک آدمی کی بیٹی کی گفتگو کو بیان کرتے ہوئے اللہ کریم نے فرمایا:

{قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ} "ان دونوں میں سے ایک نے کہا کہ ابا جی! آپ انہیں مزدوری پر رکھ لیجئے، کیونکہ جنہیں آپ اجرت پر رکھیں ان میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو"۔ سیدنا یحیٰ علیہ السلام بھی اپنی جوانی کی قوت کے عالم میں تھے جب اللہ تعالی نے انہیں مخاطب فرمایا کہ وہ علم کی امانت اور دعوت کی ذمہ داری سنبھالیں، ارشاد باری ہے: {يَا يَحْيَىٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا} "اے یحیٰ! میری کتاب کو مضبوطی سے تھام لے، اور ہم نے اسے لڑکپن ہی سے دانائی عطا فرمادی"۔

انسان کی زندگی کے اس مرحلہ کی اہمیت کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزِ قیامت انسان سے اس مرحلہ کے بارے میں خصوصی سوال کیا جائے تاکہ انسان اس مرحلہ سے بھرپور فائدہ اٹھانے میں خوب محنت کرے جس کا اسے بھی اور دوسرے لوگوں کو بھی فائدہ پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: "روزِ قیامت انسان کے قدم حرکت نہیں کرسکیں گے جب تک کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال نہ کیا جائے، اس نے اپنی عمر کن کاموں میں گزاری، اپنی جوانی کن

کاموں میں صرف کی، اپنا مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا، اور اپنے علم پر کتنا عمل کیا؟"۔

اسلام نے نوجوانوں پر بہت زیادہ توجہ دی ہے، اور ان کے حقوق اور فرائض مقرر کئے ہیں، انہیں تعلیم و تربیت اور مستقبل کی اچھی تیاری کرنے کا حق دیا ہے، قرآن کریم نے لقمان حکیم کی اپنے بیٹے کے ساتھ ہونے والی گفتگو کو ذکر کیا ہے جس کے ذریعے انہوں نے اپنے بیٹے میں دینی پہلوؤں کو پختہ کیا اور اسے اصلاح، ایثار و قربانی اور اخلاقی اقدار سے مزین ہونے کی ترغیب دی، ارشاد باری ہے: {وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ} "اور جب کہ لقمان نے وعظ کہتے ہوئے اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرے پیارے بچے! اللہ کے ساتھ شریک نہ کر، بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے"۔ اور ارشاد باری ہے: {يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُن فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَاوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ * يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ * وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ * وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ} "پیارے بیٹے! اگر کوئی چیز

رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ (بھی) خواہ کسی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو اسے اللہ تعالی ضرور لائے گا اللہ تعالی بڑا باریک بین اور خبر دار ہے۔ اے میرے پیارے بیٹے! تو نماز قائم رکھنا، اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا، برے کاموں سے منع کیا کرنا، اور جو مصیبت تم پر آ جائے صبر کرنا (یقین مان) کہ یہ بڑے تاکیدی کاموں میں سے ہے۔ لوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پھُلا اور زمین پر اِترا کر نہ چل۔ کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ تعالی پسند نہیں کرتا۔ اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر، اور اپنی آواز پست کر یقیناً آوازوں میں سب سے بدتر آواز گدھوں کی آواز ہے"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی نوجوانوں کے ساتھ ایسا ہی کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر خصوصی توجہ دیتے، انہیں مستقبل کے لئے تیار کرتے، اور ان کے قلوب واذہان میں دین کے عظیم اصولوں، علم کی محبت اور ذاتی تشخص کو راسخ کرتے، ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، آپ نے فرمایا: "اے بیٹے! میں تجھے چند باتیں بتاتا ہوں:، تو اللہ (کے حقوق) کی حفاظت کرے اللہ تیری حفاظت کرے گا، تو اللہ (کے حقوق) کی حفاظت

کر تو اللہ کو اپنے پاس پائے گا، جب تو کوئی چیز مانگے تو اللہ سے مانگ، جب تو مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ، اور یہ جان رکھ کہ اگر ساری امت تجھے کوئی فائدہ پہنچانے پر جمع ہو جائے تو وہ تجھے صرف وہی فائدہ پہنچا سکے گی جو اللہ تعالی نے تیرے مقدر میں لکھ رکھا ہے، اور اگر ساری امت تجھے کوئی نقصان پہنچانے پر جمع ہو جائے تو وہ تجھے صرف وہی نقصان پہنچا سکے گی جو اللہ نے تیرے مقدر میں لکھ رکھا ہے، قلم اٹھا لئے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔

اعلی تعلیم و تربیت کے بعد نوجوانوں کا حق ہے کہ انہیں کام کرنے، قیادت کرنے اور ذمہ داریاں اٹھانے کے مواقع فراہم کئے جائیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کرتے ہوئے نوجوانوں کی مختلف صلاحیتوں کو استعمال میں لایا، اور انہیں زندگی کے مختلف معرکوں میں مصروف کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت پر ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کو محافظ بنایا جس کی عمر بیس سے بھی کم تھی، دعوتِ اسلام کے آغاز میں اس کا گھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے ایک پر امن ٹھکانہ تھا، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید

رضی اللہ عنہما کو مسلمانوں کے لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا جب کہ ان کی عمر اٹھارہ سال سے بھی کم تھی۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنی مجلس میں بزرگ صحابہ کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کو بھی بیٹھاتے تھے، اور تمام امور میں ان سے باہمی مشاورت کرتے تھے، آپ فرماتے تھے کہ: "ان کا کم عمر ہونا تم میں سے کسی شخص کو ان سے مشورہ کرنے سے نہ روکے، علم کا کم عمر ہونے یا عمر رسیدہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالی جسے چاہتا ہے علم سے نوازتا ہے"، اور آپ کی مجلس میں بیٹھنے والے نوجوانوں میں سرِ فہرست ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں جس کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اس کے پاس بہت زیادہ سوالات کرنے والی زبان اور ایک عقلمند دل ہے"۔

اور یہ بات صرف مرد نوجوانوں تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اسلامی تہذیب کی تیاری میں نوجوانوں عورتوں کا بھی بہت بڑا کردار ہے جس کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا، امن و سلامتی اور جنگ دونوں حالتوں میں ان کا بہت بڑا کردار ہے، ان میں سے سیدۃ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کا ہجرتِ نبوی میں بہت بڑا کردار ہے، آپ سفرِ ہجرت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے باپ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کھانے پینے کا سامان

فراہم کرتی تھیں، بلکہ نوجوان عورتوں کا مشکل ترین لمحات میں بھی بہت اہم کردار رہا ہے، یہ نوجوان عورتیں میدانِ جنگ میں سپاہیوں کو پانی پلاتیں،اور زخمیوں کی دیکھ بھال کرتیں، غزوہ احد کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ :" میں نے سیدۃ عائشہ بنت ابی بکر اور سیدۃ ام سلیم رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ اپنی کمر پر پانی کی مشکیزیں اٹھا کر لاتیں اور سپاہیوں کو پلاتیں، اور پھر دوبارہ جا کر انہیں بھرتیں اور واپس آکر سپاہیوں کو پلاتیں"۔

برادرانِ اسلام:

نوجوانوں کے بہت سے فرائض اور ذمہ داریاں ہیں جن میں سے چند فرائض ہم ذکر کرتے ہیں :

☆ نمبر ایک : اپنے آپ کو علم و ثقافت سے مزین کرنا اور مزید علم کی تلاش میں رہنا: کیونکہ ہر لمحہ علم میں ترقی ہو رہی ہے، اس لئے ہمارے نوجوانوں کا وطن کی ضروریات اور مارکیٹ کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے رونما ہونے والی تبدیلیوں اور حالات و واقعات کے شانہ بشانہ چلنا ضروری ہے، اور یہ چیز ٹریننگ کورسز اور پروگرامز سے استفادہ کے ذریعے ممکن ہے، تاکہ وہ پیش آنے والے چیلنجز کا سامنا کرنے کے

صلاحیت رکھتے ہوں، اللہ تعالی نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیاوی امور میں سے صرف علم میں اضافہ کی دعا کرنے کا حکم دیا، اور اپنے نبی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: {وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْماً} "اور دعا کریں کہ اے پروردگار! میرا علم بڑھا"۔

☆نمبر دو: تجربات سے فائدہ اٹھانااور غرور و تکبر سے اجتناب کرنا: نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے سے پہلے تجربہ کار لوگوں کے تجربات اور ان کی حکمت و دانائی سے فائدہ اٹھائیں، یکے بعد دیگرے آنے والی نسلوں کے درمیان باہمی کشمکش کا تعلق نہیں ہے بلکہ ان کے درمیان باہمی یکسانیت اور نصیحت کا تعلق ہے، ہمارے نوجوانوں کو ایسے غرور سے بچنا چاہیے جو تعمیر کی بجائے تخریب کا باعث بنے اور نوجوان کو ہلاک کر دے، ارشاد باری ہے: {وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا} "اور زمین میں اَکڑ کر نہ چل کہ نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتا ہے"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں: بخل جس کی پیروی کی جائے، خواہشِ نفس جس کی اتباع کی جائے، اور انسان کا اپنی بات پر غرور کرنا"۔

☆ نمبر تین : اپنے دین اور وطن کی خدمت کے لئے تجدید نیت کرنا: انسان کو اپنے عمل میں اخلاص اور صدق نیت کے مطابق ہی اجر دیا جائے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اعمال کادار و مدار نیتوں پر ہے، بیشک ہر آدمی کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی"۔

☆ نمبر چار: اپنی توانائیاں مزید صرف کرنا، اور اس بات کا ادراک رکھنا کہ راستہ طویل ہے اور امانت بہت بھاری ہے، کیونکہ ہم ایک ایسے معاشرے میں زندگی گزار رہے ہیں جو بڑی تیزی سے تبدیل ہو رہا ہے، اس میں صرف انہی لوگوں کی جگہ ہے جو اپنے کاموں اور ذمہ داریوں میں جنون کی حد تک محنت کرنے والے ہیں۔

☆ نمبر پانچ: جس سر زمین پر نشو و نما پائی، تعلیم و تربیت حاصل کی اس کا حق ادا کرنا: وطن کا اپنے ان نوجوانوں پر حق ہے جنہوں نے اس کی مٹی پر پرورش پائی، اور اس کی نعمتوں میں پروان چڑھے، جس میں ان کی یادیں اور تاریخ ہے، اس لئے اپنے وطن کی خدمت اور اس کی مٹی کا دفاع کرنے کی خاطر ہمارا زادِ راہ پختہ عزم و ارادہ، ہمارا ہتھیار علم و تحقیق اور ہمارا اشعار ایثار و قربانی ہونا چاہیے۔

افواہیں پھیلانے کے خطرات

بے شک حق و باطل کے درمیان کشمکش اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسانیت کی تاریخ قدیم ہے، اور یہ کشمکش قیامت تک جاری ہے، اہلِ باطل کا اہلِ حق کے ساتھ اپنی کشمکش میں سب سے نمایاں اور اہم ہتھیار افواہیں تیار کرنا اور انہیں لوگوں کے درمیان پھیلانا ہے

۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بات ایک بہت بڑی امانت اور ذمہ داری ہے خواہ وہ تحریری شکل میں ہو یا صوتی یا مرئی شکل میں ہو، افواہیں بھی صرف ایک بات ہی ہوتی ہے جسے لوگوں کے درمیان پھیلا دیا جاتا ہے، کوئی بیمار دل کا مالک شخص یا پسِ پردہ رہ کر کام کرنے والی شر پسند قوتوں میں سے کوئی ادارہ یا تنظیم ان افواہوں کو پھیلاتی ہے، اور لوگوں کی زبانیں بغیر کسی تحقیق و تفتیش کے اسے آگے ایک دوسرے کو منتقل کرتی ہیں جس کا عقل اور لوگوں پر منفی اثر پڑتا ہے، تخریبی افکار اور عقائدِ فاسدہ عام ہو جاتے ہیں اور معاشرہ صبح و شام ایک اضطراب اور بے چینی کی کیفیت کا شکار ہو جاتا ہے، بلکہ معاشرے میں امن و امان ختم ہو جاتا ہے، لوگوں کا ایک دوسرے پر اعتماد کمزور پڑ جاتا ہے، اور امت کے افراد جو کہ جسدِ واحد کی مانند ہیں وہ ایک دوسرے کو شک کی نِگاہ سے

دیکھنے لگتے ہیں اور ایک دوسرے سے خیانت کرنے لگتے ہیں، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آدمی کے جھوٹے ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو آگے بیان کردے"، جب انسان کا ہر سنی سنائی بات کو آگے بیان کرنا جھوٹ کی ایک قسم ہے جس پر انسان کو آخرت میں سخت سزا دی جائے گی تو اس آدمی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس نے ایسی بات بیان کی جسے نہ اس نے دیکھا ہے اور یہ نہی سنا ہے ؟۔

اسلام نے افواہوں اور انہیں پھیلانے والوں کے بارے میں سخت موقف اختیار کیا ہے، اور اسے شریعتِ اسلامی کے لائے ہوئے عمدہ اخلاق اور اعلی انسانی اقدار کے منافی قرار دیا ہے، کیونکہ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو ہر اس بات سے اپنی زبان کو محفوظ رکھنے کا حکم دیا ہے جو معاشرے میں فتنہ کا باعث بنے یا بے چینی پیدا کرے، اور انہیں حکم دیا ہے کہ وہ سچ بولیں، اپنی زبان کی حفاظت کریں اور اپنے کانوں تک پہنچنے والی ہر بات کی تحقیق کریں تاکہ وہ فتنے پھیلانے، معاشرے کو تباہ کرنے اور لوگوں کی عزت و آبرو سے کھیلنے کا سبب نہ بنیں، ارشاد باری ہے: { يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ } "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ"۔ دوسری

جگہ پرارشاد باری ہے: {مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ} "(انسان) منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر کہ اس کے پاس نگہبان تیار ہے"۔اور ارشاد باری ہے: {وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا} "جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ۔ کیونکہ کان اور آنکھ اور دل اِن میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے"۔اور حدیث معاذ بن جبل میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے اسلام کے فرائض اور خیر کی تمام راہیں بیان کرنے کے بعد اسے فرمایا: "اور اگر تم چاہو تو میں تمہیں اس کام کے جوہر، اس کے ستون اور اس کی چوٹی کی خبر نہ دوں" معاذ نے عرض کی: ہاں اے اللہ کے رسول، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا جوہر اسلام ہے، اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کی چوٹی اللہ کی راہ میں جہاد ہے، اور اگر تم چاہو تو میں تمہیں ان تمام چیزوں کا خلاصہ نہ بتادوں" معاذ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول وہ کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا، صحابی کہتے ہیں میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول، ہم جو باتیں اپنے زبانوں سے کہتے ہیں، کیا اس پر ہماری پکڑ ہوگی؟ تو آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیری ماں تجھے روئے، لوگوں کی فضول باتیں ہی انہیں جہنم میں منہ کے بَل گرائیں گی"۔

افواہیں اڑانا اور انہیں رواج دینا منافقین کا طریقہ ہے، منافق لوگ امن و امان تباہ کرنے، قومی یکجہتی کو نشانہ بنانے، بڑھتی ہوئی معیشت کو کمزور کرنے، ملکی سلامتی اور استحکام کو نقصان پہنچانے اور شہریوں بالخصوص نوجوانوں کے دلوں میں بدشگونی، ناامیدی اور مایوسی پیدا کرنے کے ذریعے اپنے اہداف و مقاصد حاصل کرنے کی خاطر یہ طریقہ کار استعمال کرتے ہیں، قرآن کریم نے ان لوگوں کو "المرجفون "یعنی افواہیں اور سَنسنی خیز خبریں پھیلانے والا کہا ہے، کیونکہ ان کا ہدف ایسی غلط باتوں اور فتنوں میں مشغول ہونا ہوتا ہے جو معاشرے میں شدید اضطراب پیدا کر دیں، ارشاد خداوندی ہے: { لَئِن لَّمْ يَنتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا } "اگر (اب بھی) یہ منافق اور وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں غلط افواہیں اڑانے والے ہیں باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان (کی تباہی) پر مسلط کر دیں گے پھر تو وہ چند دن ہی آپ کے ساتھ اس (شہر) میں رہ سکیں گے"۔

افواہیں ایک ایسا جنگی ہتھیار ہے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی محفوظ نہ رہ سکے، مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو نقصان پہنچانے اور اس کی صورت کو مسخ کرنے کے لئے افواہیں پھیلا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلانِ جنگ کیا، انہوں نے لوگوں کے درمیان یہ بات عام کر دی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جادو گر ہیں، ارشاد باری ہے: {وَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ} "اور کافروں نے کہا کہ یہ تو جادو گر اور بڑا ہی جھوٹا ہے"۔ اور انہوں نے جھوٹا دعوی کیا کہ یہ شاعر اور دیوانہ ہے، ارشاد باری ہے: {وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُو آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَجْنُونٍ} "اور کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دیں"۔ اور بعض اوقات انہوں نے یہ بات عام کر دی کہ یہ ایک کاہن ہے، اللہ تعالی ان کے جھوٹ اور افتراء کا رد کرتے ہوئے فرماتا ہے: "إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ * وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ * وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ * تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ} "بیشک یہ (قرآن) بزرگ رسول کا قول ہے۔ یہ کسی شاعر کا قول نہیں (افسوس) تمہیں بہت کم یقین ہے۔ اور نہ کسی کاہن کا قول ہے، (افسوس) بہت کم نصیحت لے رہے ہو۔ (یہ تو) رب العالمین کا اتارا ہوا ہے"۔

احد کے دن مشرکین نے مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے اور ان کی قوت کو کمزور کرنے کے لئے یہ خبر مشہور کر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے ہیں، بس اس خبر کا سننا تھا کہ مسلمانوں کی صفوں میں اضطراب پیدا ہو گیا، ان کی نفسیاتی قوت کمزور پڑ گئی، اور ان میں سے بعض نے راہِ فرار اختیار کی، بعض نے ہتھیار ڈال دیئے اور بعض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد ثابت قدم رہے۔

حمراء الاسد کے دن مشرکین نے یہ بات مشہور کر دی کہ قریش مکہ نے مدینہ پر حملہ کرنے اور نبی کریم اور آپ کے اصحاب سے جنگ کرنے کے لئے بہت بڑا لشکر تیار کیا ہے لیکن اس کے باوجود مسلمان اپنے دین پر ثابت قدم رہے اور یہ افواہیں انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں، اللہ تعالی نے صحابہ کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: {الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ * فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ} "وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلے پر لشکر جمع کر لئے ہیں، تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔ (نتیجہ یہ ہوا کہ) اللہ کی

نعمت و فضل کے ساتھ یہ لوٹے، انہیں کوئی برائی نہ پہنچی، انہوں نے اللہ تعالی کی رضا مندی کی پیروی کی، اللہ بہت بڑے فضل والا ہے"۔

اور غزوہ حنین کے دن جب یہ افواہ اڑائی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر اس افواہ کو رد کرتے ہوئے فرمایا: " میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں"۔

افواہیں اڑانے اور ان کو عام کرنے پر لوگوں کی جانیں، اموال، عزتیں مباح قرار دینے اور زندگی میں بے چینی پیدا ہونے جیسے خطرات مرتب ہوتے ہیں جو کسی بھی صاحبِ بصیرت اور عقلمند شخص پر مخفی نہیں ہیں۔ خلیفہ راشد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قتل میں ہمارے لئے بہترین دلیل اور شاہد موجود ہے کہ یہودی عبد اللہ بن سبا کی طرف سے پھیلانے جانے والی سَنسنی خیز خبروں اور افواہوں کی وجہ سے مجرم لوگوں نے آپ کا محاصرہ کیا بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کو پانی تک پینے سے روک دیا، حالانکہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ ہی وہ ہستی ہے جس نے اپنے ذاتی مال سے بئر رومہ کو خریدا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں کہ: "جس دن عثمان کو قتل کیا گیا اس سے گزشتہ دن آپ رضی اللہ عنہ روزے سے تھے، پس جب افطاری کا

وقت تھا آپ نے ان لوگوں سے میٹھا پانی مانگا تو انہوں نے آپ کو پانی نہ دیا، آپ افطاری کئے بغیر سو گئے، جب سحری کا وقت ہوا تو میں اپنے پڑوسیوں کے پاس گئی اور ان سے میٹھا پانی مانگا تو انہوں نے مجھے پانی کا ایک گلاس دیا، میں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور حرکت دی تو آپ بیدار ہو گئے، میں نے کہا کہ یہ میٹھا پانی ہے، آپ نے اپنا سر اوپر اٹھا اور طلوعِ فجر کی طرف دیکھا اور کہا: میں نے روزہ رکھ لیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چھت سے مجھ پر نگاہ لطف و کرم فرمائی ہے اور آپ کے پاس میٹھا پانی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اے عثمان پانی پیو) میں نے پانی پیا یہاں تک کہ میں سیراب ہو گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اور پیو)، میں نے اور پیا یہاں تک کہ میں سیر ہو گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (عنقریب بہت سے لوگ آپ کے خلاف جمع ہو جائیں گے، اگر تم ان سے لڑائی کرو گے تو تمہیں فتح نصیب ہو گی اور اگر تم انہیں چھوڑ دو گے تو تم افطاری ہمارے پاس کرو گے، پس وہ لوگ اسی دن آپ کے کاشانہ میں داخل ہوئے اور آپ کو قتل کر دیا"۔

دورِ حاضر میں بہت سے وسائل اور ذرائع تبدیل ہو چکے ہیں، اور دنیا سوشل میڈیا اور ٹیکنالوجی کے میدان میں جس تیز ترین اور وسیع پیمان پر ترقی کا مشاہدہ کر رہی ہے اس

کے پیشِ نظر اس خبیث فن نے مختلف اور متعدد صورتوں اختیار کرلی ہے کیونکہ اب افواہ زیادہ وسیع پیمان اور زیادہ تیزی سے پھیلتی ہے اور اسکی تاثیر بھی زیادہ ہوتی ہے بلکہ اس نے ایک جنگی ہتھیار اور طریقہ کار کی شکل اختیار کرلی ہے، اب جنگ محض عسکری یا سکیورٹی یا قدیم انٹیلی جنس کے طریقہ کار کے تقلیدی مفہوم کے مطابق محض انٹیلی جنس کے دائرہ کار تک ہی محدود نہیں رہی، بلکہ جنگوں کے طریقہ کار میں تبدیلی رونما ہو چکی ہے، من گھڑت اور جھوٹی افواہیں پھیلانے کا ہتھیار استعمال کرنے کے طریقہ کار پر عمل کیا جارہا ہے جو کہ ایک فن کی شکل اختیار کر چکا ہے اور بعض اداروں کی طرف سے باقاعدہ اس کی تعلیم و تربیت دی جارہی ہے، الیکٹرونک دستے مامور کئے جا رہے ہیں، نفسیاتی، سیاسی اور اقتصادی دباؤ اور پابندی کے لئے زیادہ سے زیادہ حربے استعمال کئے جارہے ہیں، عوام کو حکمرانوں کے اکسانے، قومی نشانوں کو مسخ کرنے اور ملکی کامیابیوں کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے اور ان کی تحقیر کے لئے تن من دھن کی بازی لگائی جارہی ہے، دہشت گرد قوتوں اور جماعت کے باہمی اتحاد بن رہے ہیں، ایک منظم طریقہ سے عوام اور حکمرانوں کے درمیان پھوٹ پیدا کرنے والا ہر نعرہ بلند کرنے اور اداروں کو تباہ کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں، سوشل میڈیا

کے تمام تر ذرائع استعمال کیا جا رہے ہیں، ضروریات اور مصالح سے کھیلا جا رہا ہے جن پر صبر کرنا بعض لوگوں کے لئے نا قابل برداشت ہے، عوام کے جذبہ اور حکمرانوں کے رعب و دبدبہ کو ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، علما، مفکرین، اور قومی تعلیم یافتہ طبقہ کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کئے جا رہے ہیں اور ان کے مخالفین کی مدد کی جا رہی ہے، اپنے اصول پر ڈٹے ہوئے محبانِ وطن شخصیات کو صراحتا اور کنایۃ دھمکی آمیز خط بھیجے جا رہے ہیں کہ اگر وہ ان کے ہم نوالہ اور اس کے گمراہ کن پلان کا حصہ نہیں بنتے اور ان کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے تو انہیں اپنے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔

یہ تمام چیزیں ان تند و تیز موجوں کے سامنے عزم واستقلال کے ساتھ ڈٹ جانے کو ایک ایسی استثنائی صورتحال قرار دے رہی ہیں جسے ایمانی عقیدے، قومیت کے فولادی جذبے اور اللہ تعالی کی ذات پر مکمل بھروسے کی ضرورت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ جو بغیر کسی تحقیق اور توثیق کے خبریں یا واقعات وغیرہ شیئر کر رہے ہیں اور فتنہ و فساد کو ہوا دینے والے لوگوں میں شامل ہو رہے ہیں وہ ان باتوں کو معمولی چیز سمجھ رہے ہوں، حالانکہ یہ معمولی بات نہیں ہے ہو سکتا ہے وہ کوئی ایسی جھوٹی بات کہہ دے یا لکھ

دے یااس کو شیئر کر دے جس کی کوئی حقیقت ہی نہ ہو اور وہ پوری دنیا میں عام ہو جائے تو وہ روز قیامت اس کے لئے عذاب کا سبب بنے گی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بے شک آدمی اللہ کی خوشنودی کا باعث بننے والی کوئی بات کہتا ہے جس پر وہ کوئی توجہ نہیں دیتا، اللہ تعالی اس کی وجہ سے اس آدمی کے درجات بلند کر دیتا ہے اور بے شک آدمی اللہ کی ناراضگی کا باعث بننے والی کوئی بات کہتا ہے جس پر وہ توجہ نہیں دیتا، اللہ تعالی اس کی وجہ سے اس آدمی کو جہنم میں پھینک دیتا ہے"۔

برادرانِ اسلام:

اسلام نے معاشرے کو افواہوں اور سَنسنی خیز خبروں سے بچانے کے لئے ایک محکم منہج وضع کیا ہے جس کے اہم اور نمایاں نقاط درج ذیل ہیں:

☆کسی بھی ذریعہ سے خواہ وہ تحریری ہو یا صوتی یا مرئی، افواہ کو بار بار ذکر نہ کرنا، کیونکہ اس کو بار بار ذکر کرنے میں در حقیقت اس کو عام کرنے اور پھیلانے میں کردار ادا کرنا ہے، افواہوں کو جب بار بار ذکر کرنے والی زبانیں، سننے والے کان اور قبول کرنے اور تصدیق کرنے والے لوگ مل جائیں تو یہ افواہیں زیادہ پھیلاتی ہیں، ارشاد باری ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ

نَادِمِينَ} "اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ" اور ارشاد باری ہے: {إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ} " جبکہ تم اسے اپنی زبانوں سے نقل در نقل کرنے لگے اور اپنے منہ سے وہ بات نکالنے لگے جس کی تمہیں مطلق خبر نہ تھی، گو تم اسے ہلکی بات سمجھتے رہے لیکن اللہ تعالی کے نزدیک وہ بہت بڑی بات تھی"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے، اور جو شخص اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت و تکریم کرے، اور جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے"۔

☆ فرزندانِ وطن کے درمیان اتحاد و اتفاق کی ضرورت، افواہوں کو سنتے وقت حسنِ ظن کو مقدم رکھنا اور ان کو موردِ الزام ٹھہرانے میں جلدی نہ کرنا، ارشاد باری ہے: {لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ} " ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اس (بہتان) کو سنا تھا تو مومن مرد اور مومن عورتیں اپنوں

کے بارے میں نیک گمان کر لیتے اور کہہ دیتے کہ یہ کھلا بہتان ہے"۔ مسلمان اس بات کا پابند ہے کہ وہ حسنِ ظن رکھے اور دوسروں سے صادر ہونے والے اقوال وافعال کو اچھے پہلو پر محمول کرے کیونکہ بدگمانی ایک ایسا مہلک مرض ہے جو لوگوں کی زندگی میں بے چینی پیدا کرنے اور ان کے درمیان دشمنی اور نزاع کا باعث بنتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: "بدگمانی سے بچو، بے شک بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے، اور ٹوہ نہ لگاؤ، تجسس نہ کرو، حسد نہ کرو، قطعِ تعلقی نہ کرو، ایک دوسرے سے نفرت نہ کرو، اور اللہ کے بندوں بھائی بھائی بن جاؤ"۔

☆ حقائق کو بیان کرنے میں ماہرین کی مدد حاصل کرنا اور معاملات کے بارے میں فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرنا، اللہ تعالی نے منافقین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: { وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا } "جہاں انہیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کر دیا، حالانکہ اگر یہ لوگ اسے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے، تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر

لیتے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں اور اگر اللہ تعالی کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو معدودے چند کے علاوہ تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے "۔ یعنی وہ لوگ مدینہ کے معاشرے کے استحکام اور امن وامان کی گھات میں رہتے تھے اور جب کوئی اسی بات سنتے جو مسلمانوں کے امن وامان یاان کے خوف سے متعلق ہوتی تو وہ اسے مشہور کردیتے یاخوف، بے چینی اور اضطراب پیدا کرنے کے ارادہ سے اسے عام کردیتے۔

ہر محب وطن اور اپنے دین کی غیرت رکھنے والے مومن کو ان افواہوں کو روکنے اور ان کا رد کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہونا چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے اپنے بھائی کی عزت کا دفاع کیا قیامت کے دن اللہ تعالی اس کے چہرے سے جہنم کی آگ کو دور کردے گا"، اور ہمیں اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ ہمارے منہ سے نکلنے والا ہر لفظ ایک امانت ہے جس کے بارے میں قیامت کے دن ہم سے پوچھا جائے گا۔

ہم سب کو اس حقیقت کا ادراک ہونا چاہیے کہ ہمارے دشمنوں نے فورتھ جنریشن اور ففتھ جنریشن وار، جھوٹی افواہوں، تمام تر کامیابیوں اور قومی رموز کو مسخ کرنے اور ہر قومی علامت کو نقصان پہنچانے کی کوششوں کو ہمارے ملک کو ناکام بنانے،اسے گرانے

یا اسے ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کے لئے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ہے تا کہ وہ اپنے اہداف اور مقاصد حاصل کر سکیں، اور اس حقیقت کا ادراک کرنا بھی ہم پر لازم ہے کہ ہمیں ایک تباہ کن جنگ کا سامنا ہے جو ہمیں ہر طرف سے اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے اور جھوٹی افواہیں اس کے لئے ایندھن کا کام دے رہی ہیں، ہمیں ہر بات کی تحقیق اور توثیق کرنا ضروری ہے تا کہ ہم دشمن کے فریب میں نہ آ سکیں، اور یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنی ذات، اپنی قیادت، اپنی فوج اور اپنی پولیس پر مکمل اعتماد کریں اور اپنے وطن کے دشمنوں، ہمیں اور ہمارے حوصلے اور جذبے کو نقصان پہنچانے والوں یا ہمارے اندر ناامیدی اور مایوسی پیدا کرنے کے لئے غور وفکر کرنے والوں کی باتوں پر کان نہ دھریں۔

نشہ آور اشیا کے فرد اور معاشرے پر برے اثرات

اللہ تعالی نے انسان کو عقل کے ذریعے تمام مخلوقات پر فوقیت دی ہے، عقل ہی ایک ایسی نعمت ہے جس پر احکام خداوندی کے پابند ہونے کا دار و مدار اور غور و فکر کرنے کی بنیاد ہے، جن لوگوں نے ان نعمتوں میں کوتاہی کی اور ان کا حق ادا نہ کیا اللہ نے ان کی مذمت کی ہے، ارشاد خداوندی ہے: {أَفَلَا يَعْقِلُونَ} پس کیا وہ سمجھتے نہیں۔ {أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ} پس کیا تم غور و فکر نہیں کرتے، {وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ} اور اس کو علم والے ہی سمجھتے ہیں ،اور ارشاد خداوندی ہے {قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ} اور ہم نے تمہارے لئے نشانیوں کو کھول کر بیان کر دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔ اور ارشاد خداوندی ہے {إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِأُولِي النُّهَىٰ} اور اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ حسن بصری رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے کہ: اگر عقل کو خریدا جا سکتا تو لوگ اس کی قیمت ادا کرنے میں حد سے تجاوز کر جاتے اور تعجب ہے ان لوگوں پر جو اپنے مال سے ایسی چیز خریدتے ہیں جو عقل کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔

اسلام میں عقل، غور و فکر اور فہم و ادراک کو بہت بلند مقام حاصل ہے، دین متین نے عقل کی مختلف طریقوں سے حفاظت کی ہے اور ہر اس چیز کو حرام قرار دیا ہے جو عقل کو

نقصان پہنچائے یا اسے فہم و ادراک کی صلاحیت سے عاری کر دے، اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ} اے ایمان والو ! بیشک شراب اور جوا اور نصب کئے گئے بت اور فال کے تیر ناپاک شیطانی کام ہے سو تم ان سے پرہیز کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ ۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے صحابہ کو بیعت کرتے تو آپ فرماتے: (میں تم کو اس بات پر بیعت کر رہا ہوں کہ تم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، کسی معصوم جان کو ناحق قتل نہیں کروگے، زنا نہیں کروگے، چوری نہیں کروگے اور کوئی بھی نشہ آور چیز نہیں پیوگے)،اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: (اور تم کوئی بھی نشہ آور چیز نہیں پیوگے)ایک عام لفظ ہے جو تمام نشہ آور چیزوں کو شامل ہے،اور ان کے ناموں کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا،اس بنا پر ہر اس چیز پر شراب کی طرح حکم حرمت لاگو ہوگا جو عقل کو زائل کر دے خواہ وہ کسی بھی طریقہ سے ہو پینے سے ہو، سونگھنے سے ہو یا انجکشن کے ذریعے ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پختہ اصول وضع کر دیا ہے جو زمان و مکان کی تبدیلی کے ساتھ تبدیل ہوتا ہے نہ حالات واشخاص کے تبدیل ہونے سے تبدیل ہوتا ہے اور

وہ ایک ایسی علت بیان کرتا ہے جو شراب اور ہر قسم کی نشہ آور چیز پر لاگو ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا(ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے، جس نے دنیا میں شراب پی اور پھر اس سے توبہ نہ کی تو وہ آخرت میں اس سے محروم رکھا جائے گا)

تو اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ شراب ہر نشہ آور چیز کو شامل ہے لوگ چاہیں اس کو جو بھی نام دے دیں اور خواہ وہ چیز سیال ہو یا خشک، جب تک اس میں حرام معنی یعنی نشہ پایا جاتا ہے تو وہ شراب کے حکم میں داخل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (جس چیز کی کثرت نے نشہ دلایا تو اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے)، اور آپ کا ہی فرمان ہے: (میری امت کے کچھ لوگ ضرور شراب پیئں گے وہ اس کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے)۔

جو شخص شراب استعمال کرتا ہے یا بیچتا ہے یا بناتا ہے اس کی شدید مذمت کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اللہ تعالی نے شراب، اسے پینے والے، اسے پلانے والے، اسے بیچنے والے، اسے خریدنے والے، اسے تیار کرنے والے، اسے اٹھا کر لانے والے پر اور جس شخص کی طرف اٹھا کر لائی جارہی ہے اس پر لعنت کی ہے)،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا(جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس دستر خواں پر مت بیٹھے جس پر شراب پی جاتی ہے)۔

اسلام نے جس وقت نشہ آور چیزوں کو حرام قرار دیا ہے تو اس نے فرد اور معاشرے کی حفاظت کے لئے ان کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ ان کے بہت سے نقصانات ہیں جو نشہ آور اشیا کے عادی شخص کی صحت پر رونما ہوتے ہیں اور معاشرے پر منفی اثرات چھوڑتے ہیں، شراب عقل کو زائل کر دیتی ہے، رعب ودبدبہ اور مروت ختم کر دیتی ہے اور شرم وحیاء کا جنازہ نکال دیتی ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت ہمارے سامنے مثال ہے آپ نے شراب کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا حتی کہ زمانہء جاہلیت میں بھی شراب کو منہ تک نہیں لگایا تھا،اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ایک مدہوش آدمی کے پاس سے گزرے جو گندگی میں اپنا ہاتھ مار رہا تھا اور اس گندگی کو اٹھا کر اپنے منہ کے قریب کرتا اور جب اس کو بدبو پاتا تو اس کو دور کر دیتا،ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: "یہ نہیں سمجھتا کہ یہ کیا کر رہا ہے" پس ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا۔

مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ سے صحابہ کے مجمع میں پوچھا گیا کہ : کیا آپ نے زمانہء جاہلیت میں شراب پی تھی ؟ آپ نے کہا: میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، انہوں نے کہا: ایسا کیوں ہے ؟ آپ نے کہا: میں اپنی عزت اور مروت کو محفوظ رکھتا تھا کیونکہ جس نے شراب پی وہ اپنی عزت و مروت کو ضائع کرنے والا ہے، یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: (ابو بکر نے سچ کہا، ابو بکر نے سچ کہا)۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ صورت حال اس بات کی تاکید کرتی ہے کہ نشہ آور چیزیں استعمال کرنے والا اور ان کا عادی شخص خاندان کی تباہی و بربادی اور اس کے افراد کے راہ راست سے بھٹکنے کا سبب بنتا ہے اور نشہ آور چیزوں کے عادی شخص کے ہاں انسانی احساسات اور انسانی اقدار کا کوئی وجود نہیں ہوتا، اور یہ چیز معاشرے میں بہت سے منفی حالات پیدا ہونے کا سبب بنتی ہے جیسا کہ عورتوں کے ساتھ چھیڑ خانی کرنے، طلاق کے رجحان میں اضافے اور خاندانی پھوٹ وغیرہ کی صورتحال ہے، اور یہاں سے چوری، قتل وغارت اور لوٹ مار کرنے جیسے مختلف جرائم پھیلتے ہیں کیونکہ نشہ کا عادی شخص اپنے فعل اور اپنے جرم کے نتائج کی پرواہ نہیں کرتا، اس کو صرف

ایک ہی فکر لاحق ہوتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طریقے اور ذریعے سے نشہ آور اشیا حاصل کر لے۔

نشہ آور اشیا نے کتنی ہی جنگوں کی آگ کو بھڑکایا؟ کتنے صاحب ثروت لوگوں کو فقیر بنا دیا؟ کتنے صحت مند لوگوں کو بیمار کر دیا؟ کتنے اعلی ظرف لوگوں کو کمتر بنا دیا؟ کتنے عزت دار لوگوں کو ذلیل کر دیا؟ کتنے شوہر اور بیویوں کے درمیان جدائی کی؟ کتنی حسرت وندامت کو اپنے ورثہ میں چھوڑا؟ اور ان کے پینے والوں کے لئے کتنی مصیبتیں اور تکلیفیں لے کر آئی ہیں؟ یہ ہر بری خصلت کی اصل اور ہر برائی کی کنجھی ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابودرداء کو کی ہوئی وصیت میں مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا :(تم ہر گز شراب مت پینا، یہ ہر برائی کی کنجھی ہے)، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: " شراب سے اجتناب کرو، یہ تمام برائیوں کی جڑ ہے"۔

نشہ آور اشیا اور شراب کا عادی ہونا اقتصادی، معاشرتی، اخلاقی، تعلیمی اور تربیتی کمی کی سب سے بڑی وجہ ہے، اس کے علاوہ یہ بہت سے نفسیاتی اور جسمانی امراض کا سبب ہے جیسا کہ ،بے چینی، افسردگی، نفسیاتی اور اعصابی تناؤ، حافظے کا مضطرب ہونا، تنہائی، ضائع

ہونے کا شعور، الگ تھلگ رہنا وغیرہ جیسی نفسیاتی اور عقلی بیماریاں جو اس تباہ کن خطرے کی روک تھام کی ضرورت کو ہمارے اوپر لازم قرار دیتی ہیں، نشہ آور اشیا اور شراب کی عادت کے ذریعے نوجوانوں کو نشانہ بنانا درحقیقت ملک کو نشانہ بنانا، اس کی قوت کے عناصر کو کمزور کرنا اور اخلاق حسنہ اور اعلی اقدار کو تباہ کرنا ہے۔

نشہ آور اشیا کے خطرے کو محسوس کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ جو بھی اس کے جال میں پھنسا ہے اور اس نے اس کا ذائقہ چکھا ہے اس پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ اس میں ایک اچھے انسان سے ایک خطرناک مخلوق کا روپ اختیار کر لیتا ہے جس کے لئے اپنے اعصابی اعضاء کو راحت پہنچانے والی اشیا کو حاصل کرنے کے لئے اپنے دین کو بیچنا یا چوری اور قتل تک کرنا ممکن ہوتا ہے اور وہ جنون کی حالت اختیار کر لیتا ہے جو کہ شراب کے عادی کو اپنی ذات کے شر سے محفوظ رکھنے اور اس کے خاندان اور معاشرے کو اس کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے دخل اندازی کا تقاضا کرتا ہے۔

ہمیں اشد ضرورت ہے کہ ہم میں سے ہر کوئی اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے شعبے میں اپنے نوجوانوں اور اپنے بیٹوں کے حق میں اپنی ذمہ داری سرانجام دے اور یہ ذمہ داری خاندان اور اس کے تربیتی کردار سے شروع ہوتی ہے اور سکول، یونیورسٹی اور اس کے

تعلیمی اور مصلحانہ کردار سے ہوتی ہوئی دینی اداروں اور میڈیا کے تعاون سے پائے تکمیل تک پہنچتی ہے، ہمیں یہ ذمہ داری ادا کرنی ہے کہ ہم اپنے بیٹوں کو نشہ آور اشیا اور شراب کا شکار بننے کے لئے نہ چھوڑ دیں، خطرہ بہت بھیانک ہے اور اس کی قیمت ہمارے بیٹوں کی عقلیں، ان کی نفسیاتی اور جسمانی صحت اور ان کا مال ومتاع ہے، ہمیں شانہ بشانہ کھڑا ہونا چاہیئے تاکہ ہم ایک ایسی اچھی نسل کی تربیت کر سکیں جو عمدہ اخلاق، تعمیر وترقی پر قدرت رکھتی ہو اور وطن کو گھیرے میں لئے ہوئے خطرات سے حقیقی آگاہی اور ان کا مکمل فہم وادراک رکھتی ہو۔

برادرانِ اسلام:

اس سال پانی کے صحیح استعمال کرنے کے متعلق راہ نمائی کرنے کے لئے منائے جانے والے ہفتے کی مناسبت سے ہم اپنے آپ کو پانی جیسی نعمت جو کہ ہم پر اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے، کی یاد دہانی کرواتے ہیں، پانی زندگی اور زندہ انسانوں کی اصل اور کشادگی وخوشحالی کا سب سے اہم ذریعہ ہے اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے {وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ} اور ہم نے ہر ذی روح کو پانی سے پیدا کیا۔ اور دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے {وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ}

اور تو زمین کو بالکل خشک دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو اس میں تازگی کی حرکت آ جاتی ہے اور وہ بڑھنے لگتی ہے اور خوشنما نباتات میں سے ہر نوع کے جوڑے اگاتی ہے۔

اسلام نے پانی کی نعمت کا بہت زیادہ اہتمام کیا ہے اور ہمیں اس کا درست استعمال کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کے استعمال میں اسراف کرنے کو ظلم اور دوسروں کے حقوق پر زیادتی کرنے کی ایک صورت قرار دیا ہے، ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو سیکھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہر عضو کو تین تین دفعہ دھوتے ہوئے وضو کرنے کی کیفیت بتائی اور پھر فرمایا: (یہ وضو ہے، پس جس نے اس پر اضافہ کیا اس نے برا کیا یا زیادتی کی یا ظلم کیا)۔

اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن ابی وقاص کے وضو کرتے ہوئے ان کے پاس سے گزرے تو آپ نے کہا: (اے سعد یہ کیا اسراف ہے) اس نے کہا: اے اللہ کے رسول کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ آپ نے فرمایا: (ہاں، اگرچہ تم چلتی نہر کے کنار پر کیوں نہ ہوں)۔

اسلام پانی کو ایک قومی اور انسانی خزانے کی نگاہ سے دیکھتا ہے، جس میں ہر انسان کا حق ہے کسی ایک کو بھی اس سے محروم نہیں کیا جائے گا، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، گھاس اور آگ میں)۔ پانی کے اہتمام کے بارے میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جس شخص نے پانی کا کنواں کھودا اس سے انسانوں، جنوں اور پرندوں میں سے کسی بھی ذی روح نے پانی پیا تو وہ روز قیامت اس کے لئے باعث اجر و ثواب ہو گا)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (سات چیزیں ایسی ہیں جس کا اجر انسان کے مرنے کے بعد بھی اس کو پہنچتا ہے جب وہ اپنی قبر میں پڑا ہوتا ہے: جس نے کوئی علم سکھایا، یا کوئی نہر کھودی، یا کوئی کنواں کھودا، یا کوئی کھجور کا درخت لگایا، یا کوئی مسجد بنائی، یا قرآن کا صدقہ جاریہ کیا، یا اپنے پیچھے کوئی اولاد چھوڑی جو اس کی موت کے بعد اس کے لئے استغفار کرتی تھی)۔

آخر میں ہم اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ پانی کو گندہ کرنا یا اس کو ضائع کرنا یا اس کی حفاظت نہ کرنا فساد انگیزی کی ایک صورت ہے جس سے اسلام نے روکا ہے، ارشاد خداوندی ہے {وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا} "اور زمین میں اس کے سنور جانے کے بعد فساد انگیزی نہ کرو "۔

غرور و تکبر اور اللہ کے دین سے روکنے کے مظاہر

تکبر کرنے والے کا انجام دنیا و آخرت میں بہت برا ہے خواہ وہ افراد ہو یا قوموں، متکبر اور نافرمان قوموں اور بستیوں کی ہلاکت و تباہی اللہ کی مخلوق میں ایک سنتِ الٰہی ہے، اور آپ اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے، ارشاد باری ہے: { فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ * فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ } "اب عاد نے تو بے وجہ زمین میں سرکشی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ ہم سے زور آور کون ہے؟ کیا انہیں یہ نظر نہ آیا کہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے (بہت ہی) زیادہ زور آور ہے، وہ (آخر تک) ہماری آیتوں کا انکار ہی کرتے رہے۔ بالآخر ہم نے ان پر ایک تیز و تند آندھی منحوس دنوں میں بھیج دی کہ انہیں دنیاوی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھا دیں، اور (یقین مانو) کہ آخرت کا عذاب اس سے بہت زیادہ رسوائی والا ہے اور وہ مدد نہیں کئے جائیں گے۔ اور ارشادِ خداوندی ہے: { وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُّكْرًا * فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا } "اور

بہت سی بستی والوں نے اپنے رب کے حکم سے اوراس کے رسولوں سے سرتابی کی تو ہم نے بھی ان سے سخت حساب کیا اور انہیں سخت عذاب دیا۔ پس انہوں نے اپنے کرتوت کامزہ چکھ لیااور انجام کاران کا خسارہ ہی ہوا"۔

تکبر وہ پہلا گناہ ہے جس کے ساتھ اللہ کی نافرمانی کی گئی، اللہ تعالی نے جب فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا، ارشاد باری ہے : { وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لآدَمَ فَسَجَدُوا إِلاَّ إِبْلِيسَ أَبَى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ } "اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سواسب نے سجدہ کیا۔ اس نے انکار کیااور تکبر کیااور وہ کافروں میں ہو گیا"۔

متکبر لوگ جس طرح دنیا میں اپنے اوصافِ رذیلہ کی وجہ سے پہچانے جاتے تھے اسی طرح آخرت میں بھی وہ انہی اوصاف کی وجہ سے پہچانے جائیں گے، ارشاد باری ہے: { وَنَادَى أَصْحَابُ الأَعْرَافِ رِجَالاً يَعْرِفُونَهُم بِسِيمَاهُمْ قَالُوا مَا أَغْنَى عَنكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ } "اور اہلِ اعراف بہت سے آدمیوں کو جن کو کہ ان کے قیافہ سے پہچانیں گے پکاریں گے کہیں گے کہ تمہاری جماعت اور تمہارا اپنے کو بڑا سمجھنا تمہارے کچھ کام نہ آیا"۔ اسی لئے اسلام نے تکبر کے برے انجام سے متنبہ کیا ہے، اور اسے اللہ کی

رحمت سے دوری کا ذریعہ قرار دیا ہے اور متکبر لوگوں کو دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے، ارشاد باری ہے: {إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ} "جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جائیں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ کے اندر سے نہ چلا جائے اور ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں"، اور ارشادِ خداوندی ہے: {وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُمْ مُسْوَدَّةٌ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِلْمُتَكَبِّرِينَ} "اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ قیامت کے دن ان کے چہرے سیاہ ہو گئے ہوں گے کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں؟"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جنت اور دوزخ کا باہمی مکالمہ ہوا تو دوزخ نے کہا: مجھ میں سرکش اور متکبر لوگ ہیں اور جنت نے کہا: مجھ میں غریب اور کمزور لوگ ہیں، اللہ تعالی نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ فرمایا کہ: اے جنت تو میری رحمت ہے میں جس شخص کو چاہوں گا اس پر تیرے ذریعے رحمت کروں گا اور

اے دوزخ تو میرا عذاب ہے میں جس شخص کو چاہوں گا اسے تیرے ذریعے عذاب دوں گا، اور تم دونوں کو بھرنا میرے ذمہ ہے"۔

بے شک تکبر ایک ایسا وصف ہے جو بیمار دل میں جنم لیتا ہے، بعض اوقات آدمی خَستہ حال اور مفلس ہوتا ہے اور پھر بھی وہ متکبر ہوتا ہے، اور بعض اوقات آدمی مالدار ہوتا ہے اس کے پاس دنیاوی مال ومتاع کی فراوانی ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود وہ سراپا عجز و انکسار ہوتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، ایک آدمی نے عرض کی کہ: آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اور جوتا اچھا ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (یقینا اللہ تعالی جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے، تکبر کا مطلب حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے)، اور یہ ایسا خطرناک نفسیاتی اور معاشرتی مرض ہے جو انسانی نفس اور معاشرے کو تباہ وبرباد کردیتا ہے، متکبر شخص اپنی ذات کے فریب میں مبتلا ہوتا ہے اور اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے بڑا اور بالاتر سمجھتا ہے، ارشاد باری ہے: {إِنْ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَا هُمْ بِبَالِغِيهِ} "ان کے دلوں میں سوائے نِری بڑائی کے اور کچھ نہیں وہ اس تک پہنچنے والے ہی نہیں"۔

اگرچہ تکبر دل میں جنم لیتا ہے مگر اس کے بہت سے مظاہر ہیں جو انسانی طرزِ زندگی اور معاملات میں ظاہر ہوتے ہیں، ہم ان میں سے چند اہم مظاہر کا ذکر کرتے ہیں:

☆گناہ پر تکبر کرنا اور حق کو تسلیم نہ کرنا، ارشاد باری ہے: {وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ} "اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو تکبر اور تعصب اسے گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے"۔ متکبر شخص اپنے مذموم تکبر و غرور کی وجہ سے حق کا انکار کرتا ہے اور حق کی دعوت اس کے تکبر اور سرکشی میں مزید اضافہ کرتی ہے، ارشاد باری ہے: {فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ} "ایسے کے لئے بس جہنم ہی ہے اور یقیناوہ بدترین جگہ ہے"۔اور بعض لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا تکبر کی بنا پر انکار کرتے ہیں اور انہیں ان کے تکبر اور ہٹ دھرمی کی سزا ملتی ہے، حضرت ایاس بن سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اپنے دائیں ہاتھ سے کھانا کھا) اس آدمی نے کہا: میں نہیں کھا سکتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (تو کبھی بھی نہ کھا سکے)، اس کے تکبر نے اسے (دائیں ہاتھ سے کھانا کھانے

سے)روکا تھا، راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ آدمی اپنا دایاں ہاتھ اپنے منہ تک نہیں اٹھاسکا۔

☆منہ ٹیڑھا کرنا، یعنی تکبر کی وجہ سے دیکھنے سے منہ پھیر لینا، لقمان نے اپنے بیٹے کو جو وصیت کی قرآن کریم میں اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالی فرماتا ہے: {وَلاَ تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلاَ تَمْشِ فِي الأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لاَ يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ} "لوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پُھلا اور زمین پر اترا کر نہ چلا کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ تعالی پسند نہیں فرماتا"۔

☆اَکڑ کر اور اِتراتے ہوئے چلنا، ارشاد باری ہے: {وَلاَ تَمْشِ فِي الأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولاً، كُلُّ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا} "اور زمین میں اَکڑ کر نہ چل کہ نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتا ہے۔ ان سب کاموں کی برائی تیرے رب کے نزدیک (سخت) ناپسند ہے"۔

☆مال و دولت اور اللہ کی نعمتوں پر اِترانا اور تکبر کرنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص اپنی قیمتی پوشاک میں اِتراتا ہوا نکلا تو اللہ تعالی نے زمین کو حکم دیا تو وہ اسے نِگل گئی اور وہ قیامت کے دن تک اس میں دھنستا چلا جائے

گا)، جس طرح لباس پر اِترایا جاتا ہے اسی طرح گھریلو ساز وسامان، گاڑیوں اور محلات وغیرہ کے مالک ہونے پر فخر کرتے ہوئےاِترایا جاتا ہے۔

☆غریب اور کمزور لوگوں سے نفرت کرتے ہوئے ان کے ساتھ بیٹھنے سے اپنے آپ کو بالاتر سمجھنا، جیسا کہ مشرکین اپنے آپ کو سلمان، صہیب اور بلال رضی اللہ عنہم جیسے غریب صحابہ کرام کی مجلس میں بیٹھنے سے بالاتر سمجھتے تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ ان لوگوں کو نکال دیں یہ ہمارے ساتھ بیٹھنے کی جسارت نہیں کر سکتے، اللہ تعالی نے ان کے بارے میں فرمایا: {وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ} "اور ان لوگوں کو نہ نکالیے جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں، خاص اس کی رضامندی کا قصد رکھتے ہیں"۔ اپنے آپ کولوگوں سے بالاتر سمجھنے کی ایک صورت غریبوں کو کمتر سمجھتے ہوئے ولیمہ کی دعوت کو صرف امیر لوگوں تک محدود رکھنا، حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ : "سب سے برا کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس کے لئے امیروں کو دعوت دی جاتی ہے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے"۔

☆اسی طرح تکبر کی ایک صورت اپنے آپ کو اپنے سے کم مرتبہ لوگوں سے سلام لینے یا ان سے مصافحہ کرنے سے بالاتر سمجھنا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹے بڑے سے سلام لینے میں پہل کیا کرتے تھے، اور ایک حدیث پاک میں ہے کہ: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے ان کو سلام کیا"۔

☆ تکبر کی ایک صورت جھگڑالو ہونا ہے، اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں کہ مسلمان کا اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ترکِ تعلق کرنا حرام ہے کیونکہ اس سے قطع تعلقی، نفرتیں اور فساد پیدا ہوتا ہے، اور آخرت میں اس کے بارے میں سخت وعید آئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے اپنے (مسلمان) بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک تعلق کیا وہ جہنم میں جائے گا مگر یہ کہ اللہ اسے اپنے فیاضی کی وجہ سے بچالے"، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمان کے لئے اپنے بھائی سے تین راتوں سے زیادہ ترکِ تعلق کرنا جائز نہیں ہے کہ وہ دونوں ملیں تو ایک اِدھر منہ پھیر لے اور دوسرا اُدھر منہ پھیر لے، اور اِن دونوں میں سے بہتر وہ ہے جو اسلام میں پہل کرے"، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "چار خصلتیں ایسی ہیں جس شخص میں وہ پائی گئیں وہ پکا منافق ہے، اور جس شخص میں ان میں سے ایک خصلت پائی گئی

اس میں نفاق کی ایک خصلت پائی جائے گی یہاں تک کہ وہ اسے ترک کردے: جب اس کے پاس امانت رکھی جائے گی تو خیانت کرے گا، اور جب بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا، اور جب عہد کرے گا تو عہد شکنی کرے گا، اور جب جھگڑا کرے گا تو اس میں حد سے تجاوز کرے گا"۔

غرور و تکبر اور اپنے آپ کو دوسرے سے بڑا سمجھنا بہت سے مشرکین کو اسلام میں داخل ہونے اور "لاالہ الا اللہ" کہنے سے روکنے کا سبب تھا، ارشاد باری ہے: {إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ} "یہ وہ (لوگ) ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو یہ سرکشی کرتے تھے"۔ وہ اپنے آباء واجداد کے دین کے علاوہ کسی اور دین کی پیروی کرنے کو ناپسند کرتے تھے، تکبر کی وجہ سے ہی یہود نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی چھوڑ دی حالانکہ انہیں آپ کی نبوت کی صداقت کا پختہ یقین تھا، ارشاد باری ہے: {الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ} "جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اسے ایسا پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے، ان کی ایک جماعت حق کو پہچان کر پھر چھپاتی ہے"۔ اور اسی چیز نے بنی اسرائیل کو اپنے نبیوں کو جھٹلانے اور ان میں سے

بعض کو قتل کرنے پر اکسایا، ارشاد باری ہے: { أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ } "لیکن جب کبھی تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمہاری طبیعتوں کے خلاف تھی، تم نے جھٹ سے تکبر کیا، پس بعض کو تو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا"۔

سابقہ امتوں میں جھٹلانے والوں کے جھٹلانے اور کفر کرنے کا سبب یہی تکبر تھا، اللہ تعالی نے نوح علیہ السلام کی زبان پر ارشاد فرمایا: { وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا } "میں نے جب کبھی انہیں تیری بخشش کے لئے بلایا انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیا اور اَڑ گئے اور بڑا تکبر کیا"۔ اور قوم ھود کے بارے میں ارشاد فرمایا: { فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً } "اب عاد نے تو بے وجہ زمین میں سرکشی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ ہم سے زور آور کون ہے؟"۔ اور صالح علیہ السلام کی قوم کے بارے میں ارشاد فرمایا: { قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مُّرْسَلٌ مِّن رَّبِّهِ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ * قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنتُم بِهِ كَافِرُونَ } "ان کی قوم میں جو متکبر

سردار تھے انہوں نے غریب لوگوں سے جو کہ ان میں سے ایمان لائے تھے پوچھا، کیا تم کو اس بات کا یقین ہے کہ صالح (علیہ السلام) اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ بے شک ہم تو اس پر پورا یقین رکھتے ہیں جو ان کو دے کر بھیجا گیا ہے۔ وہ متکبر لوگ کہنے لگے کہ تم جس بات پر یقین لائے ہوئے ہو، ہم تو اس کے منکر ہیں"۔ اور شعیب علیہ السلام کی قوم کے بارے میں ارشاد فرمایا: (قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِن قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا)" ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیب! ہم آپ کو اور جو آپ کے ہمراہ ایمان والے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے الا یہ کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آ جاؤ۔ اس طرح اللہ کے حکم کی نافرمانی کرنے والی اور اس سے سرکشی کرنے والی ہر قوم کا انجام ہلاکت و بربادی تھا اور یہ بہت ہی برا انجام ہے اور بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

اس لاعلاج بیماری میں مبتلا لوگوں کے علاج کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے دل کا علاج کریں، اپنے نفس کی حقیقت کو جانیں، اور اپنے وجود پر غور کریں کہ اسے مٹی سے وجود بخشا گیا، پھر نطفہ پھر خون کا لوتھڑا پھر گوشت کی شکل دی گئی اور پھر اسے ایک قابل ذکر چیز بنا دیا، اس سے پہلے اس کے وجود کا نام و نشان تک نہ تھا، متکبر شخص کو جان لینا

چاہیے کہ قیامت کے دن اس کے ارادے کے برعکس اسے سزادی جائے گی، جس نے اللہ تعالی کی مخلوق پر غرور اور اپنا بڑاپن ظاہر کرنے کا قصد کیا تو اسکا حشر سب سے زیادہ ذلت آمیز اور حقیر شکل میں ہوگا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کو آدمیوں کی شکل میں چیونٹیوں کی طرح جمع کر کے میدانِ محشر میں لایا جائے گا اور ہر طرف سے ان پر ذلت ورسوائی چھائی ہوگی"۔ ارشاد باری ہے: {تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ} "آخرت کا یہ بھلا گھر ہم ان ہی کے لئے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں۔ پرہیزگاروں کے لئے نہایت ہی عمدہ انجام ہے"۔

برادرانِ اسلام:

اللہ کی راہ سے روکنے کے مظاہر میں سے ایک مظہر قول وفعل کا تضاد اور ان لوگوں کا مثالی اور کامل ہونے کا دعوی کرنا ہے جو ظاہر شکل وصورت پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں، اور ظاہرِ شکل وصورت کو ہی اولین ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ یہ ظاہری شکل وصورت کا اہتمام کرنے والا شخص اس انسانی اور اخلاقی معیار پر پورا نہ بھی آتا ہو جو اسے ایک قدوہ

اور نمونہ قرار دے، ظاہر شکل وصورت کا حامل شخص جس کا طرز عمل اسلامی تعلیمات کے موافق نہیں ہوتا، یہ اللہ کی راہ سے روکنے، اس سے متنفر کرنے اور تخریب کاری کرنے کا ایک اہم سبب شمار ہوتا ہے، ان ہی لوگوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان صادق آتا ہے کہ "تم میں سے (دین سے) متنفر کرنے والے لوگوں بھی ہیں"۔

اور جب یہ ظاہری مظہر دین کے دعویداروں کا مظہر ہو اور اس کے ساتھ ان کے اندر برے معاملات یا جھوٹ یا غداری یا خیانت یا ناجائز طریقہ سے لوگوں کا مال کھانے جیسی صفات بھی پائی جاتی ہوں تو معاملہ بہت خطرناک صورت اختیار کر جاتا ہے، بلکہ ایسا شخص منافقین کی لیسٹ میں شمار ہوتا ہے، جیسا کہ دین کے نام پر تجارت کرنے والی ان گمراہ جماعتوں کا حال ہے، یہ جماعتیں دہشت گردی کو سب سے زیادہ پناہ دینے والی اوران کی معاون ہیں تاکہ ان کے منتظمین ہر ذریعہ استعمال کرتے ہوں ریاستوں کو ناکام اور کمزور کر سکیں اور ان کے گمان کے مطابق انہیں اقتدار تک رسائی ہو سکے۔

اسی طرح وہ لوگ بھی اللہ کی راہ میں رکاوٹ کا سبب بنتے ہیں جو دین کی ناقص فہم، تکفیر میں حد سے تجاوز کرنے، ہتھیار اٹھانے اور لوگوں کے خلاف بغاوت کرنے کے ساتھ ساتھ دین کو صرف عبادات اور دینی معاملات میں اجتہاد کی حد تک محدود کرتے ہیں،

جیسا کہ خوارج نے کیا وہ لوگ سب سے زیادہ نمازی، روزے دار اور تہجد کا اہتمام کرنے والے تھے مگر انہوں نے وہ شرعی علم حاصل نہ کیا جو انہیں خون ریزی سے روکتا سو وہ تلواریں لے کر لوگوں کے خلاف نکل آئے، اگر انہوں نے علم حاصل کیا ہوتا تو علم انہیں اس کام سے ضرور روکتا، اسلام دینِ رحمت ہے اور لفظ رحمت پر ہر لحاظ سے پورا اترا ہے، ہر وہ چیز جو تجھے رحمت سے دور کرے وہ تجھے اسلام سے دور کر دے گی، اعتبار محض قول کا نہیں بلکہ اعتبار معتدل طرزِ عمل کا ہے۔

نفاق اور خیانت کے افراد اور ممالک پر خطرات

بیشک نفاق افراد اور امتوں کے لئے ایک تباہ کن وباء اور لاعلاج بیماری ہے اور یہ ایسی خطرناک قلبی بیماری ہے جو ایمان کی حقیقت کو تباہ کر دیتی ہے اور اس کی بنیادوں کو ختم کر دیتی ہے، یہ ایک خطرناک معاشرتی اور اخلاقی آفت ہے جو معاشرے کے امن وامان اور استحکام کے لئے خطرہ ثابت ہوتی ہے، اسی لئے اس کا خطرہ کفر وشرک کے خطرے سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ یہ ایک ایسی بیماری ہے کہ جب یہ امت کے وجود میں سرایت کرتی ہے تو اس کے اتحاد واتفاق کو پارہ پارہ کر دیتی ہے۔

اسی طرح خیانت اور دلالی وجاسوسی کا ہتھیار وہ خطرناک ہتھیار ہے جو تاریخ میں ملکوں کی ساکھ اور وجود کے لئے خطرہ ثابت ہوتا رہا ہے اور یہ تاریخ اس بات کی بہترین گواہ ہے کہ جو ممالک بھی تباہ وبرباد ہوئے ہیں یا ان کا وجود ہی صفحہ ءہستی سے مٹ گیا ہے ان کو اندر سے ہی تباہ وبرباد کیا گیا ہے، اور اس میں غداروں، ایجنٹوں اور دلالوں کا بہت بڑا کردار رہا ہے، اور جو خطرات ملکوں کو اندرونی سطح پر درپیش ہوتے ہیں وہ ہمیشہ ان خطرات سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں جو انہیں بیرونی سطح پر درپیش ہوتے ہیں۔

ہمیں یہ علم ہونا چاہیے کہ نفاق کی دو قسمیں ہیں ایک نفاقِ اکبر ہے اور دوسرا نفاقِ اصغر ہے، نفاقِ اکبر انتہائی خطرناک ہے اور اِس سے مراد اعتقادی نفاق ہے جس کا حامل شخص اسلام کا اظہار تو کرتا ہے لیکن باطن میں کفر کو پوشیدہ رکھتا ہے، اس قسم کا منافق ہمیشہ جہنم میں رہے گا بلکہ وہ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوگا، اور نفاقِ اصغر سے مراد عملی نفاق ہے جو کہ انسان کا اپنے طرزِ عمل میں راہِ راست سے ہٹ جانا اور منافقین کی علامتوں میں سے کسی علامت سے متصف ہونا ہے، ایسا شخص اصلاح وپرہیزگاری کو ظاہر کرتا ہے اور اپنے باطن میں اس کے برعکس چھپا کر رہتا ہے، ایسا منافق کلی طور پر دین سے خارج تو نہیں ہوتا لیکن اگر وہ اِس سے توبہ نہ کرے تو یہ نفاقِ اکبر کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔

قرآن کریم اور سنت نبویہ نے ہمارے سامنے منافقین، ان کی صفات، ان کے اخلاق اور ان کے مکر وفریب کو بیان کیا ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ کئی زمانے گزرنے کے باوجود اِن میں نہ تو کوئی تبدیلی آئی ہے اور نہ ہی وطنوں کے مختلف ہونے سے اِن میں کوئی اختلاف رونما ہوا ہے، ہم ان چند اہم علامات کا ذکر کرتے ہیں جن سے منافقوں کی پہچان ہوتی ہے:

☆ جھوٹ، وعدہ خلافی، امانت میں خیانت، اور جھگڑے میں حد سے تجاوز کرنا، یہ منافقین کی وہ بد ترین صفات ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں اور ان کا شمار عملی نفاق میں ہوتا ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان میں ذکر کیا ہے آپ نے فرمایا: "چار خصلتیں جس شخص میں پائی جائیں گی وہ پکا منافق ہے اور جس میں ان میں کوئی ایک خصلت پائی گی تو اس میں نفاق کی ایک خصلت پائی جائے گی یہاں تک کہ وہ اسے ترک کر دے: جب اس کے پاس امانت رکھی جائے گی تو خیانت کرے گا، اور جب بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا، جب عہد کرے گا تو عہد شکنی کرے گا اور جب جھگڑا کرے گا تو حد سے تجاوز کرے گا"، پس جس شخص میں یہ تمام خصلتیں یا ان میں سے کوئی ایک خصلت پائی گئی تو وہ منافق ہے اور یہ صفات امت کی مصلحتوں کے ساتھ کھیلتی ہیں اور ان کی تباہ کو نشانہ بناتی ہیں۔

اکثر اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ منافق شخص جھوٹ بولتا ہے تاکہ وہ دوسرے شخص کو اپنے قول و فعل کی سچائی کا یقین دلائے، اللہ کریم نے ارشاد فرمایا: {وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُعۡجِبُكَ قَوۡلُهُ فِي الۡحَيَاةِ الدُّنۡيَا وَيُشۡهِدُ اللّٰهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلۡبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الۡخِصَامِ} "اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جس کی گفتگو دنیاوی زندگی میں تجھے اچھی لگتی ہے اور وہ اللہ کو اپنے دل کی

بات پر گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ سب سے زیادہ جھگڑالو ہے"۔ قرآنِ پاک میں جب نفاق، دھوکے بازی اور امانت میں خیانت کا ذکر کیا گیا تو اس کے ساتھ جھوٹ کا بھی ذکر کیا گیا، ارشاد خداوندی ہے: {يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ * فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ} "وہ اللہ تعالی کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں لیکن دراصل وہ صرف اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور انہیں شعور نہیں۔ ان کے دلوں میں بیماری تھی اللہ تعالی نے انہیں بیماری میں مزید بڑھادیا اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کیلئے دردناک عذاب ہے"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ کے منفی اثرات کو بیان کرتے ہوئے جھوٹ سے متنبہ کیا ہے آپ نے فرمایا: "جھوٹ سے بچو، بیشک جھوٹ برائی کی طرف لے جاتا ہے اور برائی جہنم کی طرف لے جاتی ہے، اور آدمی جھوٹ بولتا اور جھوٹ تلاش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے"، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ہاں)، آپ سے عرض کی گئی: کیا مومن بخیل ہو سکتا ہے، آپ نے فرمایا: (ہاں)، آپ سے عرض کی گئی: کیا مومن جھوٹا ہو سکتا ہے، آپ نے فرمایا: (نہیں)، اور ابو بکر صدیق رضی اللہ

عنہ نے جھوٹ کو خیانت قرار دیا ہے آپ کا فرمان ہے : "سچ امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے"۔

اسی طرح خیانت اور دلالی و جاسوسی پر محبت کے تعلقات کا منقطع ہونا اور باہمی بغض کا جنم لینا مرتب ہوتا ہے جو باہمی نزاع، پھوٹ اور معاملات میں کرپشن کا سبب بنتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امانت میں خیانت کرنا خائن شخص کے لئے روزِ قیامت ندامت اور رسوائی کا سبب ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "روزِ قیامت جب اللہ کریم اولین و آخرین کو جمع کرے گا تو ہر غدار کے لئے ایک جھنڈا بلند کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا یہ فلان بن فلان کی غداری ہے"، صرف یہی نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزِ قیامت اس کے حریف ہونگے، آپ نے فرمایا: "تین اشخاص ایسے ہیں کہ روزِ قیامت میں ان کا حریف ہونگا اور جس کا میں حریف ہونگا روزِ قیامت میں اس سے جھگڑا کروں گا: ایک وہ آدمی جس نے میرے نام پر عہد دیا اور پھر عہد شکنی کی، دوسرا وہ آدمی جس نے آزاد آدمی کو بیچا اور ان کی قیمت کو کھا گیا اور تیسرا وہ آدمی جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر لیا اس سے پورا کام بھی لیا اور اس کو اس کی پوری مزدوری نہ دی"۔

خیانت کی خطرناک قسم اپنے وطن سے خیانت کرنااور اس کو کم قیمت اور دنیا کے فانی مال ومتاع کی خاطر بیچنا ہے جیسا کہ انتہا پسند جماعتیں، ان کے حامی یاان کے ہم خیال اوران کی راہ پر چلنے والے افراد کم قیمت پر اپنے وطنوں کو بیچ رہے ہیں۔

جن گھٹیا صفات سے اسلام نے متنبہ کیاہے ان میں سے ایک جھگڑے میں حد سے تجاوز کرنا ہے، یہ ہر برائی اور قابل مذمت چیز کی جڑ اور حق سے روگردانی کرنے کا ذریعہ ہے، یہ حق کو باطل اور باطل کو حق بنادیتی ہے، اللہ تعالی نے جھگڑے میں حد سے تجاوز کرنے والے کو جھگڑالو کہا ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: { وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ } "اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جس کی گفتگو دنیاوی زندگی میں تجھے اچھی لگتی ہے اور وہ اللہ کو اپنے دل کی بات پر گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ سب سے زیادہ جھگڑالو ہے"۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخص جھگڑالو قسم کا حریف ہے"۔

منافق لوگوں کے حال کے قریب ترین وصف یہ ہے کہ وہ دورخ والے ہوتے ہیں بلکہ ہم اپنے اس دور میں دیکھتے ہیں کہ وہ ان حدود سے بہت زیادہ تجاوز کرگئے ہیں اور ان

کے ہزار رخ بن گئے ہیں، یہ مخلوق میں سے بدترین لوگ ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم لوگوں میں سے بدترین شخص دو رخ والے کو پاؤ گے جو بعض لوگوں کے پاس ایک رخ سے آتا ہے اور بعض لوگوں کے پاس دوسرے رخ سے آتا ہے"۔

اسی طرح نفاق کی کچھ اور علامتیں بھی ہیں جو درج ذیل ہیں:

☆ زمین میں فساد بپا کرنا اور اصلاح کرنے کا دعوی کرنا: اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: { وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ * أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ } "اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو، تو کہتے ہیں: ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ! یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں مگر انہیں شعور نہیں ہے"۔ فساد بپا کرنے کی متعدد صورتیں ہیں جن میں سے ملک میں خوف وہراس کی فضا پیدا کرنا، سچے مسلمانوں کے دلوں میں کمزوری پیدا کرنا، غلط مفاہیم اور افکار و نظریات پھیلانا اور لوگوں میں فتنے کو ہوا دینا قابل ذکر ہے، اللہ تعالی نے قرآن کریم کے متعدد مقامات پر فرمایا: { لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ } "اگر وہ تم میں مل کر نکلتے بھی تو تمہارے

لئے محض شر وفساد ہی بڑھاتے اور تمہارے درمیان دوڑ دھوپ کرتے وہ تمہارے اندر فتنہ بپا کرنا چاہتے ہیں اور خود تم میں ان کے ماننے والے موجود ہیں، اور اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے"۔اور دوسری جگہ فرمایا: {وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ} "اور انہوں نے کہا: گرمی میں نہ نکلو، فرمادیجئے دوزخ کی آگ بہت ہی سخت گرم ہے، کاش کہ وہ سمجھتے ہوئے"۔اور دوسری جگہ فرمایا: {قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا} "بیشک اللہ تعالی تم میں سے ان لوگوں کو (بخوبی) جانتا ہے جو دوسروں کو روکتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہماری طرف آجاؤ اور لڑائی میں نہیں آتے مگر بہت ہی کم"۔اور فساد کی صورتوں میں سے لوگوں کے حق میں کمی کرنا اور ان کے مقام ومرتبے کو کم کرنا ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: {وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ} "اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم مت دیا کرو اور بے باکی کے ساتھ زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو"۔اور تخریب کاری کرنا، معصوم لوگوں کو قتل کرنا، پرامن لوگوں کو خوفزدہ کرنا، لوگوں کے کام کو معطل کرنا، ذمہ داری ادا نہ کرنا اور اسی طرح رشوت، اقربا پروری اور ناجائز طریقے سے لوگوں کا مال کھانا بھی فساد کی صورتوں میں شمار ہوتا ہے۔

☆عبادات اور بالخصوص سب سے افضل واشرف اور اعلی عبادت نماز کی ادائیگی میں سستی کرنا اور اس کی ادائیگی میں ریاکاری کرنا: اللہ کریم نے ارشاد فرمایا: {إِنَّ المنافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللہَ وَهوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَى يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللہَ إِلَّا قَلِيلًا} "بیشک منافقین اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ وہ انہیں دھوکے کی سزا دینے والا ہے اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی سستی کے ساتھ لوگوں کو دکھانے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا"۔اور دوسری جگہ فرمایا: {وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللہِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَى وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ} "اور ان کے خرچ کی قبولیت کے نہ ہونے کا کوئی سبب اس کے سوا نہیں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا، وہ نماز کی ادائیگی کے لئے نہیں آتے مگر بڑی کاہلی کے ساتھ اور وہ خرچ بھی نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ناخوش ہوتے ہیں"۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فجر اور عشاء کی نماز سے زیادہ کوئی نماز منافقین پر بھاری نہیں ہے اور اگر وہ اِن دونوں میں اجر وثواب کو جان لیں تو وہ ضرور ان میں آتے اگرچہ سُرین کے بَل سرک کر ہی کیونکہ نہ آنا پڑتا"، جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ: نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا: "اے لوگوں! خفیہ شرک سے بچو، صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول خفیہ شرک کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: " آدمی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں کو اپنی طرف دیکھنے کی وجہ سے اپنی نماز کو مزین کرنے کی کوشش کرتا ہے، پس یہ خفیہ شرک ہے"۔

برادرانِ اسلام:

دین اور وطن کے حساب پر دشمنوں کے ساتھ باہمی معاہدہ کرنا اور جاسوسی اور خیانت کرنے، خبریں اور معلومات کو منتقل کرنے اور اپنے وطن کے راز افشا کرنے کے ذریعے ان سے رابطہ رکھنا بھی نفاق کی علامات اور نشانیوں میں شمار ہوتا ہے، منافق ایک جاسوس ہے جو اپنے اہلِ خانہ، پڑوسیوں اور رشتے داروں کے حساب پر اپنے وطن کے دشمنوں کی مدد کرتا ہے، حق سبحانہ وتعالی نے فرمایا: {فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَى مَا أَسَرُّوا فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ} "آپ ایسے لوگوں کو دیکھیں گے جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ وہ جلدی کر کے ان میں گھس رہے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں خطرہ ہے، ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے پس بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالی فتح دے دے یا

اپنی طرف سے کوئی اور چیز لائے پھر تو یہ اپنے دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں پر شرمندہ ہو کر رہ جائیں گے"۔ اور دوسری جگہ فرمایا: {وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّئَنَّ فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا* وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِنَ اللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَنْ لَمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا} "اور بیشک تم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو دیر لگاتے ہیں، پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو کہتا ہے کہ بیشک اللہ نے مجھ پر احسان فرمایا کہ میں ان کے ساتھ حاضر نہیں تھا۔ اور اگر تمہیں اللہ کی جانب سے کوئی نعمت نصیب ہو جائے تو یہی ضرور کہے گا گویا تمہارے اور اس کے درمیان کچھ دوستی ہی نہ تھی کہ اے کاش ! میں ان کے ساتھ ہوتا تو میں بھی بڑی کامیابی حاصل کرتا"۔ اور جب وطن اور فرزندانِ وطن پر کوئی مصیبت آتی ہے یا ان کے درمیان کوئی فتنہ سر اٹھاتا ہے یا ان کے درمیان کوئی بیماری پھیل جاتی ہے یا انہیں شکست ہوتی ہے تو منافق شخص خوش ہوتا ہے، اللہ کریم نے فرمایا: {إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ} "اگر تمہیں کوئی بھلائی ملے تو یہ ناخوش ہوتے ہیں اور اگر کوئی برائی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں، تم اگر صبر کرتے رہو اور تقویٰ اختیار کئے رکھو تو ان کا فریب تمہیں

کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، جو کچھ وہ کر رہے ہیں بیشک اللہ اس پر احاطہ فرمائے ہوئے ہے"

لیکن نئے منافقوں نے جھوٹ، خیانت، غداری، عہد شکنی، رائے عامہ کی مخالفت اور مذہبی خیانت کی صفات کے ساتھ دھوکے بازی کی کئی نئی قسموں کا اضافہ کیا ہے، جن میں سے سب سے زیادہ واضح دین کے نام پر تجارت کرنا اور اس کو ان جماعتوں کے فائدے کے لئے استعمال کرنا ہے جو جماعتیں ظاہری دینداری اور سیاسی دینداری کے مختلف رنگوں کا لبادہ اوڑھ کر اقتدار تک رسائی حاصل کرنے کے لئے دین کو ایک سواری کے طور پر استعمال کرنا چاہتی ہیں اور وہ اپنے آپ کو مومن سمجھتے ہیں اور دوسرو ں سے ایمان کی نفی کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی کاروائیوں کو شرعی رنگ دے سکیں اور مزید یہ کہ یہ نئے منافق وطن سے خیانت، اور اسے ذلیل ورسوا کرنے اور کم قیمت پر بیچنے جیسے کاموں میں بھی ملوث ہوتے ہیں۔

اللہ تعالی نے ان قسم کے لوگوں کو وعید سنائی ہے کہ یہ مصیبت انہیں پر آئے گی اور دنیا وآخرت میں ان پر اللہ کا غضب نازل ہو گا، اور یہ مسلمانوں کو مصیبت اور تنگی میں ڈالنے کے لئے جو منصوبے بنارہے ہیں یہ ان پر ہی لوٹ کر آئے گی، اللہ تعالی نے فرمایا:

{وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ} "اور بری تدبیروں کا وبال ان تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے"۔ اللہ تعالی نے نفاقِ اکبر سے متصف افراد کو تردد کا شکار رہنے، عدم استحکام اور ہر کام کے وقت حواس باختگی اور خوف کی سزادی ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: {يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ} "وہ ہر اونچی آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں وہی حقیقی دشمن ہیں سو ان سے بچتے رہو، اللہ انہیں غارت کرے وہ کہاں سے پھرے جاتے ہیں"۔ اللہ تعالی نے ان کے دلوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے احکامات سمجھنے سے پھیر دیا ہے، نہ تو کوئی ہدایت ان کے دلوں تک پہنچ سکتی ہے اور نہ ہی کوئی بھلائی ان تک رسائی حاصل کر سکتی ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: {ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ} "یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے تو ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی سو وہ نہیں سمجھتے"۔ اور آخرت میں ان کی سزا کے بارے میں اللہ نے فرمایا: {وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَى عَذَابٍ عَظِيمٍ} "اور تمہارے گردونواح والوں میں اور بعض مدینہ والوں میں بھی ایسے منافق ہیں کہ نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، آپ انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔ عنقریب ہم انہیں دو

مرتبہ عذاب دیں گے پھر وہ بڑے بھاری عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے"۔ پہلا عذاب دنیا میں ہے، دوسرا قبر میں اور عذابِ اکبر آخرت میں ہے، اللہ تعالی جہنم میں منافقین کو ان لوگوں کے ساتھ جمع کرے گا جو بری خصلتوں میں ان کے طریقے پر تھے، اللہ تعالی نے فرمایا: {إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا} "بیشک اللہ منافقوں اور کافروں سب کو دوزخ میں جمع کرنے والا ہے"۔ اور دوسری جگہ فرمایا : {إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا* إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا} "بیشک منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے، اور آپ ان کے لئے ہرگز کوئی مددگار نہ پائیں گے۔ مگر وہ لوگ جو توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں اور اللہ تعالی پر کامل یقین رکھیں اور خالص اللہ ہی کے لئے اپنی دینداری کریں تو وہ مومنوں کے ساتھ ہیں اور عنقریب اللہ تعالی مومنوں کو عظیم اجر عطا فرمائے گا"۔

ملک کی حمایت، اس کے وجود کی حفاظت وسلامتی اور اس کے اتحاد واتفاق کی خاطر افراد اور اداروں کی حیثیت سے اس کے وفادار اور مخلص بیٹوں کی نگرانی کرنے والی آنکھوں کا بیدار رہنا ضروری ہے اور دشمنوں کے ساتھ جاسوسی کرنے والے مجرموں، غداروں

اور ایجنٹوں کو ختم کرنے اور سرِ عام ان کو ذلیل ورسوا کرنے اور انہیں ہر اس شخص کے لئے جس کا نفس اسے خیانت اور جاسوسی کی راہ پر چلنے کے لئے اکسائے، نشانِ عبرت بنانے کے لئے تمام معزز افراد کی کوششوں کا متحد ہونا ضروری ہے تاکہ ہم اپنے دین، اپنے وطن، اپنے عزت وجان اور اپنے ملک اور اپنے بیٹوں کے مستقبل کو محفوظ کر سکیں اور اِن سب چیزوں سے پہلے اللہ کی رضا حاصل کرنا اور اپنے وطن اور ریاست کی ان مصائب سے حفاظت کرنا ہے جن کا سامنا ان ممالک کو کرنا پڑا جنہوں نے غداروں اور جاسوسوں کا مقابلہ کرنے میں سستی اور ان کے معاملے کو ہلکا سمجھا حالانکہ یہ ملکوں کی تاریخ میں ہلکی چیز نہیں ہے۔

ماں کے ساتھ حسنِ سلوک دنیا میں حصولِ برکت اور آخرت میں رحمتِ خداوندی کا ذریعہ

البر (نیکی) ایک ایسا جامع عربی لفظ ہے جو ان تمام اخلاق کریمہ، خصال حمیدہ اور عمدہ صفات کو شامل ہے جو دلوں میں سکون واطمئنان پیدا کرتی ہیں، لوگوں کے درمیان محبت جنم دیتی ہیں اور معاشروں میں امن واستقرار کا باعث بنتی ہیں، جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: (نیکی حسنِ خلق ہے)۔

بلاشبہ لوگوں میں سے والدین ہی انسان کے حسن سلوک کے سب سے زیادہ حقدار ہیں، اللہ تعالی نے ہمیں ان دونوں کے ساتھ نیکی کرنے، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان سے نرمی اور عجز وانکساری کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیا ہے۔

جب ہم قرآن کریم اور سنتِ نبوی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ والدین اور اولاد کے درمیان ایک مثالی تعلق کس طرح قائم ہوتا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

{وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا

تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا* وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا} : اور آپ کے رب نے حکم فرمادیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو جب وہ دونوں یا ان میں سے ایک تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو تم انہیں اف تک نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں اور ان دونوں کے ساتھ بڑے ادب سے بات کرو، اور ان دونوں کے لئے نرم دلی سے عجز وانکساری کے بازو جھکا دو اور کہو اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھے پالا تھا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور ان کے حقوق ادا کرنا نماز - جو کہ دین کا ستون اور اسلام کا انتہائی اہم رکن ہے - کے بعد سب سے افضل عمل ہے، اور جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنا، عرض کی گئی اس کے بعد کون سا؟ آپ نے فرمایا اس کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا، عرض کی گئی اس کے بعد کون سا؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

اسلام نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے، ان سے نیکی کرنے اور ان کی دیکھ بھال کرنے کو بہت اہمیت دی ہے اور بالخصوص ماں کے ساتھ مزید حسن سلوک کرنے اور اس کی دیکھ بھال کرنے کی تاکید کی ہے۔

ایک آدمی رسول اللہ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول، لوگوں میں سے میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں، اس نے کہا: اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں، اس نے کہا: اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا تیری ماں، اس نے کہا اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا تیرا باپ۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا عورت پر لوگوں میں سے سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے خاوند کا، میں نے کہا: اور آدمی پر لوگوں میں سے سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کی ماں کا۔

اور اس میں حیرانگی کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ اگر ماں وفا کی سب سے زیادہ حقدار نہیں ہے تو پھر اور کون ہوگا؟ اس ذات سے زیادہ وفا کا حقدار کون ہوگا جس نے تجھے نو مہینے اپنے پیٹ میں اٹھائے رکھا جو کہ گویا نو سال تھے، تیری ولادت کے وقت ایسی

تکلیف برداشت کی جس سے روح کانپ اٹھتی ہے، تجھے اپنی چھاتی سے دودھ پلایا، اپنے دائیں ہاتھ سے تجھ سے گندگی کو دور کیا، خوراک میں تجھ کو اپنی ذات پر ترجیح دی، اگر تجھے کوئی بیماری یا تکلیف پہنچی تو وہ تیری لئے بے چین ہو گئی اور اس کو تیری زندگی اور اپنی موت کے درمیان اختیار دیا جاتا تو وہ بلند آواز سے تیری زندگی کو اختیار کرتی اور تیری خاطر اپنی زندگی قربان کر دیتی، اس ذات سے زیادہ وفا کا حقدار کون ہو سکتا ہے جس کے بارے میں رب نے قرآن میں ارشاد فرمایا: {وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا} اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم فرمایا۔ اس کی ماں نے اس کو تکلیف سے اٹھائے رکھا اور اسے تکلیف کے ساتھ جنا، اور اس کا اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ ہے۔

یہ انسان پر اللہ کا فضل و کرم ہے کہ وہ اسے اپنے والدین اور بالخصوص ماں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی توفیق عطا فرمائے، جس شخص کو اس چیز کی ہدایت اور توفیق دے دی گئی اس کو اللہ کریم نے بہت بڑی بھلائی عطا فرما دی اور اس پر بہت بڑا فضل فرما دیا جس کا اثر وہ دنیا میں اللہ کی توفیق اور برکت کی صورت میں دیکھے گا اور آخرت میں

نجات، بخشش اور رحمتِ خداوندی کی صورت میں اس کے ثواب کی امید رکھے گا، ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے بہت سے فضائل اور ثمرات ہیں جنہیں والدین کا فرمانبردار دنیا وآخرت میں حاصل کرے گا ہم ان میں سے چند ایک کا ذکر کرتے ہیں:

☆اس کی ضرورتوں کو پورا کر دیا جاتا ہے، مشکلات و مصائب کو دور کر دیا جاتا ہے اور اس کی دعاؤں کو قبول کیا جاتا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا (تین آدمی اکٹھے سفر کر رہے تھے کہ ان کو بارش نے آلیا تو انہوں نے پہاڑ کے غار میں پناہ لی اور ان کے غار کے منہ پر پہاڑ کا ایک پتھر آکر گرا اور ان پر غار کا منہ بند کر دیا تو انہوں نے ایک دوسرے کو کہا: تم اپنے ان کاموں کو یاد کرو جو تم نے خالص اللہ کی رضا کے لئے کئے ہیں اور تم ان کے وسیلہ سے اللہ کریم سے دعا مانگو شاید اللہ کریم تم سے اس پتھر کو دور کر دے، ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ میرے بوڑھے والدین تھے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے، میں ان کے لئے ریوڑ چرایا کرتا تھا، اور جب میں ان کے پاس آتا ریوڑ کا دودھ دھوتا اور اپنے بچوں سے پہلے اپنے والدین کو دودھ پلانے سے آغاز کرتا، ایک دن میں لیٹ ہو گیا، شام کے بعد واپس آیا اور اپنے والدین کو سویا ہوا پایا، میں نے دودھ دھویا جیسا کہ

میں دھویا کرتا تھا، میں اپنے والدین کے سروں کے پاس کھڑا ہو گیا میں نے ان کو بیدار کرنا ناپسند کیا اور میں نے بچوں کو دودھ پلانا بھی ناپسند کیا اور بچے میرے قدموں میں بلبلاتے رہے حتی کہ فجر طلوع ہو گئی، اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام تیری رضا کے لئے کیا تھا تو تو ہمارے لئے غار کے منہ کو کھول دے جس سے ہم آسمان کو دیکھ سکھیں تو اللہ تعالی نے غار کے منہ کو کھول دیا) پھر اس کے دونوں ساتھیوں میں سے ہر ایک نے اپنے اس کام کے وسیلہ سے اللہ کی بارگاہ میں التجا کی جو انہوں نے خالص اللہ کی رضا کے لئے کئے تھے تو اللہ تعالی نے انہیں اس مصیبت اور مشکل سے نجات عطا فرمائی۔

☆یمن کے لوگوں کا ایک وفد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے ان سے پوچھا: کیا تم میں اویس بن عامر بھی ہے ؟ حتی کہ آپ اویس بن عامر کے پاس آئے اور کہا: تم اویس بن عامر ہو ؟ انہوں نے کہا: ہاں، آپ نے کہا: تم مراد اور پھر قرن سے ہو ؟ انہوں نے کہا: ہاں، آپ نے کہا: تم کو برص کی بیماری تھی جس سے تم شفایاب ہو گئے ہو سوائے ایک درہم کی جگہ کے ؟ انہوں نے کہا: جہاں، آپ نے کہا تمہاری والدہ ہے ؟ انہوں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ کو فرماتے

ہوئے سنا ہے کہ (اہلِ یمن کی امداد کے ساتھ مراد اور پھر قرن سے اویس بن عامر تمہارے پاس آئے گا جس کو برص کی بیماری تھی اور سوائے ایک درہم کی جگہ کے وہ اس سے شفایاب ہوگئے ہیں، اس کی والدہ ہے جس کا وہ فرمانبردار ہے، اگر وہ اللہ کی قسم اٹھالے تو اللہ اس کی قسم کو ضرور پورا کرے گا اور اگر تم اس سے اپنے لئے بخشش کی دعا کرو اسکو تو ضرور کروانا) پس تم میرے لئے بخشش کی دعا کرو، انہوں نے آپ کے لئے بخشش کی دعا کی تو عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے انہیں کہا: تم کہاں جانا چاہتے ہو، انہوں نے کہا: کوفہ، آپ نے کہا: کیا میں تمہارے لئے اس کے حاکم کی طرف خط نہ لکھ دوں؟ انہوں نے کہا: میرا فقراء و محتاج لوگوں میں ہونا مجھے زیادہ پسند ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو میں اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالی کا ان کی دعا کو قبول فرمانا ان کا اپنی ماں کے فرمانبردار ہونے کی وجہ سے تھا۔

☆اس کے عظیم اجر و ثواب ہے، معاویہ السلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول، میں نے اللہ تعالی کی رضا اور آخرت کے لئے آپ کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کا ارادہ کیا ہے، آپ نے فرمایا: (اللہ تجھ پر رحم فرمائے، کیا تیری ماں زندہ ہے؟) میں نے کہا: ہاں، آپ نے

فرمایا: (تم واپس لوٹ جاؤاور اس کے ساتھ حسن سلوک کرو) پھر میں دوسری جانب سے آپ کے پاس آیااور کہا: اے اللہ کے رسول، میں نے اللہ تعالی کی رضااور آخرت کے لئے آپ کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کاارادہ کیاہے، آپ نے فرمایا: (اللہ تیرابھلا کرے، کیاتیری ماں زندہ ہے؟) میں نے کہا: ہاں اے اللہ کے رسول، آپ نے فرمایا: (تم واپس اس کے پاس لوٹ جاؤاور اس کے ساتھ حسن سلوک کرو) پھر میں آپ کے سامنے سے آپ کے پاس آیااور کہا: اے اللہ کے رسول، میں نے اللہ تعالی کی رضااور آخرت کے لئے آپ کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کاارادہ کیاہے، آپ نے فرمایا: (اللہ تجھ پر رحم فرمائے، کیاتیری ماں زندہ ہے؟) میں نے کہا: ہاں اے اللہ کے رسول، آپ نے فرمایا: (اللہ تجھ پر رحم فرمائے، اس کے قدموں کولازم پکڑلو، وہی جنت ہے)۔

اور کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا، صحابہ کرام نے اس کے توانا جسم اور پھرتی کو دیکھا جس نے انہیں حیران کر دیاتو انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول، کاش یہ آدمی اللہ کی راہ میں ہوتا!! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اگر یہ اپنے چھوٹے بچوں کے رزق کی خاطر

تگ ودو کر رہاہے تو یہ اللہ کی راہ میں ہے اور اگر یہ اپنے بوڑھے والدین کے لئے رزق کی خاطر نکلاہے تو یہ اللہ کی راہ میں ہے)۔

☆اس کے گناہوں کو بخش دیا جاتاہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیااور کہا: اے اللہ کے رسول، میں نے بہت بڑا گناہ کر دیاہے کیامیرے لئے کوئی توبہ ہے؟ آپ نے فرمایا: (کیا تیری ماں ہے؟) اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: (کیا تیری کوئی خالہ ہے؟) اس نے کہا: ہاں ہے، آپ نے فرمایا: (پس تو اس کے ساتھ حسن سلوک کر)۔

☆اس کو جنت کے باغات عطا کئے جاتے ہیں اور بلند مقامات سے نوازا جاتاہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی، کون سا عمل سب سے زیادہ جنت کے قریب ہے؟ آپ نے فرمایا: (نماز کو اس کے وقت میں ادا کرنا) میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی اس کے بعد کون سا؟ آپ نے فرمایا: (والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا)۔

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (میں سویاتو میں نے اپنے آپ کو جنت میں دیکھااور میں نے ایک قاری

کی آواز کو سنا جو پڑھ رہا تھا میں نے کہا: یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: یہ حارثہ بن نعمان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (نیکی کا صلہ اسی طرح ہے نیکی کا صلہ اسی طرح ہے) اور حارثہ بن نعمان اپنی والدہ کے ساتھ سب سے زیادہ حسن سلوک کرنے والا تھا۔

ہمیں بھی اپنے والدین کا فرمانبردار اور ان کا وفادار ہونا چاہیے اور ہمیں اس بات کا یقین رکھنا چاہیے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک ایک قرض ہے اور اسی طرح ان کی نافرمانی بھی ایک قرض ہے، جیسا کروگے ویسا بھروگے، والدین کی نافرمانی ایسی چیز ہے جس کی سزا اللہ تعالی آخرت سے پہلے دنیا میں ہی دے دیتا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے (دو چیزیں ایسی ہیں جن کی سزا اللہ تعالی جلد دے دیتا ہے: سرکشی اور والدین کی نافرمانی)، اور دوسری حدیث پاک میں ہے: (والدین کا نافرمان، احسان جتانے والا اور شراب نوشی کا عادی شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا)۔

برادرانِ اسلام:

والدین اور بالخصوص ماں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا تمام آسمانی شریعتوں میں متفق علیہ مسئلہ ہے، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: { وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا

اللّٰہَ وَ بِالْوَالِدَیْنِ إِحْسَانًا...﴾ . اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کروگے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ اور اللہ تعالی نے تمام لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَوَصَّیْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَی وَهْنٍ وَ فِصَالُهُ فِي عَامَیْنِ أَنِ اشْکُرْ لِي وَلِوَالِدَیْکَ إِلَيَّ الْمَصِیرُ﴾ اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں حکم دیا جسے اس کی ماں نے تکلیف پر تکلیف کی حالت میں اٹھائے رکھا اور جس کا دودھ چھوٹنا بھی دو سال میں ہے (اسے یہ حکم دیا) کہ تو میرا شکر ادا کر اور والدین کا بھی۔ میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

اسلام نے ہر اس شخص کے سامنے والدین کی نافرمانی کے راستے کو بند کر دیا ہے جس کا نفس اسے نافرمانی پر اکسائے، بعض نوجوان سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے والدین سے زیادہ دین کے پابند ہیں اور گفتگو میں ان سے سختی کرتے ہیں یا ان سے برا سلوک کرتے ہیں ہم ایسے نوجوانوں کو کہتے ہیں کہ: دین متین نے ہمیں والدین کے ساتھ نیکی کرنے اور حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں اور یہ حکم اس لئے دیا ہے تاکہ والدین کا نافرمان اپنے والدین کے پرہیزگار نہ ہونے کو وجہ نہ بنا سکے، اس بارے میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَإِنْ جَاهَدَاکَ عَلَی أَنْ تُشْرِکَ بِي مَا لَیْسَ لَکَ بِهِ

علم فلا تطعهما وصاحبهما في الدنيا معروفا واتبع سبيل من أناب إلي ثم إلي مرجعكم فأنبئكم بما كنتم تعملون } اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کی کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جس کا تجھے کچھ علم نہیں تو توان کی اطاعت نہ کرنا اور دنیا میں ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہنا اور اس شخص کی پیروی کرنا جس نے میری طرف رجوع کیا۔ پھر میری ہی طرف تمہیں پلٹ کر آنا ہے تو میں تمہیں ان کاموں سے باخبر کر دوں گا جو تم کرتے رہے تھے۔

اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ کہتی ہے : رسول اللہ صلی اللہ کے عہد میں میری ماں شرک کی حالت میں میرے پاس آئی اور وہ اس بات کی خواہشمند تھی کہ میں اس سے صلہ رحمی کروں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور کہا : کیا میں اپنی ماں سے صلہ رحمی کروں ؟ آپ نے فرمایا : (ہاں تم اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو)۔

والدین خواہ کفر کی حالت میں ہو یا وہ تمہیں اللہ کی نافرمانی یا کفر پر اکسانے کی کوشش کریں تو توان باتوں میں ان کی اطاعت مت کر مگر یہ بات تیرے لئے یہ جواز مہیا نہیں کرتی کہ توان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ برا سلوک کریں بلکہ تجھے تمام حالات

میں ایسے ہی ہونا لازمی ہے جیسے اللہ سبحانہ وتعالی نے تجھے حکم دیا ہے، ارشاد خداوندی ہے: {وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا} اور تم دنیا میں ان دونوں کے ساتھ اچھے طریقے سے رہنا۔

اور تجھے یہ بات جان لینی چاہیے کہ یہ تیری طرف سے کوئی احسان نہیں ہے بلکہ یہ تیرے اوپر واجب اور فرض ہے اگر تونے اس میں سستی اور کوتاہی کی یا اس کو ادا نہ کیا تو تو گناہ گار ہو گا۔

نیکیوں کا موسم

اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو اپنے دائمی قرب کے حصول اور اپنی بارگاہ میں متوجہ ہونے کی ترغیب دینے کے لئے زمانے کے دنوں میں سے بعض موسم خاص کر دیئے ہیں جن میں نیکیوں کا اجر دوگنا ہو جاتا ہے، نعمتیں کثرت سے برستی ہیں اور درجات بلند کئے جاتے ہیں، عقل مند شخص وہ ہے جو ان موسموں کو غنیمت جانے، ان میں نیت کو خالص کرے، اچھے عمل کرے اور نیکی کے کاموں کی کثرت اور اللہ کی رحمتیں اور نوازشیں حاصل کرتا ہوا اپنے رب کی بارگاہ میں متوجہ ہو جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بیشک تمہارے زمانے کے دنوں میں تمہارے رب کی رحمتیں برستی ہیں پس تم ان رحمتوں کو حاصل کرو، ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کسی کو ان میں سے کوئی رحمت نصیب ہو جائے اور وہ اس کے بعد کبھی بھی بدبخت نہ رہے"۔

بلاشبہ ہم ان دنوں میں اجر وثواب کے لحاظ سے عظیم ترین اور افضل ترین موسم سے گزر رہے ہیں، ان دنوں میں نیک عمل کا اجر وثواب دوسرے دنوں میں کئے جانے والے نیک عمل کے اجر وثواب سے زیادہ ہوتا ہے، یہ مبارک دن اور عظیم لمحات ہیں جن کی عظمت کو اللہ کریم نے بیان کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان

کی قدر ومنزلت اور فضیلت کو بیان کیا ہے، ہم ان کی فضیلت کو اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

اللہ کریم نے قرآن مجید میں ان دنوں کی قسم کھائی ہے، ارشاد باری ہے: {وَالْفَجْرِ * وَلَيَالٍ عَشْرٍ * والشفع والوتر} "قسم ہے فجر کی۔ اور دس راتوں کی۔ اور جُفت اور طاق کی"۔ جمہور مفسرین کی رائے کے مطابق دس راتوں سے مراد ذوالحجہ کے پہلے دس دن ہیں، اور اللہ کریم عظیم چیز کی ہی قسم اٹھاتا ہے، ان دنوں کی قسم اٹھانا درحقیقت ان کی عزت وتکریم کرنا، ان کے عظمت سے متنبہ کرنا، ان کی فضیلت کو بیان کرنا اور ان کی اہمیت کی طرف راہنمائی کرنا ہے۔

ان کی فضیلت ایک یہ ہے کہ یہ وہ مقررہ دن ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: {وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ معلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ} "اور ان مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں ان چوپایوں پر جو پالتو ہیں"۔ یہی وہ دن ہیں جن میں ایک مسلمان کے لئے نماز، صدقہ، روزہ اور حج جیسی اہم عبادات بیک وقت جمع ہو جاتی ہیں جو کہ دوسرے دنوں میں ناممکن ہے۔

اسی طرح ان دنوں کی یہ بھی فضیلت ہے کہ یہ دن اللہ کے محبوب ترین دن ہیں اور دوسرے دنوں کی بنسبت ان دنوں میں نیک عمل اللہ کے ہاں زیادہ پسندیدہ ہے، یہ نفع کا موسم، نجات کی راہ اور نیکیوں میں سبقت لے جانے کا میدان ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں نیک عمل ان دنوں سے زیادہ اللہ کے ہاں پسندیدہ ہو، صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول، اور نہ ہی اللہ کی راہ میں جہاد؟ آپ نے فرمایا: "اور نہ ہی اللہ کی راہ میں جہاد سوائے اس شخص کے جو اپنی جان اور مال کے ساتھ نکلا اور واپس نہ آیا"، اس لئے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ مختلف قسم کی عبادات اور نیکیوں کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرتے ہوئے اس اجر عظیم اور فضلِ خداوندی کو غنیمت جانے۔

ان دنوں میں محبوب ترین عمل جس کے ذریعے بندہ اپنے رب کا قرب حاصل کرتا ہے وہ کعبہ شریف کا حج کرنا ہے جو شخص اس کی استطاعت رکھتا ہو، ارشاد خداوندی ہے: {الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ} "حج کے مہینے مقرر ہیں اس لئے جو شخص ان میں حج لازم کرلے وہ اپنی بیوی سے ملاپ کرنے، گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑے کرنے سے بچتا رہے"۔ یہ ارکانِ اسلام میں سے

پانچواں رکن ہے، اس سے ارکانِ اسلام مکمل ہوتے ہیں، گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور بندے کے لئے نیا جنم لکھ دیا جاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے حج کیا اور اس دوران نہ تو اپنی بیوی سے ملاپ کیا اور نہ ہی کوئی گناہ کیا تو وہ اس دن کی طرح واپس آئے جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا"۔

حج اعلی اخلاق کی تعلیم دینے کا ایک عظیم موقع ہے جس میں مسلمان خشیتِ الہی اور اپنے نفس کی خواہشات اور شہوات پر قابو پانے کی تربیت پاتا ہے، ذاتی ترجیح کی بجائے ایثار وقربانی، اور ہاتھ پھیلانے اور ذلیل ہونے کی بجائے استغنا اور پاکدامنی جیسے اعلی اور عمدہ اخلاق سے متصف ہوتا ہے، اسی طرح وہ اپنے اقوال وافعال میں باریک بینی، وقت کی پابندی اور نظم وضبط سیکھتا ہے، حاجی پر واجب ہے کہ وہ عملی طور پر ان اخلاق واقدار سے متصف ہو جن کی اسلام نے دعوت دی ہے تاکہ حاجی حج کے مدرسہ سے اس حال میں نکلے کہ اس کے اخلاق وروحانی معانی اس کے لئے راسخ ہو چکے ہو۔

ہم اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ عبادتِ حج ساری کائنات کے لئے سلامتی کا پیغام ہے، سارا حج امن وسلامتی ہے، حاجی نہ تو جھگڑا کرتا ہے نہ بحث ومباحثہ کرتا ہے، نہ شکار کو مشتعل کرتا نہ اسے ڈراتا ہے اور نہ ہی اسے قتل کرتا ہے، اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ} "اے ایمان والو! تم احرام کی حالت میں شکار کو مت مارا کرو"۔ اور یہ سلامتی صرف انسانوں اور حیوانوں تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ نباتات کو بھی شامل ہے حاجی نباتات تک کو محفوظ رکھنے کا پابند ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیشک اللہ تعالی نے اس شہر کو حرمت والا بنایا ہے نہ اس کی گھاس کو کاٹا جائے گا، نہ اس کے شکار کو ڈرایا جائے گا اور نہ ہی اس میں گری پڑی چیز کو اٹھایا جائے گا سوائے اس شخص کہ جو اٹھا کر اس کا اعلان کرے" بیشک اس میں ایک مسلمان کی تربیت کی جاتی ہے کہ فریضہء حج کی ادائیگی سے واپس لوٹنے کے بعد انسان، شجر اور حجر اس کے شر اور تکلیف سے محفوظ رہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حقیقی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے سارے لوگ سلامت رہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ارشاد فرمایا: "کیا میں تمہیں مومن کے بارے میں خبر نہ دوں؟ مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنے اموال اور جانوں کے بارے میں بے خوف ہوں اور مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں اور مجاہد وہ ہے جس نے اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کیا اور مہاجر وہ ہے جس نے گناہ اور جرم چھوڑ دیے"۔

ان دنوں میں جن مستحب اعمال کے ذریعے بندہ اللہ تعالی کا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سے ایک روزہ بھی ہے، روزہ افضل ترین عبادات میں سے شمار ہوتا ہے اس کی عظیم قدر ومنزلت کی وجہ سے اللہ تعالی نے اسے اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے، اللہ تعالی حدیث قدسی میں فرماتا ہے: "ابنِ آدم کا ہر عمل اس کے لئے ہے سوائے روزہ کے، یہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزادونگا"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھا اللہ تعالی اس کے چہرے کو جہنم کی آگ سے ستر سال کی مسافت دور کر دے گا"، اس لئے مسلمان کے لئے مستحب ہے کہ وہ ذوالحجہ کے نو دنوں میں اپنی استطاعت کے مطابق روزے رکھے اور ان دنوں کے روزے اور بالخصوص غیر حاجی کے لئے یومِ عرفہ کا روزہ اللہ کی بارگاہ میں محبوب ترین اعمال میں سے شمار ہوتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دس دنوں میں سے اس دن کے روزے کو بالخصوص ذکر کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اللہ تعالی سے امید رکھتا ہوں کہ یومِ عرفہ کا روزہ اس سے پہلے والے سال اور بعد والے سال کا کفارہ ہوگا"۔

یومِ عرفہ اللہ کے ان دنوں میں شمار ہوتا ہے جن میں اللہ تعالی اپنے بندوں پر نظرِ رحمت فرماتا ہے ان کی بخشش فرما کر جہنم سے آزاد کرتا ہے، اس دن دعائیں قبول ہوتی ہیں، لغزشوں کو معاف کر دیا جاتا ہے اور اللہ تعالی آسماں والوں کے سامنے زمیں والوں پر فخر کرتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں اللہ تعالی یومِ عرفہ سے زیادہ اپنے بندوں کو جہنم کی آگ سے آزاد کرتا ہو، اس دن اللہ کریم آسمانی دنیا پر نزول فرماتا ہے اور فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں پر فخر کرتا ہے"، اس دن اللہ کریم نے دین کو مکمل کیا، اور اپنی نعمت کو پورا کیا، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی نے انہیں کہا: اے امیرِ المومنین تمہاری کتاب میں ایک ایسی آیت ہے جس کی تم تلاوت بھی کرتے ہو، اگر وہ آیت ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم ضرور اس دن عید مناتے، آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: کون سی آیت ؟اس نے کہا: " آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کر لیا ہے"، عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہمیں اس دن کا بھی علم ہے اور اس جگہ کا بھی علم ہے یہاں یہ آیت نازل ہوئی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن میدانِ عرفہ میں کھڑے تھے۔

اسی طرح مسلمان کاان دنوں میں کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا بھی مستحب ہے، ذکر دلوں کو جِلا بخشتا ہے اور اس سے اطمینان نصیب ہوتا ہے، حق سبحانہ وتعالی ارشاد فرماتا ہے: {الذِيْنَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللهِ أَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ} "جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں، جان رکھو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں نیک عمل ان دنوں سے زیادہ اللہ کی بارگاہ میں پسندیدہ اور عظیم ہو، پس ان دنوں میں کثرت سے اللہ کا ذکر، حمد وثنا اور تکبیریں کہا کرو"، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ منی کے مقام پر اپنے خیمے میں تکبیریں کہا کرتے تھے اور مسجد میں لوگ ان کی آواز سن کر تکبیریں کہتے اور بازاروں میں بھی لوگ تکبیریں کہتے یہاں تک کہ مقام منی تکبیروں سے گونج اٹھتا، اس لئے مسلمان کے لئے مستحب ہے کہ وہ اللہ تعالی کی عظمت وکبریائی کا اعلان کرتے ہوئے ان دنوں میں بلند آواز سے تکبیریں کہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا میں تمہیں ایک ایسے عمل کی خبر نہ دوں جو تمہارے سارے اعمال سے بہتر ہو، تمہارے درجات میں سب سے ارفع واعلی ہو، تمہارے پروردگار کی بارگاہ میں سب سے زیادہ پاکیزہ ہو، تمہارے لئے سونے اور

چاندی کے خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر ہو اور تمہارے لئے اس چیز سے بھی زیادہ بہتر ہو کہ تم اپنے دشمن کا سامنا کرو اور تم ان کو قتل کرو اور وہ تمہیں قتل کریں ؟ انہوں نے عرض کی: ہاں اے اللہ کے رسول، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالی کا ذکر"، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ابن آدم کا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو اللہ کے ذکر سے بڑھ کر اسے اللہ کے عذاب سے نجات دلانے والا ہو۔

برادرانِ اسلام:

ان دنوں میں بندہ جن جلیلُ القدر اعمال کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل کرتا ہے ان میں سے ایک قربانی ہے، اس کا شمار شعائرُ اللہ میں سے ہوتا ہے اور یہ ملتِ ابراہیمی کی نشانی اور سنتِ محمدی کی علامت ہے، ارشاد خداوندی ہے: {ذَٰلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ} "اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دلوں کے تقوی میں سے ہے"۔ اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ: یہ قربانیاں کیا ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے"، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یومِ نحر میں خون بہانے یعنی قربانی کرنے سے بڑھ کر آدمی کا کوئی عمل اللہ کی بارگاہ میں پسندیدہ نہیں ہے، یہ

قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھرُوں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کی بارگاہ میں قبول ہو جاتا ہے، پس تم خوش دلی سے قربانی کیا کرو"۔

قربانی اجتماعی باہمی کفالت کی ایک صورت ہے جو معاشرے کے افراد کے درمیان باہمی ربط، رحمدلی اور محبت پیدا کرتی ہے، اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگ میں غربت و محتاجی دیکھی تو آپ نے صحابہ سے فرمایا: "تم میں سے جس نے قربانی کی وہ تین دن کے بعد اس حال میں صبح نہ کرے کہ اس کے گھر میں قربانی کے گوشت میں سے کچھ باقی ہو"، اور جب اگلا سال آیا تو صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول، کیا ہم اسی طرح کریں جس طرح ہم نے گزشتہ سال کیا تھا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خود بھی کھاؤ، دوسروں کو بھی کھلاؤ اور ذخیرہ کر کے بھی رکھ لو، گزشتہ سال لوگوں میں غربت تھی تو میں نے چاہا کہ تم اس میں مدد کرو"، پس جب خوشحالی اور فراوانی ہو گی تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر عمل کریں گے "خود بھی کھاؤ، دوسروں کو بھی کھلاؤ اور ذخیرہ کر کے بھی رکھ لو" اور جب غربت اور فقر ہو گا تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر عمل کریں گے "تم میں سے جس

نے قربانی کی وہ تین دن کے بعد اس حال میں صبح نہ کرے کہ اس کے گھر میں قربانی کے گوشت میں سے کچھ باقی ہو"۔

اوراس بات کا بھی علم ہونا ضروری ہے کہ جس طرح خود ذِبح کرنے سے قربانی ہو جاتی ہے اسی طرح قربانی کا کوبن خریدنے سے بھی قربانی ہو جاتی ہے کیونکہ اس سے قربانی کا فائدے میں اضافہ ہوتا ہے بالخصوص اس شخص کے لئے جس کے پاس قربانی کے گوشت کو اچھے طریقے سے تقسیم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، قربانی کے کوبن کے نظام کے ذریعے قربانی کا گوشت اس کے حقیقی مستحق لوگ تک پہنچ جاتا ہے اور بیک وقت قربانی کے فائدے اوراس کے اجر وثواب میں اضافہ بھی ہوتا ہے اوراسی طرح یہ نظام نیکی کواس کے مستحق لوگ تک عزت واحترام کے ساتھ پہنچانے میں کردارادا کرتا ہے،اور کتنا ہی اچھا ہو کہ خوشحال مالدار شخص دونوں چیزوں کو جمع کرے اپنے اہلِ خانہ اور رشتہ داروں کے لئے خود قربانی کرے اور ضرورت مند علاقوں میں عام غریبوں کے لئے قربانی کا کوبن خریدے۔

اسی طرح مسلمان کو چاہیے کہ وہ نیکی کے ایسے مختلف کام کثرت سے کرے جن کا فائدہ تمام لوگوں کو ہو،وہ غریبوں اور ضرورت مندوں کی خوشی اور مسرت کے لئے کثرت

سے صدقات کرے، اللہ ربِ العزت نے اپنے بندوں کو خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے، ارشاد باری تعالی ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ} "اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ تجارت ہے نہ دوستی اور نہ شفاعت اور کافر ہی ظالم ہیں"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صدقہ سے کبھی کوئی مال کم نہیں ہوا"۔

آج ہمیں کس قدر باہمی کفالت، رحمدلی اور دوسروں کے احساس کی ضرورت ہے تاکہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی تکمیل کر سکیں کہ آپ نے فرمایا: " مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے مشکلات میں چھوڑتا ہے، جو اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے اللہ اس کی مدد کرتا ہے اور جو کسی مسلمان کی کوئی سختی دور کرتا ہے اللہ تعالی اس سے قیامت کے دن کی سختیوں میں سے ایک سختی دور کر دیتا ہے اور جو کسی مسلمان کی پَردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالی روزِ قیامت اس کی پردہ پوشی فرمائے گا"، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہر مسلمان پر صدقہ ہے، صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے نبی، جو شخص صدقہ کرنے کے لئے کوئی چیز نہ پائے؟

توآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے ہاتھ سے کمائی کرے اور اپنے آپ پر بھی خرچ کرے اور صدقہ بھی کرے، انہوں نے عرض کی: اگر وہ یہ بھی نہ کر پائے؟ توآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ کسی ضرورت مند محتاج کی مدد کرے"، انہوں نے عرض کی: اگر وہ یہ بھی نہ کر پائے؟ توآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسے نیکی کا حکم دینا چاہیے اور برائی سے رکنا چاہیے پس یہی اس کے لئے صدقہ ہے"۔

سورت الاسراء اور واقعہ معراج

اللہ تعالی نے اپنے رسولوں کو مختلف معجزات سے نوازا، اور ان معجزات میں سے ایک معجزہ الاسراء والمعراج ہے جو اللہ تعالی نے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا، ارشاد باری تعالی ہے : {سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ} "پاک ہے وہ اللہ تعالی جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکت رکھ دی ہے، اس لئے کہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھائیں، یقیناً اللہ تعالی ہی خوب سننے دیکھنے والا ہے"۔

اس خداوندی معجزہ میں غور وفکر کرنے والا شخص دیکھتا ہے کہ یہ معجزہ بہت سے اسباق اور پند ونصائح پر مشتمل ہے جن میں سے چند کا یہاں ہم ذکر کرتے ہیں :

☆ اللہ تعالی کی قدرت کاملہ کا بیان : اللہ تعالی کا ارادہ ظاہری اسباب وغیرہ کا پابند نہیں ہے، ارشاد باری تعالی ہے : {إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ} "وہ جب کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے اتنا فرما دینا (کافی ہے) کہ ہو جا، وہ اسی وقت ہو جاتی ہے"۔

☆مشکل کے بعد آسانی اور تنگی کے بعد خوشحالی: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے پیغام کی تبلیغ کی راہ میں مشرکین کی طرف سے مختلف قسم کی تکلیفوں کا سامنا کر چکے، تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی عزت و تکریم اور تنگی کے بعد آسانی کی مثال بیان کرنے کے لئے الاسراء والمعراج کا واقعہ پیش آیا، ارشاد باری تعالی ہے: { فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا * إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا } "پس یقینا مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے

☆ مقامِ عبدیت کی عظمت: ارشاد باری تعالی ہے: { فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ } "پس اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو بھی پہنچائی"۔ اللہ کی بندگی ایک شرف ہے، اور یہی اللہ کا مقصود اور تمام رسولوں کا پیغام ہے۔

☆ مسجد اقصی کا مقام و مرتبہ: مسجد اقصی میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا سفر اسراء ختم ہوا، اور وہاں سے بلند آسمانوں اور سدرۃ المنتہی کی طرف سفرِ معراج شروع ہوا، یہ مسجد دو قبلوں میں سے پہلا قبلہ اور تیسرا حرم ہے، ہم اللہ تعالی سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالی اس کی حفاظت کرنے والوں کو ثابت قدم رکھے اور اسے مسلمانوں کو واپس لوٹائے۔

☆ نماز کی اہمیت، اس کی فضیلت اور خصوصیات کا بیان : جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر الاسراء والمعراج چھٹے آسمان پر سدرۃ المنتہی کے پاس ختم ہوا تو آپ کو تین چیزیں عطا کی گئیں، پانچ نمازیں، سورت بقرہ کی آخری آیات، اور یہ کہ جو شخص اس حالت میں مرے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو تو اس کو بخش دیا جائے گا۔

☆ مختلف ادیان کے درمیان مشترکہ روابط کا بیان : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ : "تمام انبیاء ایک ہی باپ سے ایک دوسرے کے بھائی ہیں، ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے یعنی ان کا ایمان ایک اور شریعتیں مختلف ہوتی ہیں" الاسراء والمعراج کی رات تمام انبیاء کرام اکٹھے ہوئے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کی امامت فرمائی، انہوں نے آپ کو خوش آمدید کہا اور آپ کو دعائیں دیں۔

☆ اسباب اختیار کرنا : جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس پہنچے تو آپ نے براق کو باندھا، آپ علیہ الصلاۃ السلام کا فرمان ہے کہ : "میں نے اسے اسی کڑے کے ساتھ باندھا جس کے ساتھ انبیاء باندھا کرتے تھے"۔

☆ سچے اور جھوٹے ایمان والوں کا ظاہر ہونا: جس وقت لوگوں نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کہا کہ تیرا اپنے ساتھی کے بارے میں کیا خیال ہے جو کہ گمان کر رہا ہے کہ اسے رات کو بیت المقدس کی سیر کرائی گئی ہے، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا انہوں نے یہ کہا ہے ؟، لوگوں نے کہا: ہاں، تو ابو بکر صدیق نے کہا کہ اگر انہوں نے یہ کہا ہے تو سچ کہا ہے، لوگوں نے کہا: کیا تو ان کی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ وہ رات کو بیت المقدس گیا ہے اور صبح ہونے سے پہلے واپس آگیا ہے ؟، ابو بکر صدیق نے کہا: میں تو ان کی اس سے بھی آگے کی باتوں کی تصدیق کرتا ہوں، میں صبح و شام آسمان کی باتوں کے بارے میں ان کی تصدیق کرتا ہوں، پس اسی وجہ سے آپ کو صدیق کا لقب دیا گیا۔

برادرانِ اسلام:

جس طرح سورت اسراء نے اس مبارک سفر کو بیان کیا ہے اسی طرح اس نے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی بھی تلقین کی ہے، ارشاد باری تعالی ہے: { وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا } "اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا"۔

اور اللہ تعالی نے ماں کو خصوصی مقام عطا فرمایا ہے کیونکہ ماں حمل، رضاعت اور تربیت وغیرہ کا بوجھ برداشت کرتی ہے، ارشاد باری تعالی ہے: {وَوَصَّيْنَا الانسَـانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ} "ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا"۔

جس وقت ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا" تیری ماں" اس نے کہا: اس کے بعد کون؟، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: " تیری ماں"، اس نے کہا: اس کے بعد کون؟ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: " تیری ماں"، اس نے کہا: اس کے بعد کون؟ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: " تیرا باپ"، دین متین نے ماں کے ساتھ حسن سلوک کو اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ قرار دیا ہے، ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر جہاد کی اجازت مانگنے لگا تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس سے پوچھا کہ: "کیا تیری ماں زندہ ہے؟" اس نے کہا: ہاں، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: " واپس لوٹ جا اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک کر"، اور

جب اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اصرار کیا تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "تیری ہلاکت ہو، اپنی ماں کے قدموں کو تھام، وہی جنت ہے"۔

اور ماں کے ساتھ حسنِ سلوک یہ ہے کہ اس کی عزت و تکریم کی جائے، اس کی احسانات کا بدلہ ادا کیا جائے، اس کو خوشی دی جائے، اور اس کی وفات کے بعد اس کے لئے دعائے استغفار کی جائے،، اس کی طرف سے صدقہ کیا جائے، اور اس کے اہلِ خانہ اور اس کی سہلیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ : "سب سے بہترین حسنِ سلوک یہ ہے کہ اولاد اپنے باپ کے چاہنے والوں سے صلہ رحمی کرے"۔

واقعہ اسراء ومعراج

ارشادہ خداوندی ہے: {سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ} : بلا شبہ اسراء ومعراج کا سفر انتہائی اسرار ورموز کا حامل ایک سفر ہے اور تاریخ انسانی میں یہ ایک منفرد سفر ہے جو اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وتکریم اور آپ کو تسلی دینے کے لئے پیش آیا جب آپ اور آپ کے صحابہ تکذیب اور مصائب وتکالیف کی مختلف صورتوں کا سامنا کر چکے تھے اور بعثت کے دسویں سال کے چند دنوں میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب، جو کہ آپ کی زندگی میں آپ کا سہارا تھے، اور اپنی اس عقلمند اور بے حد مشفق زوجہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بھی محروم ہو چکے تھے جو کہ مشکلات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناگاہ اور سہارا تھی۔

طائف کا دردناک سفر جو کہ آپ کی حیات مبارکہ میں ایک انتہائی مشکل مرحلہ تھا، اس کے بعد آپ کا غم مزید بڑھ گیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم وغیرہ سے تکلیفوں کا سامنا کرنے کے بعد اس امید سے طائف کی طرف تشریف لے گئے کہ شاید آپ کو ان کے ہاں حمیت وغیرت اور مدد مل سکے لیکن وہ تو آپ علیہ السلام سے آپ

کی اپنی قوم والوں سے بھی زیادہ سخت انداز میں پیش آئے، انہوں نے اپنے غلاموں اور اوباش لڑکوں کو آپ علیہ السلام پر پتھر پھینکنے پر مامور کر دیا یہاں تک کہ آپ کے قدموں سے خون بہہ نکلا، آپ علیہ السلام اپنے واپسی کے راستے میں اس مشفقانہ دعا کے ساتھ اپنے رب کی بارگاہ میں متوجہ ہوئے جو کہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبودیت اور اس کی بارگاہ میں عاجزی وانکساری کے تمام معانی پر مشتمل ہے، آپ یہ کہتے ہوئے اپنے رب کی بارگاہ میں متوجہ ہوئے: "اے اللہ میں تیری بارگاہ میں ہی اپنی طاقت کی کمزوری، اپنے حیلے کی کمی اور لوگوں کے ہاں اپنے معمولی ہونے کا اظہار کرتا ہوں، اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا رب، تو مجھے کس کے سپرد کر رہا ہے؟ ایک اجنبی کے سپرد جو مجھ سے بدکلامی سے پیش آتا ہے؟ یا دشمن کے سپرد جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر تیری بارگاہ سے میرے اوپر کوئی غضب نہیں ہے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں، لیکن تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسعت والی ہے، میں تیرے چہرے کے نور جس سے اندھیرے اجالوں میں تبدیل ہو گئے اور دنیا وآخرت کے معاملات سنور گئے، اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا مجھ سے تو ناراض ہو، اے اللہ تیری ہی

چوکھٹ پر پڑا ہوں یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے، تیرے سوا کسی کے پاس نہ کوئی قدرت ہے اور نہ ہی کوئی طاقت ہے"۔

ان تمام مصائب و تکالیف کے نتیجے میں ایک عظیم ربانی عطیہ کے طور پر اسراء و معراج کا سفر پیش آیا جس میں اللہ تعالی نے اپنے نبی کو ان غیبی حقائق اور کائناتی اسرار ورموز پر مطلع کیا جن پر آج تک نہ تو کوئی مقرب فرشتہ مطلع ہو سکا اور نہ ہی کوئی نبی اور رسول، اور اس سفر کا مقصد آپ علیہ السلام کی عزت و تکریم کرنا اور آپ کے دل کو ثابت قدم رکھنا ہے تاکہ اس بات پر آپ کا ایمان، یقین اور اعتماد اور زیادہ ہو جائے کہ آپ ہمیشہ اللہ کی معیت اور اس کی حفظ وامان میں ہیں۔

اسراء و معراج کا معجزہ ان جلیل القدر معجزات اور عظیم نشانیوں میں سے ہے جن سے اللہ تعالی نے اپنی نبی کو نوازا ہے، اور آج جب ہم اس واقعہ کا ذکر کر رہے ہیں تو ہمیں اس جلیل القدر واقعہ سے حاصل شدہ پند و نصائح اور اسباق پر غور فکر کرنا چاہیے:

اسباب اختیار کرنا اللہ پر حقیقی توکل کے منافی نہیں ہے، اللہ تعالی نے اپنے نبی کے لئے براق کو مامور کیا تاکہ وہ آپ کے سفر میں زمیں سے آسمان کی طرف جانے کا ذریعہ بنے حالانکہ اللہ تعالی اس بات پر قادر تھا کہ وہ اپنے نبی کو بغیر کسی وسیلہ کے سفر کرائے، اور

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پر یقین کامل اور حقیقی توکل تھا مگر اس کے باوجود جس وقت آپ علیہ السلام بیت المقدس پہنچے تو آپ نے اللہ کے مامور کردہ براق کو باندھا تاکہ آپ امت کو تعلیم دیں کہ اسباب کو اختیار کرنا ضروری ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: "پس میں نے اسے اس زنجیر کے ساتھ باندھ دیا جس کے ساتھ انبیاء باندھتے ہیں"، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "براق کو باندھنے میں معاملات میں احتیاط کا دامن تھامنے اور اسباب اختیار کرنے کی دلیل ہے اور یہ چیز توکل پر اثرانداز نہیں ہوتی"۔

حقیقی مؤمن اس شخص کی طرح عمل کرتا ہے جس کا یقین ہوتا ہے کہ صرف اس کا عمل ہی اسے نجات دلا سکتا ہے اور اس شخص کی طرح اللہ پر توکل کرتا ہے جو جانتا ہے کہ اس کو صرف وہی چیز ملے گی جو اللہ تعالی نے اس کے حق میں لکھ دی ہے، اور اسباب اختیار کرنے اور اللہ پر توکل کرنے کے بارے میں نبی کریم کے فرمان سے یہی متوازن فہم وادراک مقصود ہے۔

اسباب اختیار کرنے کے بارے میں آپ علیہ السلام کا فرمان ہے: "اگر تم میں سے کسی ایک پر قیامت آجائے اور اس کے ہاتھ میں درخت کا پودا ہو تو اسے اس کو لگانا چاہیے"

اور اللہ پر توکل کے بارے میں آپ علیہ السلام کا فرمان ہے: "اگر تم اللہ پر اس طرح توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو وہ ضرور تم کو اس طرح رزق دے گا جس طرح پرندے کو رزق دیتا ہے جو صبح کو خالی پیٹ نکلتا ہے اور شام کو پیٹ بھر کر واپس لوٹتا ہے"۔

میرے بھائیوں! تمام انبیاء اور رسل اصول وعقائد میں ایک ہی پیغام خداوندی کے داعی ہیں اگرچہ وہ پیغام خداوندی شریعت اور طریقہ میں مختلف ہے، ارشادہ خداوندی ہے: {وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ}: اور ہم نے آپ سے پہلے کسی رسول کوئی مبعوث نہیں کیا مگر اس کی طرف وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم میری عبادت کرو۔

اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تمام انبیاء ایک ہی باپ سے ایک دوسرے کے بھائی ہیں، ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے یعنی ان کا ایمان ایک اور شریعتیں مختلف ہوتی ہیں"۔

اللہ تعالی نے قرآن کی سورت انعام میں جو مندرجہ ذیل دس وصیتیں ذکر کی ہیں: { قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم

مِنْ إِمْلاَقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلاَ تَقْرَبُواْ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلاَ تَقْتُلُواْ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ * وَلاَ تَقْرَبُواْ مَالَ الْيَتِيمِ إِلاَّ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّى يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُواْ الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لاَ نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلاَّ وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُواْ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى وَبِعَهْدِ اللّهِ أَوْفُواْ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ * وَأَنَّ هَـذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلاَ تَتَّبِعُواْ السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ} : آؤ میں وہ چیزیں پڑھ کر سنادو جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل مت کرو۔ ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں یا وہ پوشیدہ ہوں اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے بجز حق کے یہی وہ امور ہیں جن کا اس نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔ اور یتیم کے مال کے قریب مت جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور پیمانے اور ترازو کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو۔ ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جب تم کہو تو عدل کرو اگرچہ وہ قرابت داری ہی ہو اور اللہ

کے ساتھ عہد کو پورا کرو، یہی وہ باتیں ہیں جس کا اس نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم نصیحت قبول کرو۔ اور یہ کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اس کی پیروی کرو اور دوسری راستوں پر نہ چلو کہ وہ راستے تمہیں اللہ کی راہ سے جدا کردیں گے، یہی وہ بات ہے جس کا اس نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

ان وصیتوں کے بارے میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ یہ محکم آیات ہیں جو کسی بھی شریعت یا ملت میں منسوخ نہیں کی گئیں اور یہ تمام بنی آدم پر حرام ہیں، یہ کتاب کی اصل اور اس کی بنیاد ہیں جس نے ان پر عمل کیا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے ان پر عمل کرنا ترک کردیا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

اللہ تعالی نے اپنے نبی کو جن بڑی نشانیوں سے نوازا ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے تمام انبیاء اور رسولوں کو بیت المقدس میں جمع کیا اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے نماز میں ان کی امامت فرمائی اور اسی طرح انہوں نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا آسمانوں میں یہ کہتے ہوئے استقبال کیا: پاکباز نبی اور پاکباز بھائی کو خوش آمدید۔ اور یہ دنیا میں امامت کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منتقل ہونے کا اعلان تھا اور اسی طرح اس پختہ عہد کی عملی تطبیق بھی تھی جو اللہ تعالی

نے تمام انبیاء ورسل سے لیا تھا، ارشاد خداوندی ہے: {وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ}: اور وہ وقت یاد کریں جب اللہ نے انبیاء سے پختہ عہد کیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کر دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور ان کی مدد کرو گے، فرمایا: کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری عہد مضبوطی سے تھام لیا؟ سب نے عرض کیا: ہم نے اقرار کر لیا، فرمایا کہ تم گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

حضرت علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "اللہ تعالی نے جس نبی کو بھی مبعوث کیا اس سے یہ پختہ وعدہ کیا کہ اگر اللہ تعالی اس کے زندہ ہوتے ہوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمائے گا تو وہ ضرور اس پر ایمان لائے گا اور اس کی مدد کرے گا، اور اللہ نے اس نبی کو حکم دیا کہ وہ اپنی امت سے پختہ وعدہ لے کہ اگر

اللہ تعالی نے ان کے زندہ ہوتے ہوے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو وہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے اور اس کی مدد کریں گے"۔

مسجد حرام کے ساتھ ساتھ مسجد اقصی کا مقام ومرتبہ:

مسجد اقصی میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا سفر اسراء ختم ہوا اور وہاں سے بلند آسمانوں اور پھر سدرۃ المنتھی کی طرف آپ کا سفر معراج شروع ہوا، اسی طرح یہ مسجد دو قبلوں میں سے پہلا قبلہ، تیسرا حرم اور ان تین مساجد میں سے ایک ہے جس میں نماز کی ادائیگی اور ثواب کی خاطر سفر کیا جاتا ہے اور یہ روئے زمین پر تعمیر کی جانے والی دوسری مسجد ہے، ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: "روئے زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ علیہ الصلاۃ و السلام نے ارشاد فرمایا: (مسجد حرم)، ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا: اس کے بعد کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: (مسجد اقصی) میں نے کہا: ان دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے؟ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: (چالیس سال کا)، اور پھر یہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے تو تم اس کو ادا کرو بیشک اس کی بہت فضیلت ہے۔ اور اس مسجد میں نماز پڑھنا مسجد حرم اور مسجد نبوی کے علاوہ کسی اور

مسجد میں پانچ سو نمازیں پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مسجد حرم میں نماز ادا کرنے کی فضیلت کسی دوسری مسجد میں ایک لاکھ نماز ادا کرنے کے برابر ہے، میری اس مسجد میں نماز ادا کرنے کی فضیلت کسی دوسری مسجد میں ایک ہزار نماز ادا کرنے کے برابر ہے اور مسجد اقصی میں نماز ادا کرنے کی فضیلت کسی دوسری مسجد میں پانچ سو نمازیں ادا کرنے کے برابر ہے"۔

مسجد اقصی اسلامی مقدسات کا ایک جزء لاینفک ہے، امت محمدی کے دلوں میں اس کی بہت قدر و منزلت ہے اور یہ تمام مسلمانوں کے ذمے ایک امانت ہے، ہمیں اس کی حفاظت کرنے میں کوتاہی یا سستی نہیں کرنی چاہیے، اور اسی طرح ہم پر فرض ہے کہ ہم اپنی اولاد کے ذہنوں میں بھی اس مفہوم کو پختہ کریں تاکہ ہماری آنے والی نسلیں تمام مسلمانوں کے ہاں اس مسجد کے مقام و مرتبہ اور قدر و منزلت کو بھول نہ سکیں۔

برادرانِ اسلام:

ہر سال اپریل کے شروع میں پوری دنیا یتیم ڈے مناتی ہے اور میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے دین اسلام کی تعلیمات یتیم کا خیال رکھنے اور اس کا حق ادا کرنے میں تمام انسانی تنظیموں سے سبقت لے گئی ہیں، اللہ کا فرمان ہے: { وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ

قُل إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ} : اور آپ سے یتیموں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، فرما دیں: ان کا سنوارنا بہتر ہے، اور اگر انہیں اپنے ساتھ ملالو تو وہ بھی تمہارے بھائی ہیں اور اللہ خرابی کرنے والوں کو بھلائی کرنے والوں سے جدا پہچانتا ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا، بیشک اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔

آیت کریمہ میں غور وفکر کرنے والے کو پتہ چلتا ہے کہ قرآنی تعبیر نے لفظ (اصلاح) ذکر کیا ہے تاکہ یہ یتیم کا خیال رکھنے اور اس کی پرورش کرنے کے تمام پہلوؤں کو شامل ہو، اصلاح ایک ایسا جامع لفظ ہے جو ان تمام چیزوں کو جامع ہے جن کی ایک یتیم بچے کو ضرورت ہوتی ہے، کبھی اسے مال کی ضرورت ہوتی ہے اس صورت میں اس کی اصلاح اس کے ساتھ نیکی کرنے اور مالی امداد کرنے میں ہوگی، بعض اوقات یتیم بچہ صاحب ثروت ہوتا ہے لیکن اس کو تربیت اور پرورش کی ضرورت ہوتی ہے تو اس صورت میں اس کی اصلاح اس کی دیکھ بھال کرنے اور اس کی تربیت کرنے میں ہوگی، بعض اوقات اس ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے لئے اس کے مال کی تجارت کرے یا اس کی زرعی یا صنعتی معاملات سرانجام دے تو اس صورت میں اس کی اصلاح ان

کاموں کو سرانجام دینے میں ہو گی اور بعض اوقات وہ اسے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس کو پدرانہ جذبات کے احساس، شفقت اور ہمدردی کی ضرورت ہوتی ہے تو اس صورت میں اس کی اصلاح اس کے لے ان جذبات کو مہیا کرنے میں ہو گی اور بعض اوقات اس کی اصلاح اس کو راہ راست پر لانے اور اس کے طرز زندگی اور اس کے اخلاق کو درست کرنے میں ہوتی ہے،اس کی پرورش کرنے اور اس کا خیال رکھنے کا یہ جامع مفہوم قرآن وسنت کی ان نصوص میں مذکور ہے جو یتیموں کے معاملات کا خیال رکھنے اور اس کے احوال کی اصلاح کرنے کی ترغیب اور دعوت دیتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے اپنے پاس کسی یتیم بچے یا یتیم بچی کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو جنت میں میں اور وہ ان دو انگلیوں کی طرح ہونگے اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے انگشت شہادت اور درمیان والی انگلی کو آپس میں ملا دیا"۔

تحویلِ قبلہ کے واقعہ سے حاصل شدہ پند و نصائح اور اسباق

شہرِ شعبان میں امت محمدی پر خداوندی عنایتیں اور ربانی عطیات ان قدر زیادہ ہیں کہ ان کو شمار کرنا یا گننا ناممکن ہے، شہرِ شعبان میں ہم جن عظیم واقعات کی یاد مناتے ہیں اِن میں سے ایک بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف تحویلِ قبلہ کا واقعہ بھی ہے، یہ عظیم واقعہ ہماری اسلامی تاریخ میں ان واقعات میں شمار ہوتا ہے جن میں حق سبحانہ وتعالی نے اپنے حبیب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کو پورا فرمایا ہے اور نماز میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے قبلہ کعبہ مشرفہ کی طرف رخ کرنے کے بارے میں آپ کی خواہش اور آرزو کو پورا کیا۔

آپ علیہ الصلاۃ والسلام ہجرت سے قبل نماز میں اپنے رب کے حکم سے بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے اور آپ مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد بھی سولہ یا سترہ ماہ تک نماز میں اِسی طرف رخ کرتے رہے، آپ ایسی وحی کے نزول کے شوق واشتیاق میں تڑپتے رکھتے جس میں آپ کو بیت الحرام کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا جائے، آپ دلی طور پر اپنے رب سے اس کی امید رکھتے تھے اور زبانِ حال سے اس یقین کے ساتھ اللہ سے دعا مانگتے تھے کہ آپ کا رب آپ کی آرزو کو پورا فرمائے گا، تو پس اللہ تعالی نے

آپ کی آرزو کو پورا فرمایا اور آپ کو اپنی نماز میں ہی کعبہ مشرفہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ اس بارے میں اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: {قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ} "اے حبیب! ہم بار بار آپ کے رخِ انور کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم ضرور بالضرور آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں، پس آپ اپنا رخ ابھی مسجد حرام کی طرف پھیر لیجئے، اور اے مسلمانوں: تم جہاں کہیں بھی ہو پس اپنے چہرے اِسی کی طرف پھیر لو"۔

بلاشبہ جو شخص تحویل قبلہ کے واقعہ میں پند و نصیحت حاصل کرنے کی غرض سے غور و فکر کرتا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس خداوندی تکریم سے حاصل شدہ پند و نصائح اور اسباق سے آگاہی حاصل کر لیتا ہے۔ ان اسباق میں سے سب سے اہم سبق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت، آپ کی رفعت و بلندی اور اللہ تعالی کی بارگاہ میں آپ کے مقام و مرتبہ کا بیان ہے۔ اور یہ مقام و مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالی کے اس فرمان میں واضح ہو رہا ہے: {فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا} "سو ہم ضرور بالضرور آپ کو اِسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ

راضی ہیں"۔ در حقیقت یہ اللہ تعالی کی طرف سے آپ پر فضل و کرم، اور احسان ہے اور اللہ تعالی کی بارگاہ میں آپ کے عظیم مقام و مرتبے کا بیان ہے اور یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے فرمایا: {وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى} "اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا کچھ عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے"۔ اور یہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام پر آپ کے رب کی طرف سے فضل و کرم کے سلسلے کے جاری رہنے کی ایک خوشخبری ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو؟ حالانکہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام وہ ہستی ہیں جن کے سینے کو رب نے کشادہ فرمایا ہے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا: {أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ} "کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں فرما دیا"۔ آپ کا بار آپ سے اتار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا: {وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ} "اور ہم نے آپ کا بار آپ سے اتار دیا"۔ آپ کے لئے آپ کے گناہ کو معاف کر دیا ہے۔ ارشاد فرمایا: {إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ} "اے حبیب! بیشک ہم نے آپ کے لئے روشن فتح کا فیصلہ فرما دیا۔ تاکہ آپ کی خاطر اللہ آپ کے عظیم مقام و مرتبہ کے مطابق شمار ہونے والی آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے"۔ آپ کی زبان کی تعریف کی ہے۔ ارشاد فرمایا: {وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى} "اور وہ

اپنی خواہش سے نہیں بولتا"۔ آپ کے دل کی تعریف کی ہے۔ ارشاد فرمایا: {مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى} "دل نے اس حقیقت کو نہیں جھٹلایا جو آپ نے آنکھوں سے دیکھی"۔ آپ کی عقل کی تعریف کی ہے۔ ارشاد فرمایا: {مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَى} "تمہارا ساتھی نہ راہ بھولے اور نہ ہی راہ سے بھٹکے"۔ آپ کی نگاہ کی تعریف کی ہے: ارشاد فرمایا: {مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى} "اور آنکھ نہ کسی اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی"۔ آپ کے معلم کی تعریف کی ہے: ارشاد فرمایا: {عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى} "اس کو بڑی قوتوں والے نے علم سے نوازا ہے"۔ آپ کے خلق کی تعریف کی ہے: {وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ} "اور بیشک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں"۔ اور آپ کی پوری ذات کی تعریف کی اور فرمایا: {لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ} "یقینا تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بہترین نمونہ ہے"۔

اور تحویل قبلہ کے واقعہ سے حاصل شدہ اسباق میں سے دوسرا سبق امت کا معتدل اور متوسط راستے کو لازم پکڑنا ہے، اس عظیم واقعہ نے اس امت کی میانہ روی کے اصول کو بیان کیا ہے۔ حق سبحانہ وتعالی ارشاد فرماتے ہیں: {وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا

شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ} "اور اے مسلمانوں! اسی طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو"۔

یہ میانہ روی جس کا مفہوم اس قدر وسیع ہے کہ یہ بغیر کسی افراط و تفریط کے زندگی کے تمام پہلوؤں کو شامل ہے، اس سے مراد عدل وانصاف، حسن وخوبی، اعتدال اور باہمی توازن ہے۔ ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ ہم اس اعتدال پسندی کی طرف لوٹ آئیں جس سے اللہ تعالی نے ہم کو نوازا ہے اور ہم اپنے تمام معاملات میں حقیقی طور پر اعتدال پسند بن جائیں۔ حق سبحانہ وتعالی ارشاد فرماتا ہے: {وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَحْسُورًا} "اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھا ہوا رکھو اور نہ ہی اسے سارا کا سارا کھول دو کہ پھر تمہیں ملامت زدہ تھکا ہارا بن کر بیٹھنا پڑے"۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: {وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا} "اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا ان دو حدوں کے درمیان اعتدال پر مبنی ہوتا ہے"۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اللہ تعالی نے اسلام میں جس چیز کا بھی حکم دیا ہے شیطان دو جہتوں میں سے کسی ایک جہت سے تیرے پاس آنے کی کوشش کرتا ہے، اور وہ اس

بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ ان میں کسی کے ذریعے تجھ پر وار کرتا ہے، افراط کے ذریعے یا تفریط کے ذریعے "اس لئے ہم پر فرض ہے کہ تفریط اور ادھر ادھر کی راہ اختیار کرنے کی بجائے آسانی اور رواداری کی راہ کو لازم پکڑیں جو کہ کسی قسم کے تشدد اور انتہا پسندی کے بغیر دینی، اخلاقی اور ایک معتدل راہ ہے۔

اور پھر تمام امتوں پر امت محمدی کی گواہی امت پر اس بات کو لازم کرتی ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو احسن طریقے سے ادا کرے تاکہ وہ اس گواہی کے قابل ہو سکے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "روزِ قیامت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: کیا آپ نے پیغام پہنچا دیا تھا؟ تو وہ کہیں گے: جی ہاں اے میرے رب میں نے پیغام پہنچا دیا تھا، پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا کیا انہوں نے آپ کو پیغام پہنچا دیا تھا؟ تو وہ کہیں گے: ہمارے پاس کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا، تو اللہ نوح علیہ السلام کو فرمائے گا: آپ کے گواہ کون ہیں؟ تو نوح علیہ السلام کہیں گے: محمد اور ان کی امت، پھر تم کو لایا جائے گا اور تم گواہی دو گے"، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: {وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا} "اور اے مسلمانوں! اسی

طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ ہو"۔

تحویل قبلہ کے واقعہ سے حاصل شدہ اسباق میں سے ایک سبق مؤمنین کا اللہ اور اس کے رسول کا حکم ماننے میں جلدی کرنا ہے: یہ واقعہ صحابہ کرام کے ہر اس حکم پر اعتماد کرنے کے بارے میں خطِ فاصل ہے جو حکم نبی کریم اپنے رب کے ہاں سے ان کے پاس لے کر آئے۔ ان کے سینوں کو حق کے لئے کشادہ کر دیا گیا۔ ارشاد خداوندی ہے: {وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ} "اور آپ پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے اور کون کون اپنے الٹے پاؤں پھر جاتا ہے، اور بیشک یہ قبلہ کا بدلنا بڑی بھاری بات تھی مگر ان پر نہیں جنہیں اللہ نے ہدایت سے نوازا"۔ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو فوری طور پر ماننے میں بڑی عمدہ مثالیں قائم کی ہیں۔ نماز کے دوران مسجد اقصی سے مسجد حرام کی طرف رخ پھیرنے کا حکمِ خداوندی آتے ہی مؤمنوں نے اس حکم کی پیروی کی اور فوری طور پر رکوع کی حالت میں ہوتے ہوئے ہی اپنے رخ بیت المقدس

سے بیت الحرام کی طرف پھیر دیے۔ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا: "ہم قباء میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے جب ایک آنے والا ان کے پاس آیا اور اس نے کہا: رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کا نزول ہوا ہے اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو حکم دیا گیا ہے کہ کعبہ کو قبلہ بنالیں پس تم اپنے رخ اس کی طرف پھیر دو اور اس وقت ان کے چہرے شام کی طرف تھے،انہوں نے اسی وقت کعبہ کی طرف رخ پھیر دیے"۔

انہیں اسباق میں سے ایک سبق نماز کی اہمیت،اس کا مقام ومرتبہ،اور اللہ تعالی کی اپنے بندوں پر وسیع رحمت کا بیان ہے۔اللہ تعالی نے نماز اور ان دو عظیم واقعات کو اکٹھا بیان فرمایا ہے جن کا شمار تاریخِ اسلام کے انتہائی اہم واقعات میں سے کیا جاتا ہے۔پہلا واقعہ معجزہءاسراء ومعراج ہے جب اسراء ومعراج کی رات ساتوں آسمانوں کے اوپر سے نماز فرض کی گئی تاکہ اس کی قدر ومنزلت اور بلند مقام ومرتبے کو بیان کیا جائے۔اور اسی طرح قرآن کریم نے نماز کو واقعہء تحویلِ قبلہ کے ساتھ بھی ذکر کیا ہے اور اسے لفظ ایمان سے تعبیر کیا ہے۔اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: {وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ} "اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہارا ایمان ضائع کر دے"۔یعنی تمہاری پہلی نمازیں۔ابن عباس

رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا تو صحابہ نے کہا: ہمارے اُن فوت شدہ بھائیوں کا کیا بنے گا جو اِس سے پہلے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھتے تھے؟ تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی: {وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ} "اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہارا ایمان ضائع کر دے"۔ یہ بھی اطاعت ہے اور وہ بھی اطاعت ہے۔ اس میں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے ان کی ادا کی گئی سابقہ نمازوں کی قبولیت کے بارے میں ان کے لئے تسلی ہے۔

اور اس آیت کا اختتام مؤمنین کے دلوں کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی اور تمام لوگوں کے لئے ترغیب کا باعث بنا۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: {إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ} "بیشک اللہ لوگوں پر بڑی شفقت فرمانے والا مہربان ہے"۔ جب اللہ تعالی لوگوں پر بڑی شفقت فرمانے والا بڑا مہربان ہے تو وہ اپنے مؤمن بندوں پر تو سب سے زیادہ شفقت فرمانے والا اور رحمت فرمانے والا ہے۔

تحویلِ قبلہ کے واقعہ سے حاصل شدہ اسباق میں سے ایک سبق مکہ مکرمہ میں مسجدِ حرام اور قدس شریف میں مسجدِ اقصی کے درمیان گہرے ربط کا بیان اور اِن دونوں کے

درمیان مضبوط تعلق کا اظہار کرنا ہے۔ مسجد حرام پہلی مسجد ہے جو زمیں پر اللہ کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہے اور مسجد اقصی دوسری مسجد ہے۔ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول: "زمین پر سب سے پہلے کونسی مسجد بنائی گئی؟ آپ نے فرمایا: مسجد حرام، میں نے کہا: پھر اس کے بعد کونسی مسجد بنائی گئی؟ آپ نے فرمایا: مسجد اقصی، میں نے کہا: ان دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: چالیس سال، پس یہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے تو تم نماز ادا کرو پس وہی مسجد ہے"۔

تحویلِ قبلہ کے واقعہ نے دونوں مسجدوں کے درمیاں گہرے تعلق کو بیان کیا ہے اور اسی طرح واقعہ ٔاسراء و معراج نے بھی ان دونوں کے درمیاں گہرے تعلق کو بیان کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: {سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ} "پاک ہے وہ ذات جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گئی جس کے گرد و نواح کو ہم نے بابرکت بنادیا ہے تاکہ ہم اس بندے کو اپنی نشانیاں دکھائیں، بیشک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے"۔

اسی وجہ سے ان دونوں کی ایک ساتھ حفاظت کرنا اور ان میں سے کسی ایک کے حق میں بھی کوتاہی نہ کرنا ہمارا فرض ہے اور یہ دونوں مساجد تمام مسلمانوں کے ذمے ایک امانت ہے یہاں تک کہ اللہ زمین اور اِس پر رہنے والوں کا وارث بن جائے۔

برادرانِ اسلام:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اپنے تمام مراحل میں مثبت پن کی وجہ سے نمایاں ہے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام پندرہ سال کی عمر میں حلف الفضول کے معاہدے میں شریک ہوئے جس کی تمام قبیلوں نے ایک دوسرے کو دعوت دی۔ وہ عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے اور اس بات پر باہمی پختہ معاہدہ کیا کہ وہ مکہ میں جس بھی مظلوم کو دیکھیں گے خواہ وہ مکہ کا رہنے والا ہو یا باہر سے آیا ہو، تو وہ ہر حال میں اس کی مدد کریں گے اور اس پر ظلم کرنے والے کے خلاف متحد ہونگے یہاں تک کہ وہ اس کا حق اس کو واپس لوٹا دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں عبداللہ بن جدعان کے گھر ایک ایسے حلف نامے میں شریک ہوا کہ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ اس کے بدلے میں میرے پاس سرخ اونٹ ہوں، اور اگر عہدِ اسلام میں بھی مجھے اس کی دعوت دی جاتی تو میں اِس میں شرکت کو پسند کرتا"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پینتیس سال کی عمر میں اپنے کندھوں پر پتھر اٹھا کر کعبہ کی تعمیرِ نو میں حصہ لیا۔ اور آپ نے ایک بہت بڑے اختلاف میں ہونے والی باتوں کو ختم کیا جو اختلاف قریش کے قبیلوں میں اُس وقت رونما ہونے والا تھا جب انکا اس بات میں باہمی جھگڑا ہو گیا کہ اُن میں سے ہر قبیلہ حجرِ اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کا شرف حاصل کرنا چاہتا تھا۔ انہوں نے آپ کی اس رائے پر عمل کیا جس نے حجرِ اسود کو اس کی جگہ میں رکھنے میں سارے قبیلوں کی نمائندگی کی۔

اور پھر بعثت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مثبت پن میں بھی اِسی طرح نمونہ اور قدوہ ہیں جسے کہ آپ ہر چیز میں نمونہ اور قدوہ ہیں۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام سب سے زیادہ حسین، سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ سخی تھے۔ علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: "جب جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے اور شہسواروں کا آمنا سامنا ہوتا تو ہم رسول اللہ کی پناہ میں آجاتے تھے، اور ہم میں سے کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دشمن کے قریب نہیں ہوتا تھا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کی کھودائی میں بھی اپنے صحابہ کے ساتھ شرکت کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو مثبت پن کی ترغیب دی اور منفی پن سے متنبہ کیا۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "تم میں سے کوئی بھی ہر ایک کی ہاں میں ہاں ملانے والا نہ ہو کہ وہ کہے میں لوگوں کے ساتھ ہوں، اگر لوگ اچھا کام کریں گے تو میں بھی اچھا کام کروں گا اور اگر لوگ برا کام کریں گے تو میں بھی برا کام کروں گا، بلکہ اپنے آپ کو اس بات کا عادی بناؤ کہ اگر لوگوں نے کوئی اچھا کام کیا تو تم بھی اچھا کام کرو اور اگر لوگوں نے برا کام کیا تو تم ظلم نہ کرو"۔

مثبت پن کا مطلب ہے انسان کو اپنے دین اور وطن کے متعلق اپنی ذمہ داری کا شعور ہونا۔ انسان کی اپنے وطن سے محبت صرف جذبات، احساسات اور مشاعر تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اس کو اپنی طرزِ حیات اور عمل کے قالب میں ڈھالنا چاہیے ۔ مثبت انسان وہ ہے جو اپنے معاشرے کے مسائل سے آگاہ ہوتا ہے، اپنے گردونواح سے متاثر ہوتا ہے اور ہر نفع بخش کام کے ذریعے اس میں اچھا تاثر پیدا کرتا ہے۔

رمضان المبارک عبادت اور عمل کا مہینہ

یہ اللہ کریم کا اپنے بندوں پر خاص فضل و کرم ہے کہ اس نے نیکیوں کے لئے کچھ خاص موسم مقرر کردیے ہیں جن میں عطاؤں کی بارشیں ہوتی ہیں، رحمتوں کے بادل برستے ہیں اور اجر و ثواب بڑھ کر دوگنا ہو جاتا ہے، ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "بیشک تمہارے زمانے کے دنوں میں اللہ کی عطاؤں اور رحمتوں کا نزول ہوتا ہے پس تم ان کو حاصل کرو، ہو سکتا ہے تم میں سے کسی ایک کو ایسی رحمت کا حصہ مل جائے جس کے بعد وہ کبھی بھی بدبخت نہ رہے"۔ اور ان موسموں میں سے سب سے زیادہ شرف و عظمت، فضل و کرم اور برکت والا موسم رمضان المبارک ہے جو کہ تمام مہینوں کا سردار اور اِن میں سب سے عظیم ہے۔ اس کے دن تمام دنوں سے افضل اور بہتر ہیں اور اس کی راتیں سب سے زیادہ پاکیزہ اور پاک ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کی آمد پر خود بھی خوش ہوتے اور اپنے صحابہ کو اس نعمتِ ربانی کی خوشخبری دیتے، ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تمہارے پاس رمضان کا مبارک مہینہ آیا ہے، اللہ نے تم پر اس کے روزے فرض کئے ہیں، اس میں آسمان کے دروازے کھول دیے

جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں، سرکش شیطانوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے، اس میں اللہ کی ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جسے اس کی خیر وبرکت سے محروم رکھا گیا تو اسے ہر قسم کی خیر وبرکت سے محروم رکھا گیا"۔

صحابہ کرام اللہ سے دعائیں کیا کرتے تھے کہ اللہ انہیں رمضان المبارک نصیب فرمائے اور انہیں اس میں نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ابن رجب رحمہ اللہ کہتے ہیں: بہت سے سلفِ صالح کا یہ معمول تھا کہ وہ چھ مہینے اللہ سے یہ دعائیں مانگتے رہتے کہ اللہ انہیں رمضان نصیب فرمائے اور چھ مہینے یہ دعا مانگتے رہتے کہ اللہ ان سے رمضان کو قبول فرمائے۔ یحیی بن ابی کثیر کہتے ہیں ان کی دعا یہ ہوتی تھی: "اے اللہ! مجھے رمضان تک سلامت رکھ اور رمضان کو میرے لئے سلامت رکھ اور اس کو میری طرف سے قبول فرما"۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے، اور جب آپ نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو آپ نے کہا: آمین، پھر دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو آپ نے کہا: آمین، اور پھر تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو آپ نے کہا: آمین، صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول، ہم نے

آپ کو تین مرتبہ آمین کہتے ہوا سنا ہے ؟ تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "جب میں نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے کہا: بدبخت ہے وہ شخص جس نے رمضان کو پایا اور پھر رمضان چلا گیا لیکن اس کی بخشش نہ ہو سکی، تو میں نے کہا: آمین۔۔۔۔۔۔۔"۔

ہم چند دنوں کے بعد اس معزز مہمان کے استقبال کے لئے تیاری کر رہے ہیں تو ہم پر فرض ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی اقتدا کریں اور اِس مبارک مہینے میں ان کے عمل اور ان کی عبادات کی پیروی کریں۔ ایک مسلمان کو سب سے پہلے تجدیدِ نیت کرنی چاہیے، اس نیت کی بنا پر اللہ کی بارگاہ میں بندوں کا مقام و مرتبہ مختلف ہوتا ہے، کیونکہ یہ عمل کی قبولیت کا راز ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "بیشک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، بیشک ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی، پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف تھی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے، اور جس کی ہجرت دنیا کو حاصل کرنے کے لئے اور کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے تھی تو اس کی ہجرت اسی کے لئے ہے جس کے لئے اسی نے ہجرت کی ہے"۔ ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ عزوجل نے فرمایا: ابن آدم کا ہر عمل اسی کے لئے ہے سوائے روزے کے، یہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا، اور روزہ ایک ڈھال ہے، پس جب تم میں سے کوئی روزے کی حالت میں ہو تو وہ نہ فحش کلامی کرے نہ ہی شور مچائے، اور اگر کوئی اسے گالی دے یا اس سے جھگڑا کرے تو اسے کہنا چاہیے: میں روزہ دار ہوں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہء قدرت میں محمد کی جان ہے بیشک روزہ دار کے منہ سے نکلنے والی بو اللہ کی بارگاہ میں کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ عمدہ ہے"۔

اسی طرح ماہِ رمضان میں مسلمان کو کثرت سے عبادات اور نیک اعمال کرنے چاہیے، اور ہر اس کام کی پابندی کرنی چاہیے جس کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیا کرتے تھے یا خود کیا کرتے تھے، جیسا کہ افطاری میں جلدی کرنا، سحری میں تاخیر کرنا وغیرہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت اُس وقت تک خیر وعافیت سے رہے گی جب تک انہوں نے افطاری میں جلدی کی اور سحری میں تاخیر کی"، اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے: "سحری کرو، بیشک سحری میں برکت ہے"۔ اسی طرح ایک مسلمان کو کھانے پینے میں اسراف بھی نہیں کرنا چاہیے، اللہ تعالی نے فرمایا: {وَكُلُوا

وَاشْرَبُوا وَلا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ} : "اور کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو، بیشک اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی شخص نے پیٹ سے زیادہ بُرا کوئی برتن نہیں بھرا، ابن آدم کو چند لقمے ہی کافی ہے جو اس کی کمر سیدھی کردیں، اور اگر ضروری ہو تو پیٹ کا ایک تہائی کھانے کے لئے، ایک تہائی پینے کے لئے اور ایک تہائی اپنے لئے"۔

کتنی خوبصورت بات ہے کہ اس مبارک مہینے میں امیر لوگ غریبوں کی ضروریات کو محسوس کرتے ہیں، رمضان المبارک سخاوت، ایثار وقربانی اور نوازشوں کا مہینہ ہے، یہ ایک ایسا مہینہ ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے یتیموں، بیواؤں اور غریبوں ومسکینوں پر شفقت ومہربانی، اور رحم کرنے کا مفہوم تکافل کی تمام تر صورتوں کے ساتھ عملی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے، اور آپ رمضان میں اس وقت سب سے زیادہ سخاوت کرتے جس وقت جبریل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے، وہ رمضان المبارک کی ہر رات آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے ملاقات کرتے اور آپ سے قرآن کا دور کرتے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھلائی

اور نیکی کرنے میں تیز چلنے والی ہواؤں سے بھی زیادہ تیز ہوتے۔ اور یہ صرف خرچ کرنے پر ہی موقوف نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب اس سے زیادہ وسیع ہے اور یہ حسنِ سلوک، صلہِ رحمی، باہمی پیار ومحبت اور شفقت اور حقوق وواجبات کا خیال رکھنے کو شامل ہے۔

اور اسی طرح ایک مسلمان کو قرآن کی تلاوت، اس کے معانی ومطالب میں غور وفکر اور نمازِ تہجد جیسی عبادات کثرت سے ادا کرنے پر پابند ہونا چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "جس شخص نے ایمان اور اللہ سے ثواب کی نیت سے رمضان کی راتوں میں قیام کیا تو اس کے سابقہ گناہ بخش دیے گئے"، اور دوسری حدیث میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں: "جس نے ایمان اور اللہ سے ثواب کی نیت سے لیلۃالقدر میں قیام کیا تو اس کے سابقہ گناہ بخش دیے گئے"، سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری تہائی حصے میں نکلے اور مسجد میں نماز پڑھی اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ مل کر نماز پڑھی، اور لوگ صبح کے وقت اٹھے اور انہوں نے آپس میں اس بارے میں گفتگو کی، دوسری رات پہلے سے زیادہ لوگوں نے اکٹھے ہو کر آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ مل کر نماز

پڑھی، اور جب اگلی صبح لوگ اٹھے انہوں نے آپس میں گفتگو کی، تیسری رات نمازی اور زیادہ ہوگئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے مسجد کی طرف نکلے اور لوگوں نے آپ کے ساتھ مل کر نماز پڑھی، اور جب چوتھی رات آئی تو مسجد نمازیوں کے لئے تنگ پڑ گئی حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر کے لئے گھر سے نکلے اور جب آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے نمازِ فجر ادا فرمائی تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر فرمایا: "اللہ تعالی کی حمد وثنا کے بعد! آپ لوگوں میرے لئے مخفی نہیں ہے، لیکن میں اس بات سے ڈر گیا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے اور پھر تم اس سے عاجز آ جاؤ"، پھر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں سوچا کہ وہ مسلمانوں کو ایک قاری کے پیچھے اکٹھا کر دیں، عبد الرحمن بن عبد القاری سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں رمضان کی ایک رات عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف نکلا، اور لوگ مختلف جگہوں پر جدا جدا بکھرے ہوئے تھے، کہیں آدمی اکیلا نماز پڑھ رہا ہے اور کہیں بعض لوگوں ایک آدمی کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری رائے ہے کہ اگر ان لوگوں کو ایک قاری کے پیچھے اکٹھا کر دیا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے، اور پھر آپ نے عزمِ صمیم کیا اور

مسلمانوں کے اتحاد واتفاق اور نمازِ تہجد کی سنت زندہ کرنے پر حریص ہوتے ہوئے تمام لوگوں کو سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے اکٹھا کر دیا۔

اور حقیقی روزہ ہر قسم کے گناہوں سے روکنا ہے، کتنے ہی روزہ دار ہیں جنہیں اپنے روزے سے صرف بھوک اور پیاس ہی ملتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "کتنے روزہ دار ہیں جن کا اپنے روزے سے حصہ صرف بھوک اور پیاس ہے اور کتنے راتوں کو قیام کرنے والے ہیں جن کا اپنے قیام سے حصہ صرف رات جاگنا ہے"، اور اسی طرح آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "جس نے جھوٹ بولنا اور برا کام کرنا نا چھوڑا تو اللہ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے"، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تم روزہ رکھو تو تمہارے کان، تمہاری آنکھ اور تمہاری زبان بھی جھوٹ اور حرام کردہ اشیاء سے روزہ رکھیں، اور تم خادم کو تکلیف دینا چھوڑ دو، روزے کے دن تمہارے اوپر وقار اور اطمئنان کی کیفیت ہونی چاہیے، اور تم اپنے روزے والے دن اور روزہ چھوڑنے والے دن کو برابر نہ بناؤ، مسلمان کو اس بات پر پابند ہونا چاہیے کہ اس کا روزہ حقیقی معنوں میں روزہ ہو تاکہ تقوی کی صورت میں اس کے روزے کے ثمرات حاصل ہو سکیں۔

اور ہمارے لئے یہ بات جاننا ضروری ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ محنت، کوشش اور جد وجہد کا مہینہ ہے، پس تھکاوٹ کے نام پر رمضان میں ہماری محنت اور جد وجہد دوسرے مہینوں کے مقابلہ میں کم نہیں ہونی چاہیے، بہت سے لوگ سستی اور کاہلی کا شکار ہو جاتے ہیں اور رمضان کے دنوں میں بہت زیادہ سوتے ہیں جو کہ اس مبارک مہینے میں لوگوں کی مصلحتوں کے معطل ہونے کا سبب بنتا ہے، یہ سب رمضان کے مقصد یعنی تقوی کے مخالف ہیں جس کی خاطر رمضان کے روزوں کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ} "اے ایمان والوں! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزے فرض کئے گئے تاکہ تم متقی بنو"۔ اور تقوی سستی اور کاہلی سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ یہ تو اور زیادہ عبادت اور کام کرنے، اخلاص اور خوفِ خدا کو پیشِ نظر رکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔

جب روزہ دار کی سب سے اہم خصوصیت خوفِ خدا کو پیش نظر رکھنا ہے تو یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ کام کرنے کا حق ادا کرنے میں بھی خوفِ خدا کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ جو ذات تیری نماز، تیرے روزے، اور تیرے کھانے پینے سے روکنے کو دیکھ رہی ہے

وہی ذات تیرے کام کا حق ادا نہ کرنے اور اس میں سستی اور کوتاہی کرنے کو بھی دیکھ رہی ہے۔

جب سب سے اہم چیز جس پر روزہ دار کو پابند ہونا چاہیے وہ حلال کھانا اور دعا کی قبولیت ہے تو روزہ دار کے لئے اس بات کو سمجھنا بھی ضروری ہے کہ جب وہ کام کا حق ادا کئے بغیر اجرت لے گا تو وہ حرام کھائے گا، کیونکہ اس نے کام کئے بغیر اجرت لی ہے یا اس نے عہد وپیمان اور ان شرائط کی خلاف ورزی کی ہے جس کا کام تقاضا کرتا ہے، خواہ یہ کام سرکاری ہو یا غیر سرکاری۔

برادرانِ اسلام:

کام اور عبادت دونوں لازم وملزوم ہے، عبادت کام ہے اور خالص اللہ کی رضا کے لئے کیا جانے والا کام عبادت ہے، اِن میں سے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتا، ارشاد باری تعالی ہے: {وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَسَتُرَدُّونَ إِلَى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ} "اور فرمادیجئے: تم عمل کرو، سو عنقریب تمہارے عمل کو اللہ دیکھ لے گا اور اس کا رسول بھی اور اہلِ ایمان بھی اور تم عنقریب ہر

پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے، سو وہ تمہیں ان اعمال سے خبردار فرمادے گا جو تم کرتے رہتے تھے"۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے بعد صحابہ کرام کی سیرت اور ساری تاریخِ اسلام میں غور وتدبر کرنے والا شخص یہ دیکھتا ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ کام اور پیداوار کا مہینہ ہے، بلکہ مسلمانوں کو بہت سی فتوحات بھی اسی مبارک مہینے میں حاصل ہوئیں، اور حقیقت میں یہ فتوحات اور کامیابیوں کا مہینہ ہے، اسی مہینے میں حق وباطل کے درمیان ہونے والے فیصلہ کن معرکے یعنی غزوہء بدر میں فتح نصیب ہوئی یہاں اللہ کریم مسلمانوں کی تعداد اور تیاری کے کم ہونے کے باوجود اپنی بارگاہ سے مدد کے ذریعے انہیں کامیابی سے نوازا۔ ارشاد باری تعالی ہے: {وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ * إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ * بَلَى إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ * وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بُشْرَى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ} "اور اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی حالانکہ تم بالکل بے سر وسامان تھے، پس اللہ سے ڈرا کرو تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ جب آپ

مسلمانوں سے فرمارہے تھے کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد فرمائے۔ہاں اگر تم صبر کرتے رہو اور پرہیزگاری قائم رکھو اور وہ تم پر اسی وقت جوش سے حملہ آور ہو جائیں تو تمہارا رب پانچ ہزار نشان والے فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد فرمائے گا۔اور اللہ نے اس مدد کو محض تمہارے لئے خوشخبری بنایا اور اِس لئے کہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں، اور مدد تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو بڑا غالب حکمت والا ہے"۔

رمضان میں ہی مکہ فتح ہوا جو کہ ایک ایسی عظیم فتح تھی جس کے ذریعے اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کو عزتوں سے نوازا اور شرک اور مشرکین کو ذلیل ورسوا کیا، اور دورِ حاضر میں دس رمضان اور چھ اکتوبر کی فتح بھی رمضان میں ہی تھی جس میں اللہ تعالی نے مصر کو اپنی سرزمین اور اپنی عزت وکرامت کو واپس لوٹانے کی توفیق بخشی، اور اس جنگ میں روزہ، قیامِ اللیل، قرآن اور سچی دعا کے ساتھ مصری فوج کا نعرہ "اللہ اکبر" تھا، پس اپنے دین، وطن، سرزمین اور عزت وکرامت کا دفاع کرتے ہوئے انہوں نے عظیم فتح حاصل کی اور سرکش دشمن کو مار بھگایا، اور یہ ہر اس شخص کے لئے عملی درس تھا جسے اس کا نفس مصر کے خلاف سرکشی کرنے پر بہکائے۔

ہم اس بات کے کس قدر حقدار ہیں کہ ہم اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں کامیابی حاصل کرنے، حق اور عدل وانصاف کی بنیادوں کو مضبوط کرنے اور اپنی سرزمین اور عزت وکرامت کی حفاظت کے لئے رمضان کی روح کو واپس لوٹائیں تاکہ ہماری امت دوسری امتوں اور قوموں کے درمیان اپنا مقام ومرتبہ واپس حاصل کر سکے، اور یہ صرف اتحاد واتفاق،اور ایک مقصد اور ہدف کے گرد جمع ہونے اور مزید محنت، کوشش اور کام کرنے اور تمام لوگوں کے لئے بھلائی کرنے کے ذریعے ہی سے ممکن ہے۔

رمضان المبارک جہنم سے آزادی کا مہینہ

اللہ تعالی نے رمضان المبارک کے مہینے کو ایسی عظمتیں اور خصوصیات عطا فرمائی ہیں جو کسی اور مہینے کو حاصل نہیں ہے، ان خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ رمضان المبارک ہدایت کا مہینہ ہے جس میں آسمانی کتابوں کا نزول ہوا ہے، ارشاد خداوندی ہے: {شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيَ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ} "رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ہے جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور اِس میں راہنمائی کرنے والی اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والی واضح نشانیاں ہیں"۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "رمضان المبارک کی پہلی رات میں ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے نازل کئے گئے، چھ رمضان المبارک کو تورات نازل کی گئی، تیرہ رمضان المبارک کو انجیل نازل کی گئی، اٹھارہ رمضان المبارک کو زبور نازل کی گئی، اور چوبیس رمضان المبارک کو قرآن نازل کیا گیا"۔

اور ان خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ دعا کا مہینہ ہے، اور دعا سب سے اعلی اور عظیم عبادت ہے جس کے ذریعے بندہ اپنے رب کا قرب حاصل کرتا ہے، قرآن کریم میں غور و فکر کرنے والا شخص یہ دیکھتا ہے کہ دعا کی آیت روزے کی

آیات کے درمیان میں ذکر کی گئی ہے، حق سبحانہ وتعالی ارشاد فرماتا ہے: {وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ} "اور (اے حبیب!) جب میرے بندے آپ سے میری نسبت سوال کریں تو آپ بتادیا کریں کہ میں قریب ہوں، میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے، پس انہیں چاہیے کہ میری فرمانبرداری اختیار کریں اور مجھ پر پختہ یقین رکھیں تاکہ وہ راہ پا جائیں"۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روزہ دار کی دعا کی قبولیت کی زیادہ امید ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "روزہ دار کی دعا رد نہیں کی جاتی"، اور دوسری حدیث میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "تین اشخاص ایسے ہیں جن کی دعا رد نہیں کی جاتی، عادل حاکم، روزہ دار جب وہ افطاری کرتا ہے، اور مظلوم کی دعا جسے وہ عرش والے کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور رب کریم فرماتا ہے: "مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! میں ضرور تیری مدد کروں گا اگرچہ کچھ دیر بعد ہی کروں"۔

اور اِن خصوصیات میں سے سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اللہ کریم نے رمضان المبارک کو جہنم سے آزادی کا مہینہ قرار دیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب رمضان المبارک کی پہلی رات آتی ہے تو شیطانوں اور سرکش جنّوں کو جکڑ دیا جاتا ہے، جہنم کے سارے دروازے بند کر دیے جاتے، اِن میں سے کوئی دروازہ بھی کھولا ہوا نہیں رہنے دیا جاتا، اور جنت کے سارے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اِن میں سے کوئی دروازہ بھی بند نہیں رہنے دیا جاتا، اور ایک پکارنے والا پکارتا ہے، اے نیکی کے چاہنے والے آگے بڑھ اور اے شر کے چاہنے والے باز آ جا، اور اللہ کریم اپنے بندوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے"۔ اور دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کریم ہر افطاری کے وقت بندوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے اور یہ سلسلہ ہر رات جاری رہتا ہے"۔ جہنم سے آزادی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کریم اس عظیم عطا اور جلیل القدر نعمت کے ذریعے جس شخص پر احسان فرماتا ہے وہ اسے کبھی بھی جہنم میں داخل نہیں کرے گا۔

روزہ نیکی کا ایک ایسا دروازہ ہے جو بندے کو جہنم کے عذاب سے بچاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "روزہ ایک ایسی ڈھال ہے جس کے ذریعے بندہ جہنم سے

پناہ لیتا ہے"، اور دوسری جگہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "جو بندہ اللہ تعالی کی رضا کے لیے ایک دن کا روزہ رکھتا ہے تو اللہ تعالی اِس ایک دن کی وجہ سے اُس کے چہرے کو جہنم سے ستّر سال کے لئے دور کر دیتا ہے"۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں ایک سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، اور دورانِ سفر ایک دن میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے قریب ہو گیا، جب میں نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو فارغ دیکھا تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول، آپ مجھے ایسے عمل کے بارے میں بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کر دے، اور جہنم سے دور کر دے، تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "تو نے بہت بڑی چیز کے بارے میں مجھ سے سوال کیا ہے، اور یہ اس شخص پر آسان ہے جس کے لئے اللہ کریم آسان کر دے، تو اللہ کی عبادت کر، اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرا، نماز قائم کر، زکوۃ ادا کر، رمضان کے روزے رکھ، اور بیت اللہ کا حج کر، اور پھر آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: کیا میں بھلائی کے دروازوں کی طرف تمہاری راہنمائی نہ کروں؟ روزہ ڈھال ہے، صدقہ گناہ کو ایسے مٹا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بُجھا دیتا ہے۔۔۔"۔اسی طرح روزہ اِن شفاعت کرنے والوں میں سے ایک ہے جن کی

شفاعت اللہ کریم روزِ قیامت قبول فرمائے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "روزِ قیامت روزہ اور قرآن بندے کے لئے شفاعت کریں گے، روزہ کہے گا: اے رب میں نے دن کے وقت اسے کھانے پینے اور شہوت سے روکے رکھا پس تو اس کے حق میں میری شفاعت کو قبول فرما، اور قرآن کہے گا: میں نے رات کے وقت اسے سونے سے روکے رکھا پس تو اس کے حق میں میری شفاعت کو قبول فرما" آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "پس دونوں کی شفاعت کو قبول کیا جائے گا"۔

اسی طرح روزہ بخشش کا سبب اور جنت کا راستہ ہے، حق سبحانہ وتعالی نے اپنے روزے دار بندوں سے بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا، ارشادِ خداوندی ہے: {اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا} "بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، اور مومن مرد اور مومن عورتیں، اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، اور صدق والے مرد اور صدق والی عورتیں، اور صبر والے مرد اور صبر والی عورتیں، اور عاجزی

والے مرد اور عاجزی والی عورتیں، اور صدقہ وخیرات کرنے والے مرد اور صدقہ وخیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، اللہ نے اِن سب کے لئے بخشش اور عظیم اجر تیار فرمار کھا ہے"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے اللہ پر ایمان اور اس سے ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے گئے"، اور دوسری حدیث میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "جس شخص نے اللہ پر ایمان اور اس سے ثواب کی نیت سے رمضان کی راتوں میں قیام کیا تو اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے گئے"، بلکہ رمضان میں ایک رات ایسی ہے کہ جسے اس رات میں جاگ کر قیام اللیل، تلاوتِ قرآن اور دعا کے ذریعے اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کی توفیق عطا فرمادی گئی تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور یہ رات لیلۃ القدر ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے اللہ پر ایمان اور اس سے ثواب کی نیت سے لیلۃ القدر میں قیام کیا تو اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے گئے"۔

اور روزہ جنت کا راستہ ہے، اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جنت میں ایک محل ایسا ہے جس کا باہر والا حصہ اندر سے نظر آتا ہے اور اندر والا حصہ باہر سے نظر آتا ہے، اور اللہ تعالی نے یہ اس شخص کے لیے تیار کیا ہے جس نے لوگوں کو کھانا کھلایا، نرمی سے گفتگو کی، باقاعدگی سے روزے رکھے اور اُس وقت نماز پڑھی جب لوگ سو رہے تھے"۔ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا: "آج تم میں سے روزہ دار کون ہے؟" ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آج روزہ دار ہوں، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "آج تم میں سے کس نے مریض کی عیادت کی ہے؟" ابو بکر رضی اللہ عنہ سے عرض کی: میں نے آج مریض کی عیادت کی ہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "آج تم میں سے کس نے غریب کو کھانا کھلایا ہے؟" ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں نے آج غریب کو کھانا کھلایا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص میں ایک دن میں یہ خوبیاں جمع ہو گئیں وہ جنت میں داخل ہو گا"، اور جب ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر پوچھا: اے اللہ کے رسول،

آپ مجھے کسی ایسے عمل کا حکم فرمائے جس کے ذریعے میں جنت میں داخل ہو جاؤ تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "روزے رکھا کرو اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے"۔

روزہ بندے اور اس کے رب کے درمیان ایک راز ہے جس کی حقیقت پر کوئی بھی مطلع نہیں ہو سکتا، روزہ دار بعض اوقات خلوت وتنہائی میں ہوتا ہے، اللہ کے سوا اسے کوئی بھی نہیں دیکھ رہا ہوتا، اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ روزہ کی وجہ سے اپنے اوپر اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو کھائے لیکن وہ ایسا نہیں کرتا کیونکہ اسے یقینی علم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو اس کے سارے کاموں پر مطلع ہے پس وہ اللہ کی سزا سے ڈرتے ہوئے، اس کے ثواب کی امید رکھتے ہوئے اور اللہ کے قرب پر یقین رکھتے ہوئے اللہ کی رضا کی خاطر اسے چھوڑ دیتا ہے، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: { أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ } "(اے انسان !) کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، کہیں بھی تین آدمیوں کی کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر یہ کہ وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی پانچ آدمیوں کی سرگوشی ہوتی ہے مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا

ہے، اور نہ اس سے کم لوگوں کی اور نہ ہی زیادہ کی مگر وہ ہمیشہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں بھی وہ ہوتے ہیں، پھر وہ قیامت کے دن انہیں اِن کاموں سے خبردار کر دے گا جو وہ کرتے رہے تھے، بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔

روزہ ان عبادات میں سے ہے جنہیں اللہ کریم نے اپنی ذات کی طرف منسوب کرنے کا شرف بخشا ہے، اور ان کی جزا کو اپنی ذات سے خاص کر دیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ عز وجل نے فرمایا: ابن آدم کا ہر عمل اُسی کے لیے ہے سوائے روزے کے، یہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا"، اور ایک روایت میں ہے: "ابن آدم کا ہر عمل دوگنا کر دیا جاتا ہے، نیکی کو دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: "سوائے روزہ کے، یہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔۔۔"، اسی لیے اہلِ علم کہتے ہیں کہ: اللہ تعالی کا فرمان "الصوم لی" ہی روزے کی دوسری ساری عبادات پر برتری اور فضیلت کے لیے کافی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: اس نسبت کی وجہ یہ ہے کہ روزہ کے ذریعے اللہ تعالی کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کی گئی، روزہ خالص اللہ تعالی کی عبادت ہے جس میں ریا

کاری داخل نہیں ہو سکتی،اور یہ بھی کہا گیاہے کہ : یہ اللہ تعالی کی سب سے زیادہ پسندیدہ عبادت ہے۔

روزہ دار ہمیشہ خوفِ خدا کو پیش نظر رکھتا ہے،اس مبارک مہینے سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے پر پابند ہوتا ہے اور اس امید پر اپنے آپ کو اس مہینے میں اللہ تعالی کی نازل ہونے والی رحمتوں اور برکتوں کے سپرد کر دیتا ہے کہ وہ بھی اللہ کے جہنم سے آزاد کردہ بندوں میں ہو جائے۔

برادران اسلام:

جو روزہ جہنم سے آزادی کا سبب بنتا ہے اِس سے مراد وہ روزہ ہے جو روزہ دار کو ہر برے طرزِ عمل سے روکتا ہے،روزہ دار اور گناہوں کے درمیان رکاوٹ بن جاتا ہے،اور اس کے لئے تقوی کا سبب بنتا ہے جو کہ روزے کا مقصد اور اس کا ثمر ہے، پس وہ روزے داروں کے اخلاق سے مزین ہوتے ہوئے حرام نہیں کھاتا، لوگوں کی کردار کشی نہیں کرتا، کسی کی غیبت نہیں کرتا، لوگوں کے درمیان چغلخوری نہیں کرتا، جھوٹی گواہی نہیں دیتا، صرف اللہ کی رضا کا سبب بننے والی بات کرتا ہے،اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا بلکہ برائی کو احسن طریقے سے دور کرتا ہے،اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: {وَإِذا

سمعوا اللَّغْوَ أعْرَضُوا عنہ} "اور جب وہ بیہودہ بات سنتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں"۔ {ادْفَعْ بِالَّتِی ھِیَ أحسن السیئة} "آپ برائی کو ایسے طریقہ سے دور کیا کریں جو سب سے بہتر ہو"۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "روزہ ڈھال ہے، پس جب تم میں سے کوئی روزے کی حالت میں ہو تو وہ فحش کلامی کرے نہ ہی شور مچائے، اور اگر کوئی اسے گالی دے یا اس سے جھگڑا کرے تو اسے کہنا چاہیے: میں روزہ دار ہوں"، اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "روزہ کھانے پینے سے روکنے کا نام نہیں ہے بلکہ روزہ بیہودہ گفتگو اور فحش کلامی سے روکنے کا نام ہے"۔ جہنم سے آزادی کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ ایک مسلمان اپنے غیر موجود بھائی کی عزت کا دفاع کرے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی عزت کا دفاع کیا تو اللہ تعالی کے ذمہء کرم پر لازم ہے کہ وہ اسے جہنم سے آزاد کردے"۔

اپنے روزے کے اجر سے فائدہ اٹھانے والا حقیقی روزہ دار وہ ہے جس کے روزے کا اثر اس کے طرزِ حیات اور لوگوں کے ساتھ اس کے معاملات میں ظاہر ہو کیونکہ روزہ روزہ دار کو اپنے نفس پر قابو پانے کا عادی بناتا ہے تاکہ وہ دنیا و آخرت میں اس کی بھلائی

اور سعادت تک رسائی حاصل کرلے، بیشک نفس تو برائی کا بہت ہی حکم دینے والا ہے سوائے اس کے جس پر میرا رب رحم فرمادے، جب انسان اپنے نفس کو کھلا چھوڑ دے گا تو وہ اسے ہلاک کر دے گا اور اگر وہ اپنے قابو میں رکھے گا تو اسے اعلی مقامات اور درجات تک لے جاسکے گا، اور یہ چیز اسی شخص کو حاصل ہوتی ہے جو روزہ کے ذریعے اپنے رب کی عظمت کا ادراک کرتے ہوئے حقیقی روزہ رکھتا ہے، اور اپنے پیٹ، اپنی شرمگاہ، اپنے زبان اور اپنے تمام اعضائے جسمانی کو اللہ کی حرام کردہ تمام چیزوں سے روکتا ہے۔

اسی طرح حقیقی روزہ دار وہ ہے جو اپنا کام اچھی طرح سے کرتا ہے، اور اسے خالص اپنے رب کی رضا کے لئے کرتا ہے اور اس کی قبولیت کے لئے مشغول ہو جاتا ہے، ہمارے سامنے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مثال موجود ہے جو اپنے رب کے حکم کردہ کام کو پایہء تکمیل تک پہنچاتے ہوئے اپنے رب سے اس کی قبولیت کی دعا کرتے ہیں اور وہ عظیم کام کعبہ مشرفہ کی تعمیر کرنا ہے، ان کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے: {وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ}. "اور (یاد کرو) جب ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام خانہء کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (تو دونوں

دعا کر رہے تھے) کہ اے ہمارے رب! تو ہم سے یہ قبول فرمالے، بیشک تو خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے"۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: کام سے زیادہ کام کی قبولیت کا اہتمام کیا کرو، کیا تم نے اللہ تعالی کا یہ فرمان نہیں سنا، {إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ} "بیشک اللہ متقین سے ہی قبول کرتا ہے"۔

رمضان المبارک جود و کرم اور سخاوت کا مہینہ

دینِ اسلام اعلی اقدار اور بلند اخلاق کا دین ہے، ہمارے دین متین نے جن اعلی اخلاق کی تعلیم و ترغیب دی ہے ان میں سے ایک سخاوت وفیاضی ہے۔ یہ رسولوں اور سلف صالحین کی صفت ہے، اِس سے لوگوں کے درمیان محبت و مودت اور بھائی چارہ جنم لیتا ہے اور اس کے نتیجے میں ایک مضبوط اور متحد معاشرہ وجود میں آتا ہے جو باہمی کفالت اور ایثار و قربانی پر قائم ہوتا ہے، اس پر اخلاص و وفاداری کی فضا غالب ہوتی ہے اور اِس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول صادق آتا ہے: "مومنین اپنی باہمی محبت ومودت، شفقت و مہربانی میں ایک جسم کی مانند ہیں کہ جب اِس جسم کا کوئی ایک حصہ تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے سارا جسم بے خوابی اور تکلیف میں مبتلا رہتا ہے"۔

جود و کرم اللہ سبحانہ و تعالی کی صفت اور اس کے اسمائے حسنی میں سے ایک اسم ہے، اللہ تعالی ایسا سخی اور عطا فرمانے والا ہے کہ اس کا دروازہ بند نہیں ہوتا، اس کی عطا ختم نہیں ہوتی، اس کے در پر سوال کرنے والا نہ خالی ہاتھ لوٹتا ہے اور نہ ہی وہ ناامید ہوتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالی کریم ہے، کرم کو پسند کرتا ہے، وہ اعلی

اخلاق کو پسند کرتا ہے اور گھٹیا اخلاق کو ناپسند کرتا ہے "اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا: "اللہ تعالی کریم ہے کرم کو پسند کرتا ہے، وہ سخی ہے اور سخاوت کو پسند کرتا ہے"، اور حدیث قدسی میں آیا ہے: "اے میرے بندوں تم سب کے سب گمراہ ہو سوائے اس کے جسے میں نے ہدایت نصیب فرمائی، پس تم مجھ سے ہدایت طلب کرو، میں تمہیں ہدایت نصیب فرماؤں گا، اے میرے بندوں تم سب کے سب بھوکے ہو سوائے اس کے جسے میں نے کھانا کھلایا پس تم مجھ سے کھانا مانگو میں تمہیں کھانا کھلاؤں گا، اے میرے بندوں تم سب کے سب برَہنَہ ہو سوائے اس کے جسے میں نے لباس پہنایا پس تم مجھ سے لباس مانگو میں تمہیں لباس پہناؤں گا، اے میرے بندوں تم دن رات گناہ کرتے ہو اور میں سارے گناہ معاف کر دیتا ہوں پس تم مجھ سے معافی مانگو میں تمہیں معاف کر دوں گا، اے میرے بندوں اگر تمہارے پہلے آدمی سے لے کر آخری آدمی تک اور تمہارے انس و جن ایک میدان میں کھڑا ہو کر مجھ سے سوال کریں تو میں ہر ایک انسان کو اس کے سوال کے مطابق عطا کروں گا اور یہ سب کچھ میری بادشاہت و ملکیت میں صرف اسی قدر کمی کر سکتا ہے جس قدر سوئی کو سمندر میں داخل کرنے سے سمندر میں کمی واقع ہوتی ہے"، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ کے خزانے بھرے ہوئے ہیں دن رات خرچ کرنا ان کو کم نہیں کرتا، مجھے بتاؤں اس نے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے کے وقت سے لے کر اب تک کس قدر خرچ کیا ہے اور اس نے اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں کی"۔

اور قرآن کریم نے بھی بیان کیا ہے کہ جود و کرم اور سخاوت انبیاء اور رسولوں کی صفت ہے، اللہ تعالی نے ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں فرمایا: "هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ * إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ * فَرَاغَ إِلَى أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ * فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ" "کیا آپ کے پاس ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے۔ جب وہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے سلام پیش کیا، ابراہیم علیہ السلام نے بھی سلام کہا، (اور دل میں ہی سوچا) یہ اجنبی لوگ ہیں۔ پھر جلدی سے اپنے گھر کی طرف گئے اور ایک فربہ بچھڑے لے آئے۔ پھر اسے ان کے سامنے پیش کر دیا، فرمانے لگے: کیا تم نہیں کھاؤ گے"۔ ان کے جود و کرم اور سخاوت کی وجہ سے ان کا لقب ہی ابو الضیفان یعنی مہمانوں والا پڑ گیا تھا"۔

اللہ رب العزت نے ہمیں اس بات کی ترغیب دی ہے کہ ہم ایک دوسرے پر سخاوت کریں تاکہ ہم اللہ کے جود و کرم اور اس کے مزید فضل و کرم کے مستحق ٹھہر سکیں، اللہ

رب العزت ارشاد فرماتا ہے : { وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ } "تم میں سے بزرگی والے اور کشادگی والے اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو مالی امداد نہیں دیں گے انہیں چاہئے کہ معاف کر دیں اور در گزر کریں، کیاتم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے، اور اللہ بڑا بخشنے والا ہے" اور ارشاد فرماتا ہے : { مَّثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ } "جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں اور پھر ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے اضافہ فرمادیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہے" اور ارشاد فرماتا ہے: { لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ } "نیکی صرف یہ نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور

قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور اللہ کی کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں اپنا مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور غلاموں کی گردنوں کو آزاد کرانے میں خرچ کرے، اور نماز قائم کرے اور زکوۃ دے اور جب کوئی وعدہ کریں تو اپنا وعدہ پورا کرنے والے ہوں، اور سختی میں اور مصیبت میں اور جنگ کی شدت کے وقت صبر کرنے والے ہوں، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیز گار ہیں" اور ارشاد فرماتا ہے: {وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا * إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا * إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا * فَوَقَاهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا} "اور اپنا کھانا اللہ کی محبت میں محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم تو محض اللہ کی رضا کے لئے تمہیں کھلا رہے ہیں، نہ تم سے کسی بدلہ کے خواستگار ہیں اور نہ شکر گزاری کے خواہشمند ہیں۔ ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کا خوف رہتا ہے جو چہروں کو نہایت سیاہ اور بد نما کر دینے والا ہے۔ پس اللہ انہیں اس دن کی سختی سے بچا لے گا اور انہیں رونق وتازگی اور سرور و مسرت بخشے گا"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم خرچ کرو اللہ تمہارے اوپر خرچ کرے گا"

رمضان المبارک جود وکرم، سخاوت، ایثار وقربانی اور باہمی کفالت کا مہینہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے اور سب سے زیادہ سخاوت آپ علیہ الصلاۃ والسلام رمضان میں کیا کرتے تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے، اور آپ رمضان میں اُس وقت سب سے زیادہ سخاوت کرتے جس وقت جبریل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے، وہ رمضان المبارک کی ہر رات آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے ملاقات کرتے اور آپ سے قرآن کریم کا دور کرتے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھلائی اور نیکی کرنے میں تیز چلنے والی ہواؤں سے بھی زیادہ تیز ہوتے تھے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر حال میں کھانا کھلانے کی ترغیب دی ہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "اے لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، اور رات کو اس وقت نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں تم جنت میں امن وسلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر وقت مہمان کی عزت وتوقیر کرنے کی ترغیب دی ہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "جو شخص اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے مہمان کی عزت وتوقیر کرنی چاہئے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی ہے کہ اس مہینے میں کھانا کھلانا اور مہمان کی عزت وتوقیر کرنا سب سے زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے: "جس شخص نے ایک روزہ دار کا روزہ افطار کرایا تو اُس کے لئے اِس روزہ دار جتنا اجر وثواب لکھ دیا جائے گا اور اِس روزہ دار کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں ہو گی"، اور اجر ہر شخص کو ملے گا جس نے کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرایا خواہ وہ امیر ہو یا غریب، کوئی قریبی رشتہ دار ہو یا دوست وغیرہ، اور حدیثِ پاک میں "صائما" کا لفظ نکرۃ آیا ہے تاکہ وہ عموم کا فائدہ دے، اور غریبوں کو کھانا کھلانے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ یہاں ایک اور شرعی مقصد ہے جو اِس حدیثِ پاک سے سمجھ میں آرہا ہے اور وہ مقصد صلہِ رحمی کے اس مہینے میں خاندان، قبیلے اور دوست احباب کے دستر خوان پر اکٹھے ہونے کے ذریعے لوگوں کے درمیان باہمی تعلق کو مضبوط کرنا ہے۔

اس حدیثِ پاک کا معنی ومفہوم ہر اس شخص کو شامل ہے جس نے کسی روزہ دار کا حقیقت میں روزہ افطار کرایا یعنی اس کی دعوت کی، یا اس کے لئے کھانا تیار کیا، یا اس نے حکما کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرایا یعنی اس پر صدقہ کیا، یا اسے کوئی ایسی چیز تحفے میں

پیش کی جس سے وہ روزہ افطار کرے یا اس کے ذریعے افطاری تیار کرے، اور اس حدیث سے دو چیزیں مقصود ہیں: پہلی چیز: باہمی کفالت کرنا تاکہ اس مبارک مہینے میں ہمارے درمیان کوئی بھوکا، ضرورت مند اور محروم نہ رہے اور دوسری چیز بالخصوص اس مبارک مہینے میں لوگوں کے درمیان معاشرتی تعلقات مضبوط کرنا اور ان کے درمیان محبت والفت کا رشتہ قائم کرنا ہے۔

صحابہ کرام نے باہمی کفالت، باہمی ہمدردی، اور باہمی تعاون کو عملی شکل دینے کے لئے بالخصوص مشکلات کی گھڑیوں میں اللہ کی رضا کی خاطر اپنے مال وجان کی قربانی، ایثار اور سخاوت کی شاندار مثالیں قائم کی ہیں، نبی کریم اشعری قبیلہ سے تعلق رکھنے والے صحابہ کرام کے درمیان پائے جانے والے باہمی تعاون اور باہمی کفالت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "جب اشعری صحابہ کا جنگ میں زادِ راہ ختم ہو جاتا ہے یا مدینہ میں ان کے اہل خانہ کا راشن کم پڑ جاتا ہے تو وہ اپنے پاس موجود زادِ راہ کو ایک کپڑے میں جمع کرتے ہیں اور پھر ایک برتن کے ذریعے اپنے درمیان برابر برابر تقسیم کر لیتے ہیں، پس وہ مجھ سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں"۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: ابو طلحہ مدینہ میں انصار میں سے سب سے امیر ترین شخص تھے اور ان کا سب سے محبوب ترین مال "بیر حاء" کا کنواں تھا اور یہ مسجد کے سامنے تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں داخل ہوتے اور اس کا پاکیزہ پانی پیتے تھے، انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب اللہ تعالی کا یہ فرمان نازل ہوا: {لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ} "تم نیکی کو ہرگز نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم اللہ کی راہ میں اپنی محبوب ترین چیزوں میں سے خرچ نہ کرو" تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول اللہ تعالی نے آپ پر یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ہے کہ "تم نیکی کو ہرگز نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم اللہ کی راہ میں اپنی محبوب ترین چیزوں میں سے خرچ نہ کرو" اور میرا محبوب ترین مال "بیر حاء" کا کنواں ہے، یہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے اور میں اللہ کی بارگاہ میں اس کے صلے اور ذخیرے کی امید رکھتا ہوں، اے اللہ کے رسول آپ اسے اس جگہ استعمال کریں جس کے بارے میں اللہ کریم آپ کے دل میں بات ڈال دے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واہ واہ، یہ نفع بخش مال ہے، یہ نفع بخش مال ہے، میں نے آپ کی بات سن لی ہے، پس میری رائے ہے کہ تم اسے اپنے رشتہ داروں میں وقف کر

دو، ابو طلحہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول میں ایسا ہی کرتا ہوں اور انہوں نے اسے اپنے رشتہ داروں اور اپنے چچا کے درمیان تقسیم کر دیا"۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک صحابی کو بکری کے سر کا تحفہ پیش کیا گیا تو اس نے کہا: "میرا فلاں بھائی اور اس کے اہلِ خانہ ہم سے زیادہ اس کے محتاج ہیں" ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، اسے اس کی طرف بھیج دیا اور وہ ایک گھر سے دوسرے گھر جاتا رہا اور وہ سات گھروں تک پہنچا حتی کہ پہلے گھر واپس لوٹ آیا تو اللہ کا یہ فرمان نازل ہوا: {وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ} "اور وہ اپنی جانوں پر انہیں ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انہیں شدید حاجت ہی ہو"۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سخاوت اور ایثار و قربانی میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے تھے اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔

آج ہمیں بخل، کنجوسی اور انانیت کے تمام مظاہر سے دور رہتے ہوئے ان اخلاقِ حسنہ سے مزین ہونے کی کس قدر ضرورت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ شخص مجھ پر ایمان ہی نہیں لایا جس نے اپنا پیٹ بھر کر رات گزاری ہو اور اس کے جانتے ہوئے اس کے پہلو میں اس کا پڑوسی بھوکا ہو"، اور دوسری حدیث میں آپ علیہ

الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "اے ابن آدم تیرا اپنے زائد مال کو خرچ کرنا تیرے لئے بہتر ہے اور تیرا اسے روکے رکھنا تیرے لئے برا ہے، اور بقدرِ ضرورت مال رکھنے پر تجھے ملامت نہیں کیا جائے گا، جس کی تم کفالت کرتے ہوئے اس سے آغاز کرو، اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے"، اور ایک اور حدیث میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "جس شخص کے پاس ایک سے زائد سواری ہو وہ اُسے اِس شخص کو دے دے جس کے پاس کوئی سواری نہیں ہے اور جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد زادِ راہ ہو وہ اُسے اِس شخص کو دے دے جس کے پاس زادِ راہ نہیں ہے"۔

برادرانِ اسلام:

اپنی جان کی قربانی پیش کرنا سخاوت کی اعلی ترین مثال ہے،اور یہ کریم اور معزز لوگوں کی صفت ہے، یہ ایثار وقربانی کا بلند ترین درجہ ہے اور جود وکرم اور سخاوت کی سب سے عمدہ اور اعلی مثال ہے۔

سرحدوں پر محافظ سپاہی صبر واستقامت کے ساتھ اپنے وطن، سرزمین اور اپنی عزت وناموس کی حفاظت کرتے ہوئے جو اپنی جان کی قربانی پیش کرتے ہیں وہ سخاوت کی عظیم ترین مثال ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی راہ میں ایک دن سرحدوں پر پہرہ دینا دنیا ومافیہا سے زیادہ بہتر ہے"،اور دوسری حدیث میں فرمایا: "دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی،ایک وہ آنکھ جس میں اللہ کے خوف سے آنسوؤں آگئے اور دوسری وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات گزارتی ہے"،اور ایک اور حدیث میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "جس بندے کے قدم اللہ کی راہ میں خاک آلودہ ہوئے اس جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی"۔ اور انسان کا اپنی جان کی قربانی پیش کرنا اس کے لئے دنیا وآخرت میں کامیابی کا ضامن ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: { يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ }

"اے ایمان والو! صبر کرو اور ثابت قدمی میں زیادہ محنت کرو اور جہاد کے لئے خوب مستعد رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو سکو"۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رمضان المبارک فتوحات کا مہینہ ہے، اسی مبارک مہینے میں غزوہء بدر واقع ہوا جس میں اللہ تعالی نے مؤمنین کی دشمنوں کے مقابلے میں تعداد اور تیاری کے کم ہونے کے باوجود اپنی بارگاہ سے مدد فرما کر انہیں دشمن پر فتح نصیب فرمائی، ارشاد خداوندی ہے: {وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ * إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ * بَلَى إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ * وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بُشْرَى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ} "اور اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی حالانکہ تم بالکل بے سروسامان تھے، پس اللہ سے ڈرا کرو تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ جب آپ مسلمانوں سے فرما رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد فرمائے۔ ہاں اگر تم صبر کرتے رہو اور پرہیزگاری قائم رکھو اور وہ تم پر اسی وقت جوش سے حملہ آور ہو جائیں تو تمہارا رب پانچ ہزار نشان والے فرشتوں کے ذریعے تمہاری

مدد فرمائے گا۔اور اللہ نے اس مدد کو محض تمہارے لئے خوشخبری بنایااور اس لئے کہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں،اور مدد تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو بڑاغالب حکمت والا ہے"۔

رمضان کے مہینے میں ہجرت کے آٹھویں سال مکہ فتح ہوااور اس فتح کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلی اخلاق، بالخصوص عفو ودر گزر،اور رحم کی شاندار مثال قائم کی،آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان تمام لوگوں کو جمع کیا جنہوں نے آپ کو تکلیفیں دی تھیں،آپ کو مکہ سے نکالا تھا،آپ کے خلاف سازشیں کی تھیں اور پھر آپ نے انہیں فرمایا:"تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟" انہوں نے کہا:اچھا سلوک،آپ کریم بھائی ہے اور کریم بھائی کے بیٹے ہے تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:"چلے جاؤتم آزاد ہوں"۔

رمضان المبارک ایمان اور افراد سازی کا مہینہ

ایمان باللہ کا شمار بندے پر اللہ تعالی کی جلیل القدر نعمتوں میں سے ہوتا ہے، حق سبحانہ وتعالی ارشاد فرماتا ہے: {وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ * فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ} "لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت عطا فرمائی اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ فرما دیا اور کفر اور نافرمانی اور گناہ سے تمہیں متنفر کر دیا، ایسے ہی لوگ دین کی راہ پر ثابت اور گامزن ہیں"۔ بیشک رمضان المبارک کا مہینہ حقیقی ایمان کا مہینہ ہے، اور اسی لئے جب قرآن کریم میں روزوں کے بارے آیات کا ذکر کیا گیا تو ان کا آغاز ایمان کی صفت کی ندا کے ساتھ کیا گیا، اللہ تعالی نے فرمایا: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ} "اے ایمان والو! تم پر روزے ایسے فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو"۔

حقیقی ایمان اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ ہر حکم کی تصدیق کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے، مشہور حدیثِ جبریل میں ایمان کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے جو ہر مومن کے دل میں راسخ ہونی چاہیئے جب جبریل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان

کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایمان یہ ہے کہ تو اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، روزِ آخرت پر ایمان لائے اور تو اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائے"، ایمان صرف زبان سے کہے جانے والے لفظ کا ہی نام نہیں ہے بلکہ ایمان وہ ہے جو دل میں پختہ ہو جائے اور عمل اس کی تصدیق کرے، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: {إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ * الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ * أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا} "ایمان والے تو وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور جب ان پر اسکی آیات تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ان کے ایمان میں اضافہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اِس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہے اور مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنے مال و جان کے بارے میں بے خوف رہے"۔

اور جو شخص اپنے اخلاق اور سلوک کی وجہ سے اللہ تعالی کے اوامر ونواھی سے پھیر گیا تو وہ شخص ایمان کی راہ سے پھیر گیا، اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "زانی جس وقت زنا کرتا ہے تو وہ ایمان کی حالت میں زنا نہیں کرتا، اور جس وقت وہ شخص شراب پیتا ہے تو وہ ایمان کی حالت میں شرات نہیں پیتا اور جس وقت وہ چوری کرتا ہے تو وہ ایمان کی حالت میں چوری نہیں کرتا"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے کامل ایمان کی نفی کی تصریح کردی ہے جو اپنے پڑوسی کو تکلیف دیتا ہے یا وہ خود تو پیٹ بھر کر سوئے اور اس کے جانتے ہوئے بھی اس کا پڑوسی بھوکا ہو، کیونکہ ایمان کے لئے عمل ضروری ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی قسم وہ مومن ہی نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن ہی نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن ہی نہیں، عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول کون شخص مومن نہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے فتنوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ رہے" اور دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ شخص مجھ پر ایمان ہی نہیں لایا جس نے پیٹ بھر کر رات گزاری ہو اور اس کے جانتے ہوئے اس کے پہلو میں اس کا پڑوسی بھوکا ہو"۔

حقیقی ایمان وہ ہے جو مومن کو دوسرے لوگوں پر زیادتی کرنے اوران کے حقوق سلب کرنے سے محفوظ رکھے،اس کے سینے کو حسد،بغض،انانیت،ذاتی ترجیح،دھوکے بازی، غداری، خیانت اور فساد وغیرہ جیسی بری صفات سے پاک رکھے اور اس کے اخلاق کی اصلاح کرے اور اس کا اثر اس کے طرزِ زندگی، اور دنیا میں اس کے تمام حرکات وسکنات اور اللہ تعالی کی تمام مخلوقات کے ساتھ اس کے معاملہ میں ظاہر ہو اور وہ صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی رضا کی خاطر انسانوں، حیوانوں اور جمادات پر رحم کرے،اللہ تعالی نے فرمایا: {وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا* إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا} "اور وہ اپنا کھانااللہ کی محبت میں محتاج کواور یتیم کو اور قیدی کو کھلادیتے ہیں۔ ہم تو محض اللہ کی رضا کے لئے تمہیں کھلا رہے ہیں،نہ تم سے کسی بدلہ کے طلبگار ہیں اور نہ شکر گزاری کے خواہشمند ہیں"۔

ایمان ایک درخت ہے جس کی اصل زمین میں ہے اوراس کی شاخیں آسمان میں ہے، جب اس کی اصل اور جڑیں پختہ اور مضبوط ہوں گی تو یہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل دے گا،اور حقیقی روزہ اس ایمان سے جنم لیتا ہے اور دل میں سکون واطمینان اور خوفِ خدا کو پیدا کرتا ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ حقیقی روزہ دار جھوٹ نہیں بولتا ہے

کیونکہ روزہ اور جھوٹ جمع نہیں ہو سکتے، روزہ جلوت سے پہلے خلوت میں خوفِ خدا کے اعلی ترین درجے پر قائم ہے، یہ بندے اور اس کے رب کے درمیان راز ہے اور جھوٹ منافقت کی اعلی اور واضح ترین علامت ہے اور یہ روزے کی حقیقت کے بالکل متناقض ہے، اسی لئے یہ دونوں جمع اور اکٹھے نہیں ہو سکتے، وہ شخص یا تو روزہ دار ہے یا جھوٹا، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے"، اور جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ہاں)، پھر آپ سے کہا گیا: کیا مومن کنجوس ہو سکتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ہاں)، اور پھر آپ سے کہا گیا: کیا مومن جھوٹا ہو سکتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (نہیں)۔

اللہ پر ایمان کی ایک چاشنی اور حلاوت ہے جسے اللہ کی رضا پر رضا ہونے والے وہ لوگ ہی محسوس کرتے ہیں جن کے دل ایمان سے لبریز ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس شخص نے ایمان کی حلاوت کو پالیا جو اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا"، اور دوسری حدیث میں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ چیزیں پائی گئیں اِس شخص نے اِن چیزوں کی وجہ سے ایمان کی حلاوت کو پالیا: پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اسے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو، دوسری چیز یہ ہے کہ وہ کسی آدمی سے صرف اللہ کی رضا کی خاطر محبت کرے، اور تیسری چیز یہ ہے کہ اللہ تعالی کے اسے کفر سے نجات دینے کے بعد وہ کفر کی طرف لوٹنے کو ایسے ہی ناپسند کرے جیسے جہنم میں پھینکے جانے کو ناپسند کرے۔

ایمان اور اخلاق دونوں لازم وملزوم ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگوں میں سے مکمل ترین ایمان والے وہ ہیں جو ان میں سے سب سے اچھے اخلاق والے ہیں، تواضع اختیار کرنے والے ہیں، الفت ومحبت سے رکھتے ہیں اور لوگوں کے درمیان الفت ومحبت پیدا کرتے ہیں، اور اِس شخص میں کوئی بھلائی نہیں ہے جو نہ تو خود الفت ومحبت سے رہتا ہے اور نہ ہی لوگوں کے درمیان الفت ومحبت پیدا کرتا ہے"، ایمان نور ہے اور عبادت نور ہے، جس نے ایمان کی حلاوت اور عبادت کی لذت کو پایا صرف وہی شخص رواداری، آسانی اور اچھے طریقے سے معاملات کرنے کو جان سکتا ہے، وہ اللہ کی مخلوق پر نہ تو تکبر کرتا ہے، نہ لوگوں کے سامنے چیں بہ جبین ہوتا ہے، نہ ان پر

زیادتی کرتا ہے اور نہ ہی برائی کا بدلہ برائی سے دیتا ہے، بلکہ وہ معاف کر دیتا ہے اور در گزر سے کام لیتا ہے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں کوئی روزہ کی حالت میں ہو تو وہ اس دن نہ تو فحش کلامی کرے اور نہ ہی شور مچائے، پس اگر کوئی شخص اس کو گالی دے یا اس سے لڑائی کرے تو اسے کہہ دینا چاہیئے: میں روزہ دار ہوں"۔ عقلمند شخص کو اس بات کا علم ہونا چاہیئے کہ ہو سکتا ہے وہ اپنی عبادت کی وجہ سے جنت میں داخل نہ ہو پائے مگر وہ اپنے اخلاق اور رواداری اور لوگوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جائے گا، اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک آدمی کا حساب لیا گیا تو ان کے نامہء اعمال میں کوئی نیکی نہ پائی گئی مگر یہ کہ وہ لوگوں سے میل جول رکھتا تھا، اور خوشحال تھا، اس نے اپنے خادموں کو حکم دیا رکھا تھا کہ وہ تنگ دست شخص معاف کر دیا کریں، تو اللہ تعالی نے فرمایا: "ہم اس سے زیادہ اس چیز کے یعنی معاف کرنے کے حقدار ہیں، تم اس کو معاف کر دو"۔

ہم یہ بات بھی باور کراتے ہیں کہ حقیقی ایمان ایک نور ہے جو اللہ تعالی اپنے بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے پس وہ اس میں حکمت اور یقین پیدا کرتا ہے اور اس شخص کو اللہ

کے نور سے دیکھنے والا بنا دیتا ہے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو ایک انصاری نوجوان آپ کو ملا جس کا نام حارثہ بن نعمان ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا: "اے حارثہ تونے کس حال میں صبح کی ہے ؟"اس نے عرض کی: میں نے حقیقی مومن کی حالت میں صبح کی ہے، انس بن مالک کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: "جو بات آپ کہہ رہے ہیں اس پر توجہ کریں، بیشک ہر حق کی ایک حقیقت ہے، پس تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے ؟"اس نے عرض کی: میرا دل دنیا سے کنارہ کش ہو گیا ہے، میں نے اپنی رات کو بیداری میں گزارا یعنی قیام اللیل میں گزارا اور میں نے اپنے دن کو پیاسا رکھا یعنی دن کو روزہ رکھا اور گویا کہ میں اپنے رب کے عرش کو واضح طور پر دیکھ رہا ہوں اور میں جنتیوں کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ کس طرح ایک دوسرے سے ملاقات کر رہے ہیں اور میں جہنمیوں کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ کس طرح ایک دوسرے کے دشمن بن رہے ہیں، نبی کریم نے اسے فرمایا: "تونے حقیقت کو پالیا ہے پس اسے لازم پکڑ،" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات دو مرتبہ فرمائی"،ایک بندہ جس کے دل میں اللہ نے ایمان کا نور سے منور کر دیا ہے"۔

ایمان کے کئی شعبے ہیں ہر مومن کو ان کی پابندی کرنے پر حریص ہونا چاہیئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایمان کے ستر سے زیادہ یا ساٹھ سے زیادہ شعبے ہیں، اِن میں افضل ترین شعبہ لا الہ الا اللہ کہنا اور ادنی ترین شعبہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے اور حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے"۔ اور جب ایک شخص نے حسن بصری رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ مومن ہیں؟ تو آپ نے اس سے کہا: ایمان دو قسم کا ہے، اگر تم مجھ سے اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، جنت و دوزخ، حشر اور حساب و کتاب پر ایمان کے بارے میں پوچھ رہے ہو تو میں مومن ہوں، اور اگر تم مجھ سے اللہ تعالی کے اس فرمان کے بارے میں پوچھ رہے ہو: {إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ * الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ * أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا} "ایمان والے تو وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور جب ان پر اسکی آیات تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ان کے ایمان میں اضافہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ

ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں"۔ تو میں نہیں جانتا کہ میں ان میں سے ہوں یا نہیں۔

سچا ایمان مومن کے لئے امن وامان اور اِس پاکیزہ زندگی کا باعث بنتا ہے جس کا وجود ایمان سے ہی ممکن ہوتا ہے، ارشاد خداوندی ہے: { مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً } "جو کوئی نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت جبکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے"۔ اور دوسری جگہ اللہ تعالی نے فرمایا: { الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ } "جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں، جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے"۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے: جب ایمان ضائع ہو جائے تو کوئی امن وامان نہیں رہتا، اور اس شخص کی دنیا بھی نہیں جس نے دین کو زندہ نہ کیا، اور جو شخص دین کے بغیر زندگی پر راضی ہو گیا اس نے تباہی کو زندگی کا ساتھی بنا دیا۔

برادرانِ اسلام:

جب رمضان ایمان کا مہینہ ہے تو یہ افراد سازی کا مہینہ بھی ہے، روزہ ایک عملی درسگاہ ہے جو حقیقی مرد کو منظر عام پر لاتی ہے، احمد شوقی کہتے ہیں: "روزہ ایک جائز محرومی، بھوک کے ذریعے تربیت، اور اللہ کے لئے خشوع وخضوع کا نام ہے، ہر فرض کی ایک حکمت ہے، اور اس حکم کے ظاہر میں عذاب ہے اور اس کے باطن میں رحمت ہے، یہ شفقت پر ابھارتا ہے، صدقہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے، تکبر کو ختم کرتا ہے، صبر کی تعلیم دیتا ہے، حتی کہ جب وہ شخص بھوک محسوس کرتا ہے جو پیٹ بھرنے کا عادی ہے اور عیش وعشرت میں پلنے والے کو عیش وعشرت کے اسباب سے محروم کر دیا جاتا ہے تو اسے محرومی کا علم ہوتا ہے کہ یہ محرومی شخص پر کیسے گزرتی ہے اور اسے کیسے تکلیف دیتی ہے جب اسے پہنچتی ہے"۔

جو شخص قرآن کریم میں غور وفکر کرتا ہے وہ اس حقیقت کا ادراک کر لیتا ہے کہ مردانگی ایک ایسا وصف ہے جو اللہ تعالی نے صرف اس کو عطا کیا ہے جو اس کی اہلیت اور قابلیت رکھتا ہے، اس قابلیت میں سے ایک یہ ہے کہ: بغیر کسی تغیر وتبدل یا انحراف کے اللہ تعالی کے ساتھ سچا عہد کرنا، اللہ تعالی نے فرمایا: {مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا} "مومنین میں

سے بہت سے مردوں نے وہ بات سچ کر دکھائی جس پر انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا، پس ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا ہے اور ان میں سے کوئی انتظار کر رہا ہے، مگر انہوں نے اپنے عہد میں ذرا بھی تبدیلی نہیں کی"۔ اسی طرح حقیقی مرد وہ ہیں جنہوں نے اپنی جانیں اور اپنے مال اللہ رب العالمین کے لئے بیچ دیئے، اور اس کا اظہار اللہ کی رضا کی خاطر دین، وطن اور عزت وناموس کی راہ میں جان ومال کی قربانی پیش کرنے سے ہوتا ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: {إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ} : "بیشک اللہ نے اہلِ ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے مال، ان کے لئے جنت کے عوض خرید لئے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں، سو وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ اللہ نے اپنے ذمہ کرم پر پختہ وعدہ لیا ہے تورات میں بھی انجیل میں بھی اور قرآن میں بھی، اور کون اپنے وعدہ کو اللہ سے زیادہ پورا کرنے والا ہے، سو تم اپنے سودے پر خوشیاں مناؤ جس کے عوض تم نے جان ومال بیچا ہے اور یہی تو زبردست کامیابی ہے"۔

ماہِ رمضان مساجد آباد کرنے اور راتوں کو قیام کرنے کا مہینہ ہے، اور یہ دونوں چیزیں شخصیت سازی اور افراد سازی کے اہم ترین اسباب میں سے ہیں، اللہ تعالی اپنے نبی کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے: {يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ * قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا * نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا * أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا * إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا * إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا} "اے کملی اوڑھنے والے۔ آپ رات کو قیام فرمایا کریں مگر تھوڑی دیر کے لئے۔ آدھی رات یا اس سے تھوڑا کم کر دیں۔ ہم عنقریب آپ پر ایک بھاری فرمان نازل کرینگے۔ بیشک رات کو اٹھنا نفس کو سخت پامال کرتا ہے اور زبان سے سیدھی بات نکالتا ہے"۔ دوسری جگہ اللہ تعالی نے فرمایا: {فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ * رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ} "اللہ کے گھروں میں جن کے بلند کئے جانے اور جن میں اللہ کے نام کا ذکر کئے جانے کا حکم اللہ نے دیا ہے اِن میں صبح و شام اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ وہی مردانِ خدا ہیں جنہیں تجارت اور خرید وفروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے اور نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوۃ ادا کرنے سے وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں اُلٹ پُلٹ ہو جائیں

گی"۔اور اللہ تعالی نے جنتیوں کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: {كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ * وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ} "وہ راتوں کو تھوڑی سی دیر سویا کرتے ہیں۔اور رات کے پچھلے پہروں میں مغفرت طلب کرتے ہیں"،اور دوسری جگہ فرمایا: {تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ * فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ} "ان کے پہلوان کی خوابگاہوں سے جدا رہتے ہیں اور اپنے رب کو خوف اور امید سے پُکارتے ہیں اور ہمارے عطا کردہ رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔ سو کسی کو معلوم نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے پوشیدہ رکھی گئی ہے، یہ ان اعمال صالحہ کا بدلہ ہو گا جو وہ کرتے رہتے تھے"۔

رات کا قیام کرنا ان امور میں سے ہیں جن پر ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرتے ہوئے بالخصوص رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں پابند ہونا چاہیئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس قدر اس عشرہ میں محنت کیا کرتے تھے اس قدر دوسرے دنوں میں محنت نہیں کیا کرتے تھے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے کہا: "جب آخری عشرہ داخل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمربستہ ہو جاتے، راتوں کو جاگتے اور اپنے اہلِ خانہ کو جگاتے"، مطلب یہ ہے کہ عبادت میں محنت کرتے اور

اپنی تمام توانائیاں صَرف کر دیتے،اور یہ بھی کہا گیاہے کہ یہ عورتوں سے علیحد گی اختیار کرنے سے کنایہ ہے،اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہے : "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے پہلے بیس دن نمازاور نیند کے ساتھ گزارتے تھےاور جب تیسرا عشرہ داخل ہوتاتوآپ کمربستہ ہو جاتے"،اور ایک روایت میں آپ رضی اللہ عنہانے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں جس قدر محنت کرتے تھےکسی اور مہینے میں اتنی محنت نہیں کرتے تھے"۔

رمضان المبارک نفس کی سرکشی کولگام دینے،اطمینان وسکون، ضمیر کی بیداری، طرزِ زندگی کو منضبط کرنے، حسنِ تصرف،اخلاقی اور انسانی اقدار کو بلند کرنے اوراِن مکارمِ اخلاق کے ذریعے مرد تیار کرتاہے جوانسان کی طرزِزندگی کو منظم کرتے ہیں،اوراسے اپنی زندگی کے تمام معاملات میں راست روبنادیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے حقوق کی حفاظت کرتاہے،اپنے ذمہ داریوں کوادا کرتاہے،اور اپنی ذات،اپنے معاشرے، اپنے وطن اوراپنی امت کے لئے بہتری اوراصلاح کی تمام انواع کو بروئے کارلانے کے لئے کوشش کرتاہے، جس کا نتیجہ معاشرے کے استحکام اور ترقی کی صورت میں نکلتا

ہے اور الفت ومودت، رحمت وغیرہ جیسی اعلی صفات کی روح معاشرے پر غالب آ جاتی ہے جو قوموں کی ترقی وتمدن میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

ہمیں اس بات پر پابند ہونا چاہئے کہ ہم ان دنوں میں ذکر، دعا، تلاوتِ قرآن، اور ہر اس کام میں محنت کرنے سے فائدہ اٹھائیں جو کام ہمیں اللہ کے قریب کردے تاکہ ہم ان دنوں میں اللہ تعالی کی رحمتوں سے محروم لوگوں میں سے نہ ہو جائیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارے زمانے کے دنوں میں تمہارے رب کی رحمتیں برستی ہیں پس تم اس کے درپے ہو جاؤ، ہو سکتا ہے تم سے کسی کو ان رحمتوں میں سے کوئی حصہ نصیب ہو جائے جس کے بعد وہ کبھی بھی بدبخت نہ رہے"۔

رمضان المبارک: نیکی، صلہ رحمی

اور رحمت خداوندی کے حصول کا مہینہ

رمضان المبارک فرمانبرداری، خداوندی عطاؤں اور رحمتوں کا مہینہ ہے، روزے، نماز تہجد، صلہ رحمی، محبت ومودت اور نیکی اور تقوی پر باہمی تعاون کا مہینہ ہے، اور یہ ایک ایسا مہینہ ہے جس میں مسلمان کے صبر، اس کی نیت اور اس کے خوفِ خدا کا امتحان لیا جاتا ہے، روزہ دار بھوک اور پیاس برداشت کرتا ہے، اپنے نفس کی سرکشی کو لگام دیتا ہے، اور تکلیف پر صبر کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مختلف عبادات کے ذریعے اللہ کا قرب بھی حاصل کرتا ہے جیسا کہ تلاوتِ قرآنِ پاک، ذکر، نماز تہجد، صدقہ وخیرات، لوگوں کے درمیان صلح کرانا، اور ہر وہ نیکی کا کام کرنا جس میں ملک اور لوگوں کی مصلحت ہو، اور یہ اس احسان کا حصہ ہے جس کے ذریعے بندہ اللہ کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے، ارشاد خداوندی ہے: {إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ} "بیشک اللہ کی رحمت نیکی کاروں کے قریب ہوتی ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیشک یہ بھلائی خزانے ہیں اور ان خزانوں کی چابیاں ہیں، خوشخبری ہے اس بندے کے لئے جسے اللہ تعالی بھلائی کا ذریعہ بنائے"۔

رمضان المبارک کا مہینہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں مقابلہ کرنے کا میدان ہے جس میں بندے اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنے کے لئے خالص اعمال کے ذریعے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، رمضان المبارک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی کیفیت ہوتی تھی، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے، اور آپ رمضان میں اس وقت سب سے زیادہ سخاوت کرتے جس وقت جبریل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے، وہ رمضان المبارک کی ہر رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے اور آپ سے قرآن کا دور کرتے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھلائی اور نیکی کرنے میں تیز چلنے والی ہواؤں سے بھی زیادہ تیز ہوتے"۔

رمضان المبارک نیکی کے لئے ایک وسیع میدان ہے اور بالخصوص کھانا کھلانے کے لئے جو کہ اس مہینے اور ہمارے دین متین کی ایک نمایاں خصوصیت ہے، سیدنا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ ان کی طرف چلے گئے اور میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جو ان کی طرف گئے تھے اور پھر جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھا تو میں نے جان لیا یہ کسی

جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے، پس میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: " اے لوگو! کھانا کھلاؤ، سلام کو عام کرو، صلہء رحمی کرو، اور اِس وقت نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تم سلامتی سے جنت میں داخل ہو جاؤ گے"، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان چار خوبیوں پر مشتمل ہے جن میں سے تین خوبیاں لوگوں کے ساتھ تعلقات سے متعلق ہے اور وہ: کھانا کھلانا، سلام عام کرنا، صلہء رحمی کرنا ہے، اور چوتھی خوبی بندے اور اس کے رب کے درمیان تعلق سے متعلق ہے اور وہ رات کو اس حال میں نماز پڑھنا ہے کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ اور ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اسلام میں کون سی بھلائی بہتر ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو کھانا کھلا، اور ہر اس شخص کو سلام کر جسے تو جانتا ہے اور جسے تو نہیں جانتا"۔

انسان کو کسی بھی نیکی کو چھوٹا یا حقیر نہیں سمجھنا چاہیئے، کیونکہ اسے علم نہیں کہ اللہ کس عمل کو قبول فرمالے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو کسی بھی نیکی کو حقیر نہ سمجھ، اگرچہ تو رسی کو گانٹھ دے، اگرچہ تو جوتے کو تَسمَہ دے، اگرچہ تو اپنے ڈول میں سے پانی طلب کرنے والے کے برتن میں پانی ڈالے، اگرچہ تو لوگوں کے راستے سے

ان کو تکلیف دینے والی چیز کو دور کرے، اگرچہ تو اپنے بھائی کو خندہ پیشانی سے ملے، اگرچہ تو اپنے بھائی کو ملے اور اس پر سلام کرے، اور اگر کسی شخص نے تجھے اسی چیز کی گالی دی جسے وہ تیرے بارے میں جانتا ہے اور تو بھی اس کے بارے میں ویسی ہی چیز جانتا ہے تو تو اسے گالی مت دے، پس تیرے لئے اس کا اجر ہو گا اور اس پر اس کے گناہ کا بوجھ ہو گا، جس بات کو تیرے کان سننا پسند کریں تو تو اس پر عمل کر اور جس چیز کو تیرے کان سننا ناپسند کریں تو تو اس سے اجتناب کر"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر مسلمان پر صدقہ ہے"، ایک صحابی نے کہا: آپ کا کیا خیال ہے اگر وہ صدقہ کے لئے کوئی چیز نہ پائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ اپنے ہاتھ سے کام کرے اور اپنی ذات کو بھی نفع دے اور صدقہ بھی کرے"، اس نے کہا: آپ کا کیا خیال ہے اگر وہ ایسا نہ کر سکے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ ضرورت مند محتاج کی مدد کرے"، اس نے کہا: آپ کا کیا خیال ہے اگر وہ ایسا نہ کر سکے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ بھلائی یا عدل کا حکم دے"، اس نے کہا: آپ کا کیا خیال ہے اگر وہ ایسا نہ کر سکے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ شر سے روک جائے، بیشک یہ اس کے لئے صدقہ ہے"۔

ہم اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ لفظ "البر" یعنی "نیکی" بھلائی کی تمام خوبیوں اور ہر اس فعل کو جامع ہے جو اللہ کی رضا اور لوگوں کے نفع کا باعث بنے، اور یہ سب کا سب حسنِ خلق میں جمع ہو جاتا ہے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نیکی حسنِ خلق ہے"، اسی طرح وفاداری اور محسنین کے لئے ان کی نیکی اور احسان کا اعتراف کرنا بھی ایک بنیادی اخلاق ہے جس سے صرف کریم اور شریف لوگ ہی متصف ہوتے ہیں۔

نیکی کی سب سے بڑی صورت اہلِ خانہ، رشتہ داروں، پڑوسیوں اور تمام لوگوں سے میل جول رکھنا اور صلہ رحمی کرنا ہے، اور یہ باہمی الفت و محبت پیدا کرنے، اور تمام لوگوں کے درمیان باہمی رحم دلی کی اقدار کو عام کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، رمضان میں تو باہمی بغض و نفرت رکھنے والوں کی کوئی جگہ ہی نہیں ہے، جب رمضان میل جول رکھنے اور ایک دوسرے سے تعلق قائم کرنے کا مہینہ ہے تو اس میں سرِ فہرست دو چیزیں ہیں: ایک صلہ رحمی ہے، حدیث قدسی میں اپنے رب سے روایت کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قدر واہمیت کو بیان فرمایا ہے، حدیث قدسی کے الفاظ یہ ہے: "میں اللہ ہوں، میں رحمان ہوں، میں نے رحم کو پیدا کیا

ہے اور اپنے نام سے اس کا نام رکھا ہے، پس جس نے اسے ملایا میں نے اسے ملا دیا اور جس نے اسے کاٹا یعنی قطعِ تعلقی کی تو میں نے اسے کاٹ دیا"، اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو اللہ تعالی کا یہ فرمان پڑھو: {فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ * أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَى أَبْصَارَهُمْ * أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا} " پس تم سے یہی توقع ہے کہ اگر تم حکومت حاصل کرلو تو تم زمین میں فساد ہی برپا کروگے اور اپنے قرابتی رشتوں کو توڑ ڈالو گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ان کو بَہرا کر دیا ہے اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔ کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر پیر اور جمعرات کو اعمال پیش کئے جاتے ہیں، پس اللہ تعالی اِن دو دنوں میں ہر اس شخص کو معاف کر دیتا ہے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا سوائے اس شخص کہ جس کے بھائی اور اس کے درمیان ناراضگی، تو کہا جاتا ہے: اِن دونوں کو چھوڑ دو حتی کہ یہ دونوں صلح کر لیں"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلہ ء رحمی کو ایمان کی بنیادوں میں سے ایک قرار دیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کے آغاز میں اس کی دعوت دی تھی، عمرو بن عبسۃ سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں نبوت کے آغاز میں نبی کریم کے پاس داخل ہوا تو میں نے کہا: آپ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اللہ کا نبی ہوں"، میں نے کہا: کون سا نبی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کا رسول"، میں نے کہا: کیا اللہ نے آپ کو مبعوث کیا ہے؟، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ہاں)، میں نے کہا: کسی چیز کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا ہے؟، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کو ایک مانا جائے، اس کے ساتھ کوئی چیز شریک نہ ٹھہرائی جائے، بتوں کو توڑا جائے اور صلہ ء رحمی کی جائے"، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلہ ء رحمی کو ایمان کی علامتوں میں سے ایک قرار دیا ہے، آپ نے فرمایا: "جو شخص اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے صلہ ء رحمی کرنی چاہیئے"۔ اور اللہ تعالی کا یہ فرمان بھی: {وَأُوْلُواْ الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللهِ} "اور رشتہ دار اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں" اس کی تاکید کرتا ہے۔

اور دوسری چیز یہ ہے کہ تو اپنے ارد گرد ہر شخص سے تعلق رکھ، کسی ایک سے بھی قطعِ تعلقی نہ کر، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی آدمی کے لئے اپنے بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑنا جائز نہیں ہے کہ وہ دونوں ملیں تو وہ ایک دوسرے سے منہ پھیریں، اور اُن دونوں میں سے بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے"، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب وہ اسے راستے میں ملے تو وہ صرف اسے سلام کر دے بلکہ وہ لفظ سلام کے تمام تر مفہوم کے ساتھ اس سے حقیقی سلام کا آغاز کرے، نہ کہ صرف زبان سے ظاہری سلام کرے اور دل سے انکار کر رہا ہو، اور حقیقی سلام یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ، دوست کے ساتھ، اہلِ خانہ کے ساتھ، پڑوسی کے ساتھ، انسانوں کے ساتھ، حیوانات کے ساتھ، جمادات کے ساتھ بلکہ ساری کائنات کے ساتھ امن وسلامتی سے رہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ} "اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، بیشک تمہارا کھلا دشمن ہے"۔

برادرانِ اسلام:

اللہ تعالی کی حکمت کا تقاضا ہے کہ اس نے رمضانِ المبارک کے آخری عشرے کو محسنین کے لئے مزید نیکیاں کرنے اور سستی و کوتاہی کرنے والوں کے لئے مافات کی تلافی کرنے کا موقع قرار دیا ہے، یہ دن خداوندی عطاؤں اور نوازشوں سے بھرے ہوئے ہیں جس کے ذریعے اللہ تعالی اپنے بندوں پر کرم فرماتا ہے، ہر مسلمان کو اِن دنوں میں اللہ کی رحمتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیشک تمہارے زمانے کے دنوں میں تمہارے رب کی رحمتیں برستی ہیں پس تم ان کو حاصل کرنے کی کوشش کرو، شاید تم میں سے کسی کو ان کا کوئی حصہ نصیب ہو جائے جس کے بعد وہ کبھی بھی بدبخت نہ رہے"، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضانِ المبارک کے آخری عشرہ میں زیادہ عبادت، اطاعت اور اللہ کی بارگاہ میں متوجہ ہونے کا اہتمام فرماتے تھے۔

رمضانِ المبارک کے آخری عشرہ میں شبِ بیداری کرتے ہوئے ہمیں درج ذیل چیزوں پر پابند ہونا چاہیئے:

☆رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے ہوئے شبِ بیداری کی کوشش کرنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس قدر اِن دس دنوں میں محنت کرتے تھے اُس قدر

دوسرے دنوں میں محنت نہیں کرتے تھے، سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے کہا: "جب آخری عشرہ داخل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمر بستہ ہو جاتے، شبِ بیداری کرتے اور اپنے اہلِ خانہ کو بیدار کرتے"، اور آپ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے آپ نے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بیس دن نیند اور نماز میں گزارتے تھے اور جب آخری عشرہ داخل ہوتا تو آپ کمر بستہ ہو جاتے"۔

اللہ تعالی نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر فضل و کرم فرماتے ہوئے رمضانِ المبارک کی آخری دس راتوں کو ایک عظیم ترین اور افضل ترین رات سے نوازا ہے اور وہ شبِ قدر ہے، مجاہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا ذکر کیا جس نے اللہ کی راہ میں ایک ہزار مہینے ہتھیار اٹھائے رکھا، مجاہد رضی اللہ عنہ نے کہا: مسلمان اس سے حیران ہوئے، انہوں نے کہا: اللہ تعالی نے اُس وقت یہ سورت نازل فرمائی: {إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ * وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ * لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ * تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ * سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ} "بیشک ہم نے اس کو شبِ قدر میں اتارا ہے۔ اور آپ کیا سمجھے ہیں شب قدر کیا ہے۔ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس

میں فرشتے اور روح الامین اپنے رب کے حکم سے ہر امر کے ساتھ اترتے ہیں۔ یہ طلوعِ فجر تک سراسر سلامتی ہے"۔ اخلاص کے ساتھ اِس رات کی عبادت ایک ہزار مہینے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس رات کے قیام کو گناہوں کی بخشش کا ذریعہ قرار دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے اللہ پر ایمان اور ثواب کی نیت سے شبِ قدر کو قیام کیا تو اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے گئے"، اس لئے ہر مسلم پر لازم ہے کہ وہ اللہ کا قرب حاصل کرنے اور اس کی بخشش کی امید رکھتے ہوئے اس عظیم رات میں اللہ تعالی کی عبادت کے لئے جاگنے پر خواہاں ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری عشرے کی طاق راتوں میں شبِ قدر تلاش کرنے کی ترغیب دی ہے کیونکہ ان میں اللہ کا بہت فضل و کرم اور اس کی نوازشیں ہوتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رمضانِ المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں شبِ قدر کو تلاش کرو" اور ایک روایت میں ہے: "رمضانِ المبارک کے آخری عشرے میں شبِ قدر کو تلاش کرو، یعنی نویں، ساتویں، پانچویں رات میں"۔

☆اِن دنوں میں سب سے اہم نیک عمل صدقہ ءفطر کی ادائیگی ہے جو کہ روزہ دار کے لئے پاکی کا ذریعہ اور غرباء ومساکین کے لئے رزق ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ ءفطر فرض کیا ہے جو کہ روزہ دار کے لئے فضول کاموں اور فحش گوئی سے پاکی کا ذریعہ اور غرباء کے لئے رزق ہے، جس نے اسے نماز سے پہلے ادا کر دیا تو یہ قبول شدہ زکوۃ ہے، اور جس نے اسے نماز کے بعد ادا کیا تو یہ صدقات میں سے ایک صدقہ ہے"۔

☆زیادہ سے زیادہ دعا مانگنا، جب رمضان المبارک میں دعا کی قبولیت کی زیادہ امید ہے تو آخری عشرے میں دعا کی قبولیت کی تو اس سے بھی زیادہ امید ہے، ام المؤمنین سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول: آپ کیا فرماتے ہیں کہ اگر مجھے علم ہو جائے کہ فلان رات شبِ قدر ہے تو میں اِس میں کیا دعا مانگوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم کہو: اے اللہ بیشک تو معاف فرمانے والا ہے، کریم ہے، تو معاف کرنے کو پسند کرتا ہے پس تو مجھے معاف فرما دے"۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم ذکر، دعا، تلاوتِ کلامِ پاک، اور اللہ کے قرب کا ذریعہ بننے والے ہر فعل کے ذریعے شبِ قدر اور ان عظیم دنوں کے موقع سے فائدہ اٹھائیں تاکہ ہم ان دنوں میں نازل ہونے والی اللہ کی رحمتوں سے محروم لوگوں میں شامل نہ ہو جائیں، بیشک اس رات میں محروم رہنا ہی حقیقی محرومی ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس مہینے میں اللہ کی ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، پس جسے اس کی بھلائی سے محروم کر دیا گیا اسے ہر طرح کی بھلائی سے محروم کر دیا گیا"۔

ماہِ شوال کے بارے میں

سننِ کونیہ کے بارے میں غور و فکر کرنے والا شخص دیکھتا ہے کہ یہ دن، مہینے اور سال کتنی تیزی سے گزر رہے ہیں، اور یہ دنیاوی زندگی گنتی کے چند سانسوں اور ایک مقررہ مدت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، اور اس میں غور و فکر کرنے والے کے لئے عبرتیں ہیں، حق سبحانہ وتعالی ارشاد فرماتا ہے: {وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا} "اور وہی ذات ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے گردش کرنے والا بنایا اس کے لئے جو غور و فکر کرنا چاہے یا شکر گزاری کا ارادہ کرے"۔ اور دوسری جگہ فرمایا: {فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا} "سو آپ ان پر جلدی نہ کریں ہم ان کے لئے دن شمار کر رہے ہیں"۔

جب انسان اس دنیا میں اپنے عمل کا مرہونِ منت ہے جیسا کہ اللہ کریم نے فرمایا: {وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى * وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى * ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَى} "اور یہ کہ ہر انسان کے لئے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی۔ اور یہ کہ بیشک اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی۔ پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا" تو ایک عقلمند پر واجب ہے کہ وہ اللہ کی بندگی پر ثابت قدم رہے یہاں تک کہ اللہ کریم اسے

حسنِ خاتمہ نصیب فرمائے اور وہ اپنے رب سے اِس حال میں ملے کہ وہ اس پر راضی ہو، اور انسان نہیں جانتا کہ کسی اطاعت وفرمانبرداری کے ذریعے اس کے لئے قبولیت کے دروازے کھول دیئے جائیں، اللہ تعالی نے اپنی رحمت کو اپنی فرمانبرداری میں پوشیدہ رکھا ہے، کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ: "ایک آدمی راستے میں چل رہا تھا تو اسے سخت پیاس لگ گئی، اس نے ایک کنواں دیکھا اور اِس میں اتر کر پانی پیا اور پھر جب باہر نکلا تو ایک کتّا ہانپ رہا تھا اور پیاس کی وجہ سے تر مٹی کھا رہا تھا، اُس آدمی نے کہا اسے بھی ویسے ہی پیاس لگی ہے جیسے مجھے پیاس لگی تھی، پس وہ کنواں میں اترا اور اپنے موزوں کو پانی سے بھرا اور پھر اسے اپنے منہ کے ساتھ پکڑ کر اوپر آیا اور کتّے کو پانی پلایا، پس اللہ تعالی نے اس کے اس فعل کی قدر دانی کی اور اس کو بخش دیا"، اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ نے اس کے فعل کی قدر دانی کی اور اس کو جنت میں داخل کر دیا"۔

اور اسی طرح اللہ تعالی نے اپنی ناراضگی کو اپنی نافرمانی میں پوشیدہ رکھا ہے، پس انسان نہیں جانتا کہ اس کی کسی نافرمانی کی وجہ سے اس کی پکڑ کی ہو جائے اور اس کو سزا دی جائے، کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ: "ایک عورت جہنم میں اِس

وجہ سے داخل ہوئی کہ اس نے ایک بلی کا باندھے رکھا، نہ اسے خود کھانا کھلایا اور نہ ہی اسے آزاد چھوڑا کہ وہ کیڑے مکوڑے کھا سکے "، اعمال کا دار و مدار خاتمے پر ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے کہ : " بیشک انسان لوگوں کے سامنے جنتیوں کے اعمال کرتا ہے حالانکہ وہ جہنمی ہوتا ہے اور وہ لوگوں کے سامنے جہنمیوں کے اعمال کرتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے "، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی سے حسنِ خاتمہ کی دعا کیا کرتے تھے اور اپنی امت کو اس کی تعلیم دیتے تھے، انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے یہ دعا کہا کرتے تھے: اے دلوں کو پھیرے والے ! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھا "، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول، ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے، کیا آپ کو ہمارے بارے میں کوئی خوف ہے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں، بیشک دل اللہ کے قبضہء قدرت میں ہے وہ جیسے چاہے ان کو پھیرتا رہتا ہے "۔

بیشک اربابِ بصیرت اس بات کو سمجھتے ہیں کہ رمضان کارب ہی شوال اور تمام مہینوں، دنوں، زمانوں اور مکانوں کا رب ہے، تو جب رمضان اپنی خیر و برکات اور رحمتوں کے ساتھ گزر گیا ہے تو شوال کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے ؟۔

بھلائی کے سارے دروازے ابھی بھی کھلے ہیں، اور اب بھی رب رات کو اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے تاکہ دن کو برائی کرنے والا توبہ کر لے اور دن کو اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے تاکہ رات کو برائی کرنے والا توبہ کر لے اور یہ سلسلہ رمضان، شوال، ذی القعدہ اور ہر وقت جاری رہتا ہے یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے، ابوموسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالی رات کو اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے تاکہ دن کے وقت برائی کرنے والا توبہ کر لے اور دن کے وقت اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے تاکہ رات کے وقت برائی کرنے والا توبہ کر لے، یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے"۔

اور جب رمضان میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں تو رمضان کے بعد ان کو بند نہیں کیا جاتا، ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: "پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور ہر اس شخص کو بخش دیا جاتا ہے جو اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتا سوائے اس شخص کے جس کی اپنے بھائی کے ساتھ ناراضگی ہو، پس حکم دیا جاتا ہے کہ ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ یہ دونوں صلح کر لیں"۔ اور جس نے ذائقہ چکھ لیا اس نے پہچان لیا اور جس نے پہچان لیا اس نے سفر شروع کر دیا اور جس نے سفر شروع کر دیا وہ منزلِ مقصود تک پہنچ گیا، پس جس شخص نے روزہ، نمازِ تہجد، تلاوتِ کلامِ پاک کی حلاوت کو پا لیا اس کے لئے رمضان کے بعد ان عبادات سے جدا ہونا ناممکن ہے۔

اہلِ علم نے ذکر کیا ہے کہ کسی اطاعت کی محبت اور کثرت سے اس کو ادا کرنا اس کی قبولیت کی علامات میں سے ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: {إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ} "بیشک ایمان والے تو وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں"۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: {اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ

اللَّهُ ذَلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ} "اللہ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے، جو ایک کتاب ہے جس کی باتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہے (جس کی آیتیں) بار بار دہرائی گئی ہیں، جس سے ان لوگوں کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کی جلدیں اور دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہدایت ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کے ذریعے راہنمائی فرماتا ہے۔ اور اللہ جسے گمراہ کر دیتا ہے تو اس کے لئے کوئی ہادی نہیں ہوتا"۔ پس جس نے رمضان میں قرآن کریم کے ساتھ وقت گزارا تو اس کے لئے رمضان کے بعد اس کو چھوڑنا نا ممکن ہے، اسی طرح جو نمازِ تہجد کا عادی بن گیا اور اس کی حلاوت کو پالیا اس کے لئے رمضان کے بعد ان کو چھوڑنا نا ممکن ہے، جس نے رمضان میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے، اور سخاوت و قربانی کی لذت کو محسوس کر لیا وہ رمضان کے بعد ہر گز ان کو ترک نہیں کرے گا، جو شخص رمضان میں کسی اطاعت کا عادی بن گیا اور اس کے دل میں اس کی محبت پیدا ہو گئی تو اس پر لازم ہے کہ وہ سارا سال اس طریقہ پر رہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں رمضان کے ختم ہونے کے بعد روزے ترک نہ کرنے کی ترغیب دی ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

شوال میں روزے رکھنے میں جلدی کرنے کی ترغیب دی ہے اور اسے اتباع و پیروی سے تعبیر کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو وہ ایسے ہے جیسے اس نے زمانے کے روزے رکھے ہیں"۔

حقیقی روزہ دار وہ ہے جس کے روزے نے اس میں تقوی پیدا کر دیا ہو، حقِ سبحانہ وتعالی نے جس وقت متقین کی صفات اور اس کے اجر وثواب کو بیان کیا تو فرمایا: {إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ * آخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُحْسِنِينَ * كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ * وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ} "بیشک پرہیزگار باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ ان نعمتوں سے لے رہے ہوں گے جو ان کے رب نے انہیں دی ہے۔ بیشک وہ اس سے پہلے احسان کرنے والے تھے۔ اور راتوں کو تھوڑی دیر سویا کرتے تھے۔ اور رات کے پچھلے پہروں میں مغفرت طلب کرتے تھے"۔ حق سبحانہ وتعالی نے اسے رمضان کی رات کے ساتھ خاص نہیں کیا، اور حق سبحانہ وتعالی نے جس وقت راتوں کو قیام کرنے والوں کی صفات بیان فرمائی: {تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ * فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا

كَانُوا يَعْمَلُونَ } "ان کے پہلو ان کی خوابگاہوں سے جدا رہتے ہیں اور اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور ہمارے عطا کردہ رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔ سو کسی کو معلوم نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے پوشیدہ رکھی گئی ہے، یہ ان کا بدلہ ہوگا جو وہ کیا کرتے تھے" تو اسے بھی صرف رمضان تک محدود نہیں کیا، بلکہ اسے تمام دنوں اور مہینوں میں ایک عام فضل وکرم قرار دیا۔

اس لئے مسلمان پر واجب ہے کہ وہ نیک اعمال جاری رکھے، اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری پر ثابت قدم رہے ہمیشہ خوفِ خدا کو پیش نظر رکھے، حق سبحانہ وتعالی نے ارشاد فرمایا: { فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ } "پس آپ ثابت قدم رہے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ بھی جس نے آپ کی معیت میں توبہ کی اور تم سرکشی نہ کرنا، بیشک تم جو کچھ کرتے ہو وہ اسے خوب دیکھ رہا ہے"۔
اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: { أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَى مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ } "کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، کہیں بھی تین

کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر یہ کہ وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ ہی پانچ کی سرگوشی ہوتی ہے مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم کی اور نہ زیادہ کی مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں بھی وہ ہوتے ہیں، پھر وہ قیامت کے دن انہیں ان کاموں سے خبردار کر دے گا جو وہ کرتے رہے تھے، بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔

سفیان بن عبداللہ ثقفی سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول، آپ مجھے اسلام کے بارے میں ایسی بات بتائیے کہ میں آپ کے بعد اس کے بارے میں کسی سے نہ پوچھو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم کہو: میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر تم اس پر ثابت قدم رہو"، اطاعت وفرمانبرداری پر استقامت اختیار کرنا اللہ کے مومن بندوں کی صفات میں سے ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: {إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ} "بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر انہوں نے استقامت اختیار کی تو ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگیں ہوں گے"۔ اور دوسری جگہ فرمایا: {إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ} "بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر انہوں نے استقامت اختیار کی تو ان پر فرشتے اترتے ہیں، (اور

کہتے ہیں) کہ تم خوف نہ کرو اور نہ غم کرو اور تم جنت کی خوشیاں مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا"۔

حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا: نیکی کی جزا اس کے بعد پھر نیکی کرنا ہے، اور برائی کی سزا اس کے بعد پھر برائی کرنا ہے، جب اللہ کریم کسی بندے کو قبول فرمالیتا ہے تو اسے اطاعت وفرمانبرداری کی توفیق عطا فرماتا ہے اور برائی سے دور کر دیتا ہے، جس شخص نے کوئی نیکی کی اور پھر اس کے بعد دوسری نیکی کی تو یہ پہلی نیکی کے قبول ہونے کی دلیل ہے، اور جس نے کوئی بھلائی کی اور پھر اس کے بعد کوئی برائی کی تو یہ اس کی نیکی کو رد کرنے اور اس کے قبول نہ ہونے کی علامت ہے، قبول شدہ نیکی کے بعد اسی جیسی نیکی ہوتی ہے اور یہ اس نیکی کے حسن اور اس کی برکت کا نتیجہ ہے اور برائی برائی کی طرف لے جاتی ہے۔

ہم یہ بات باور کراتے ہیں کہ نیک اعمال اور عبادات پر دوام اختیار کرنا اللہ تعالی کے ان فرامین پر عمل کرنا ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا: { وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ } "اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ آپ کو یقین حاصل ہو جائے"۔ اور دوسری جگہ فرمایا: { فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ * وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ } "پس جب آپ فارغ

ہوں تو عبادت میں محنت فرمایا کریں۔ اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جایا کریں"۔ یعنی جب آپ ایک عبادت اور نیکی مکمل کر لیں تو اللہ کی رضا کی خاطر دوسری عبادت اور نیکی کریں، اور یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، ام المومنین سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کیسا تھا، کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی دن خاص کیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: نہیں، آپ کا عمل دائمی اور مستقل ہوتا تھا، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی عمل کرتے تو اس پر ثابت قدم رہتے۔

برادرانِ اسلام:

اطاعت وفرمانبرداری پر ثابت قدم رہنا حسنِ خاتمہ کے اسباب میں سے ہے کیونکہ اچھا آغاز انسان کو درست نتائج تک لے جاتا ہے، اور بعض علماء نے اس چیز کو اللہ تعالی کے اس فرمان سے اچھی طرح سمجھا ہے، { يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ } "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہاری موت صرف اسی حال پر آئے کہ تم مسلمان ہو"۔ انہوں نے اِس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ اِس سے مراد یہ ہے کہ تم اپنے اسلام کی حفاظت کرو اور اپنے

نیک اعمال اور اللہ سے حقیقی ڈر پر ثابت قدم رہو تاکہ تم اِسی پر زندہ رہو اور اِسی پر تمہیں موت آئے اور اِسی پر تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے، اللہ کریم کی اپنی مخلوق میں یہ سنتِ جاریہ ہے کہ جو شخص کسی چیز پر زندہ رہتا ہے وہ اسے اِسی پر موت دے گا اور اِسی پر اسے دوبارہ زندہ کرے گا۔

حدیثِ پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "جس شخص کو اللہ کی راہ میں زخمی کیا جاتا ہے، اور اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کس کو اس کی راہ میں زخمی کیا جاتا ہے، وہ روزِ قیامت اس حال میں آئے گا کہ اس کا رنگ خون کا رنگ ہو گا اور اس کی خوشبو کستوری کی خوشبو ہو گی"، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا جسے احرام کی حالت میں اس کی اونٹنی نے گرا کر اس کی گردن توڑ دی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسے پانی اور بیری کے پتّوں کے ساتھ غسل دو اور اسے اس کے کپڑوں میں ہی دفن کر دو، اس کے سر پر کپڑا نہ دو اور نہ ہی اسے خوشبو تک لگاؤ، اللہ تعالی سے روزِ قیامت احرام کی حالت میں زندہ کرے گا"۔

اسی طرح حسنِ خاتمہ کے اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ بندہ اپنے رب کے ساتھ سچا ہو کیونکہ سچی نیتیں ہی مقاصد تک پہنچاتی ہیں، اِس پر اُس اعرابی کے واقعہ سے بڑھ کر اور

کیا دلیل ہوسکتی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا، آپ پر ایمان لایا اور آپ کے پیچھے چل پڑا اور پھر اس نے کہا: میں آپ کے ساتھ ہجرت کروں گا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ کو اس کے بارے میں حکم فرمایا، اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حصہ مقرر کیا اور صحابہ نے اسے وہ حصہ دیا تو اس نے کہا یہ کیا ہے ؟ انہوں نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے لئے حصہ مقرر کیا ہے، وہ اسے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور کہا: یہ کیا ہے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے یہ تیرے لئے مقرر کیا ہے، اس نے کہا: میں اس چیز کے لئے آپ کے پیچھے نہیں آیا تھا، بلکہ میں تو آپ کے پیچھے اس لئے آیا تھا کہ مجھے یہاں پر تیر مارا جائے—اس نے تیر کے ساتھ اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا—اور میں مر جاؤں اور جنت میں داخل ہو جاؤں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تو اللہ سے سچا بول رہا ہے تو وہ تجھے سچ کر دکھائے گا"، انہوں نے تھوڑا سا قیام کیا اور پھر دشمن سے لڑائی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، اور اسے اس حال میں اٹھا کر نبی کی بارگاہ میں لایا گیا کہ اسے اِسی جگہ تیر لگا ہوا تھا جہاں اس نے اشارہ کیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (کیا یہ وہی ہے ؟) صحابہ نے عرض کی: جی ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: "اس نے اللہ سے سچ بولا اور اللہ نے اسے سچ کر دیکھا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے جبے میں کفن دیا پھر اس پر نماز جنازہ پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر جو دعا پڑھی اُس میں سے یہ بھی تھا (اے اللہ یہ تیرا بندہ تیری راہ میں ہجرت کرتے ہوئے نکلا تھا اور شہید کر دیا گیا اور میں اس پر گواہ ہوں)۔

مبارک ہو اس شخص کو جسے اللہ تعالی نے اپنی اطاعت و فرمانبرداری اور اچھے عمل کی توفیق عطا فرمائی، اسے اچھا اخلاق عطا کیا، اور لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے، ان کی تکالیف کو دور کرنے اور اپنے معاشرے اور وطن میں خیر و بھلائی عام کرنے پر اس کی مدد فرمائی، اور یہ بات اگر کسی چیز پر دلالت کرتی ہے تو اللہ کے اس بندے سے راضی ہونے اور اس کے لئے اللہ کی توفیق پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ حسنِ خاتمہ اللہ کا اپنے بندے سے خیر کا ارادہ چاہنے میں شمار ہوتا ہے۔

خطبہء حجۃ الوداع سے حاصل شدہ دروس واسباق

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ مکرم کو پیغامِ ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ آپ لوگوں کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر نورِ ایمان اور گمراہی سے نکال کر راہِ ہدایت پر لے کر آئیں اور انہیں دنیا و آخرت میں سعادت اور نجات کی راہ پر گامزن کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلیٰ اخلاقی اقدار کی دعوت دی، اپنے رب کے پیغام کو احسن طریقے سے لوگوں تک پہنچایا، اور اپنی ساری زندگی اپنے قول و فعل اور تقریر کے ذریعے انسانی اقدار کو لوگوں کے قلوب واذہان میں پختہ کرتے رہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم کو ارکانِ اسلام میں سے پانچویں رکن کی ادائیگی کی اجازت دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ عرفات میں چٹانوں کے پاس کھڑے ہو کر اُس وقت کے سب سے بڑے انسانی مجمع میں اپنے صحابہ اور اپنی امت کے بعد میں آنے والے افراد کے لئے مناسکِ حج کو بیان کیا اور اِن اخلاقی اور انسانی اقدار پر زور دیا جن کی آپ ساری زندگی دعوت دیتے رہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے قریب ہونے اور زندگی کے ختم ہونے کو محسوس کر رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کا یہ خطبہ بہت سے اہم دروس اور بلیغ نصائح پر مشتمل ہے جو کہ ساری انسانیت کے لئے ایک ضابطہء حیات شمار ہوتا ہے۔

ہم ان میں سے چند دروس واسباق کا ذکر کرتے ہیں:

☆ تمام لوگوں کے درمیان قانونِ عدل ومساوات کو پختہ کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے لوگو! بیشک تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، جان لو، کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سرخ رنگ والے کو سیاہ رنگ والے پر اور کسی سیاہ رنگ والے کو سرخ رنگ والے پر کوئی فضیلت وبرتری حاصل نہیں ہے ہاں مگر تقوی کی بناپر، بیشک اللہ کی بارگاہ میں تم میں سے سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک عمل اور تقوی کو برتری کا معیار قرار دیا ہے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے: {يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ} "اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے"۔ بغیر کسی خاندانی تعصب اور

طبقاتی تفریق کے تمام انسان حقوق وواجبات میں برابر ہیں، اور یہی اس عدل کا تقاضہ ہے جو حق قائم کرنے اور تمام امتوں کے یکساں ہونے کا معیار ہے، ارشاد خداوندی ہے: {وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ} "اور جب تم کوئی بات کہو تو عدل کرو اگرچہ وہ تمہارا رشتہ دار ہی ہو"۔ {وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ}، "اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کیا کرو"۔ {وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ} "اور کسی قوم کی سختی دشمنی تمہیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو یہ پرہیزگاری کے زیادہ نزدیک ہے"۔

☆لوگوں کی جان، مال اور عزت کی حرمت، عبدالرحمن بن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور ایک آدمی نے اس کی لگام کو پکڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ کونسا دن ہے؟ ہم خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ یومِ نحر نہیں ہے؟ ہم نے عرض کی: ہاں، آپ نے فرمایا: یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ ذی الحجۃ کا مہینہ

نہیں ہے ؟ ہم نے عرض کی : ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری جانوں، تمہاری عزتوں اور تمہارے اموال کی تمہارے درمیان اسی طرح حرمت وتوقیر ہے جس طرح تمہارے اس شہر میں تمہارے اس مہینے کے اس دن کی حرمت وتوقیر ہے، حاضر شخص غیر حاضر شخص تک پہنچادے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ حاضر شخص کسی ایسے شخص تک اس پیغام کو پہنچادے جو اس پیغام کو اس سے زیادہ سمجھنے والا ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فصیح وبلیغ اسلوب پر مشتمل اپنے ان بلیغ کلمات کے ذریعے اپنے صحابہ کے قلوب واذہان کو متوجہ کیا جو جان، اموال اور عزت وناموس کی حرمت اور ہر طرح کی ظلم وزیادتی کے حرام ہونے پر دلالت کرتے ہیں، اسلام امن وامان اور سلامتی کی دعوت دیتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ لوگ آپس میں بغیر کسی تفریق وامتیاز کے ایک مستحکم اور پرامن زندگی گزاریں، خواہ جو بھی ان کی جنس، یا رنگ یا دین ہو کیونکہ شریعتِ مطہرہ نے ہر انسان کو زندگی کا حق اور ضمانت دی ہے، ارشاد خداوندی ہے: { وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ } "اور جس کا خون کرنا اللہ تعالی نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو، ہاں مگر حق کے ساتھ، ان کا تم کو تاکید حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو"۔ اور اللہ تعالی نے ایک جان کے ناحق قتل کو ساری انسانیت کا قتل

قرار دیا ہے، ارشاد خداوندی ہے: {مَن قَتَلَ نَفساً بِغَيرِ نَفسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الأَرضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحيَا النَّاسَ جَمِيعًا} "جس نے کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد کرنے والا ہو، قتل کر ڈالا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا"۔ جان کی حرمت کی تاکید کرتے ہوئے اور اس پر ظلم وزیادتی کو جرم قرار دیتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ کے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: "تم میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں اڑانے لگ جاؤ"۔

جس طرح اسلام نے جانوں پر ظلم وزیادتی کو حرام قرار دیا ہے اسی طرح کسی بھی صورت میں اموال پر زیادتی کو حرام قرار دیا ہے، ارشاد خداوندی ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ} "اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ، مگر یہ کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے تجارت ہو"۔ اور دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: {وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ} "اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو، نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا

کچھ مال ظلم وستم سے اپنا کر لیا کرو، حالانکہ تم جانتے ہو"۔اور عمومی طور پر اموال کی حفاظت کے لئے شریعتِ اسلامی نے چوری کو حرام قرار دیا ہے اور اس کے لئے کڑی سزا مقرر کی ہے، ارشاد خداوندی ہے: {وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ} "چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو۔ یہ بدلہ ہے اس کا جو انہوں نے کیا، عذاب اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالی قوت وحکمت والا ہے"۔اور اسی طرح شریعتِ اسلامی نے کسی بھی طریقے سے زمین پر قبضہ کرنے کو حرام قرار دیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے ظلم سے ایک پالشت کی مقدار زمین پر قبضہ کیا تو اللہ تعالی روزِ قیامت اسے سات زمینوں تک اتنی مقدار کا طوق پہنائے گا"۔

اسی طرح اسلام نے کسی بھی طریقے سے عزت وناموس پر حملہ کرنے اور زیادتی کرنے کو حرام قرار دیا ہے اور اس میں مسلمان اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں ہے، اللہ تعالی نے زنا کو حرام قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: {وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا} "اور تم زنا کے قریب بھی مت جانا بیشک یہ بے حیائی کا کام ہے اور بہت ہی بری راہ ہے"۔اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے کو

حرام قرار دیا اور اسے گناہِ کبیرہ میں شمار کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہلاک کرنے والی سات چیزوں سے بچو"، عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول، وہ کون کون سی چیز ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر فرمایا اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ "پاک دامن سیدھی سادی مومن عورتوں پر تہمت لگانا"، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر سب وشتم کرنے سے منع فرمایا ہے، آپ نے فرمایا: "مسلمان کا گالی دینا فسق اور اس کو قتل کرنا کفر ہے"۔

☆ اتحاد و یکجہتی کی دعوت دینا اور فرقہ واریت سے متنبہ کرنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: "بیشک شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ آخری زمانے میں تمہارے اس شہر میں اس کی عبادت کی جائے اور وہ تم سے صادر ہونے والے گناہِ صغیرہ پر راضی ہو گیا ہے پس تم اپنے دین کے معاملے میں اس سے محتاط رہو"، ہمیں اللہ تعالی کے ان فرامین پر عمل کرتے ہوئے متحد ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام ہو گا: اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: {وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعًا وَلاَ تَفَرَّقُواْ} "اور تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت ڈالو"۔ {وَأَطِيعُواْ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَلاَ تَنَازَعُواْ فَتَفْشَلُواْ وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ} "اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری

کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی"۔ ہمیں یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ فرقہ واری اور گروہ بازی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: {إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ} "بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں"۔

☆ کتاب اللہ اور رسول اللہ کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھنا واجب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میں نے تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑ دی ہے کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے تھام لوگے تو تم کبھی گمراہ نہیں ہونگے، کتاب اللہ اور تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا"، قرآن کریم ایک دائمی معجزہ ہے اس میں کہیں سے بھی باطل نہیں آسکتا، اور نہ ہی مرورِ زمانہ کے ساتھ اس میں کوئی تغیر و تبدل واقع ہوتا ہے، اللہ کریم نے اس کے ذریعے اور اپنے نبی کی سنت کے ذریعے خواہشات اور اختلافات کو ختم کر دیا ہے، اللہ کریم نے ارشاد فرمایا: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا} "اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو

اللہ تعالی کی اور فرمانبرداری کرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالی کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالی اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے"۔ کتاب اللہ اور سنتِ رسول کو مضبوطی سے تھامنا ایمان کی علامت اور تقوی کی دلیل ہے، ارشاد خداوندی ہے: { فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا } "سو قسم ہے تیرے پروردگار کی ! یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں"۔

برادرانِ اسلام:

بیشک خطبہء حجۃ الوداع انسانی حقوق کی حفاظت کا پہلا عالمی اعلان اور چارٹر ہے جو ایسی انسانی اقدار پر مشتمل ہے جو انسان کے لئے اس کی عزت کی حفاظت کرتی ہیں اور اس کی امن و سلامتی کا باعث بنتی ہے۔ خطبہء حجۃ الوداع سے حاصل ہونے والے اسباق میں سے ایک سبق شریعتِ اسلامی میں عورت کے مقام و مرتبے کا بیان ہے، نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم نے عورت کے مقام ومرتبہ کو بیان کرتے ہوئے اس کے بارے میں وصیت فرمائی، عورتیں مردوں کی مثل ہیں، دونوں پر ایک دوسرے کے حقوق ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیشک تمہیں عورتوں پر تمہارا حق ہے اور تم پر ان کا حق ہے"۔

اسلام نے عورت کو ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے عزت وتکریم سے نوازا ہے اور اس کے ایسے حقوق مقرر کیئے ہیں جو دونوں جہانوں میں اس کی سعادت کے ضامن ہیں، اور اس کی عزت وناموس کی حفاظت کرتے ہیں، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ: میری حسنِ صحبت کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے تو آپ نے فرمایا: " تیری ماں"، عرض کی: اس کے بعد کون؟، آپ نے فرمایا: " تیری ماں"، عرض کی: اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا: " تیری ماں"، عرض کی: اس کے بعد کون؟، تو آپ نے فرمایا: " تیرا باپ"، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس شخص کے ہاں تین بیٹیاں ہوئیں، اس نے ان کے معاملات میں صبر کیا، اور اپنی محنت سے ان کو کھلایا پلایا، اور کپڑا پہنایا، تو روزِ قیامت وہ اس کے لئے جہنم کی آگ سے رکاوٹ بن جائیں گی"، اور روایت میں ہے کہ " جس نے دو یا تین بیٹیوں یا دو یا تین بہنوں کی

کفالت کی یہاں تک کہ ان کی شادی ہو جائے یا وہ شخص وفات پا جائے تو میں اور وہ شخص اِن دو انگلیوں کی طرح ہونگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انگلیوں سے شہادت اور درمیان والی انگلی کی طرف اشارہ کیا"، ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرو"، حدیثِ پاک میں مذکور لفظ "خیر: حسن سلوک "ایک جامع مانع لفظ ہے جو مردوں کا عورتوں سے روزمرہ کے معاملات کرتے وقت مردانگی کی اعلی صفات سے متصف ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

آج ہم سب کو کتنی اشد ضرورت ہے کہ ہم ان اعلی اقدار سے متصف ہوں جو ساری انسانیت کے لئے بھلائی کا باعث ہیں اور حقیقت میں انہیں تاریخِ انسانیت میں سبقت حاصل ہے کیونکہ ان اقدار نے انسانی حقوق کے اصول و قواعد کو پختہ کیا اور ان بنیادی انسانی اور اخلاقی اقدار اور اصول وضوابط کا چارٹر پیش کیا کہ اگر لوگ اِن میں غور و فکر کریں، انہیں سمجھے اور اِن پر عمل کریں تو وہ ضرور دنیا و آخرت میں ان کی سعادت مندی کا باعث بنیں گے۔

حج کے بعد انسان کے معمولات کیا ہونے چاہیے؟

جو شخص مخلوقِ خدا کے لئے سنتِ الٰہی میں غور وفکر کرتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ یہ دن، مہینے، اور سال کتنی جلدی سے گزر رہے ہیں، دن گزر رہے ہیں، سال پلٹ پلٹ کر آرہے ہیں، یہ دنیوی زندگی گنتی کی چند سانسوں اور گھڑیوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں، اور غور وفکر کرنے اور نصیحت حاصل کرنے والے شخص کے لئے اس میں عبرتیں ہیں، ارشاد خداوندی ہے: {وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَن يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا} "اور اسی نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا اس شخص کی نصیحت کے لئے جو نصیحت حاصل کرنے یا شکر گزاری کرنے کا ارادہ رکھتا ہو"۔

اور جب اللہ تعالیٰ حج مقبول سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے، اور حاجی اس دن کی طرف واپس پلٹتا ہے جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے حج کیا اور اس دوران نہ تو اپنی بیوی سے میلاپ کیا اور نہ ہی کوئی گناہ کیا تو وہ اس دن کی طرح واپس لوٹے گا جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا"، تو ایک عقل مند کو چاہیے کہ وہ اس فضلِ خداوندی کو غنیمت جانے، اور ہر قسم کے

گناہوں سے باز آجائے اور صاف دل اور انتہائی اخلاص کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں متوجہ ہو جائے۔

اور جب اللہ کریم کسی حاجی کو اس عظیم عبادت کی توفیق عطا فرمائے تو اسے اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو محسوس کرنا چاہیے اور اسے جاننا چاہیے کہ یہ نعمت نیک اعمال پر دوامِ اختیار کرنے کے ذریعے اللہ رب العزت کے شکر کو واجب کرتی ہے، نیک اعمال کا کوئی متعین وقت یا جگہ نہیں ہے بلکہ یہ انسان کی زندگی کے دوام اور اس میں تکلیف شرعی کی شرائط پانے جانے کے ساتھ ہمیشہ جاری وساری ہیں، اور یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، نیک اعمال اور عبادات کی پابندی کرنا در حقیقت اللہ تعالی کے ان فرامین کی بجاآوری ہے : {وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ} "اور تو اپنے رب کی عبادت کر حتی کہ تجھے یقین نصیب ہو جائے"۔ {فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ * وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ} "پس جب تو فارغ ہو تو عبادت میں محنت کر۔ اور اپنے پروردگار ہی کی طرف دل لگا"۔

اور جب تو ایک عبادت اور نیکی مکمل کرلے تو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دوسری عبادت اور نیکی میں مصروف ہو جا۔

نیک عمل کی پابندی کرنااللہ کی بارگاہ میں سب سے پسندیدہ عمل اور حسنِ خاتمہ کی دلیل ہے، سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہے کہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کون سا عمل اللہ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ ہے ؟آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "جس پر زیادہ دوام اختیار کیا جائے، چاہے وہ تھوڑا ہی ہو"، مبارک ہو اس شخص کو جسے اللہ تعالی نے اپنی بندگی کی توفیق عطا فرمائی اور اس نے اچھی طرح سے بندگی کی،لوگوں سے حسنِ اخلاق سے پیش آیا،ان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کوشش کی،ان کی مشکلات کو دور کیااور اپنے معاشرے اور وطن میں نیکی کو پھیلایا۔

جب اللہ تعالی بندہ مومن کو فریضہ حج کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے تو اس کے بعد بندگی اور فرمانبرداری کا سلسلہ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ بندہ مومن کے پاس بہت سے دوسرے نیک اعمال ہوتے ہیں جن کے ذریعے بندہ مومن اللہ تعالی کا قرب حاصل کرتا ہے، جیسا کہ نفلی نماز، نفلی روزہ، نفلی عبادات،لوگوں اور ملک کی مصلحت کے لئے کوشش کرنا، یتیموں کی کفالت کرنا، مریضوں کی عیادت کرنا، یہ اعمال اللہ کی بارگاہ میں انسان کی قدر ومنزلت کو بلند کرتے ہیں۔

ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی حدیث قدسی میں فرماتا ہے: "میرے بندے نے کسی ایسی عبادت سے میرا قرب حاصل نہیں کیا جو مجھے ان عبادات سے زیادہ پسندیدہ ہو جو میں نے اس پر فرض کیں، اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے مسلسل میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، پس جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے وہ کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور میں اس کی وہ آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور میں اس کے وہ ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے، اور میں اس کے وہ پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں ضرور اس کو پناہ عطا کرتا ہوں"۔

اسی طرح حاجی کو چاہیے کہ اس کے حج کا اثر معاملات میں رواداری اور حسنِ اخلاق کی صورت میں ظاہر ہو، اور یہ حج کے قبول ہونے کی علامت ہے، پس وہ لوگوں سے حسنِ اخلاق سے پیش آئے، ان سے اچھی طرح معاملات کرے اور حج سے قبل ہونے والی کمی و کوتاہی کا تدارک کرے، اور یہ اثر اپنے اہلِ خانہ یعنی والدین، اولاد، اور بیوی، اور تمام لوگوں کے ساتھ معاملات، صلہ رحمی اور ہر قسم کی بھلائی کرتے ہوئے اس کے

کردار میں ظاہر ہونا چاہیے، ارشاد خداوندی ہے : { لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ } . "ساری اچھائی مشرق ومغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالی پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب اللہ پر، اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو، جو مال سے محبت کرنے کے باوجود قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، اور سوال کرنے والوں کو دے، غلاموں کو آزاد کرے، نماز کی پابندی اور زکوۃ کی ادائیگی کرے، جب وعدہ کرے تب اسے پورا کرے، تنگدستی، دکھ درد اور لڑائی کے وقت صبر کرے، یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں"۔

حج کا حاجی کی طرزِ زندگی میں اخلاقی اثر چھوڑنا ضروری ہے، حج کوئی کھوکھلی رسم نہیں ہے جو بغیر کسی ہدف ومقصد کے ادا کی جاتی ہے بلکہ یہ ایک عبادت ہے جو اس لئے مشروع کی گئی ہے تاکہ یہ انسان اور اس کے اخلاق کو بلند کرے، ارشاد خداوندی ہے :

{الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ} "حج کے مہینے مقرر ہیں اس لئے جو شخص ان میں حج لازم کرلے وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے، گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑا کرنے سے بچتا رہے، تم جو نیکی کروگے اس سے اللہ تعالی باخبر ہے اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو، سب سے بہتر توشہ اللہ تعالی کا ڈر ہے اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو"۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اس گھر میں آیا اور اس نے نہ تو اپنی بیوی سے میلاپ کیا اور نہ ہی کوئی گناہ کیا تو وہ اس دن کی طرح واپس لوٹے گا جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا"۔

حسن بصری رحمہ اللہ سے کہا گیا: کیا حج مقبول کی جزا جنت ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کی علامت یہ ہے کہ حاجی اس حالت میں واپس لوٹے کہ وہ دنیا میں بے رغبتی رکھنے والا اور آخرت میں دلچسپی رکھنے والا ہو، ان سے کہا گیا: کیا حج کی جزا مغفرت ہے؟ انہوں نے فرمایا: اس کی علامت یہ ہے کہ وہ سابقہ برے کام چھوڑ دے۔

جب انسان کے اخلاق اور اس کی طرزِ زندگی کو شائستہ بنانے میں عبادت کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو تو اس عبادت کا نہ تو دنیا میں کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی آخرت میں اس کا کوئی پھل ملے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟" صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول، ہم میں سے مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ تو کوئی درہم ہو اور نہ ہی کوئی ساز وسامان، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "میری امت میں سے مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن اپنی نماز، روزے اور زکوۃ وصدقات کے ساتھ آئے گا، اور وہ اس حال میں آئے گا کہ اس نے فلان کو گالی دی ہو گی، فلان پر تہمت لگائی ہو گی، فلان کا مال کھایا ہو گا، فلان کا خون بہایا ہو گا، اور فلان کو مارا ہو گا، پس وہ بیٹھ جائے گا اور فلان فلان اس کی نیکیوں سے بدلہ لے گا اور اگر اس کے ذمہ گناہوں کا بدلہ لینے سے قبل اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان لوگوں کے گناہوں کو لے کر اس پر ڈال دیا جائے گا اور پھر اسے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا"۔

اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ: اے اللہ کے رسول، فلان عورت نماز، روزوں، اور صدقات کی کثرت کی وجہ سے مشہور ہے مگر وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے تکلیف پہنچاتی ہے تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "وہ

دوزخ میں ہے"، عرض کیا: اے اللہ کے رسول، فلان عورت نماز، روزہ، اور صدقہ کی قلت کی وجہ سے معروف ہے مگر وہ پنیر کا صدقہ کرتی ہے اور اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے کوئی تکلیف نہیں پہنچاتی، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "وہ جنت میں ہے"۔

آدمی کا جن کاموں کا طلب گار رہنا ضروری ہے ان میں ایک کام حسن خاتمہ ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی بندے کو موت سے پہلے ان تمام گناہوں سے دور ہونے کی توفیق عطا فرمادے جو اللہ کی ناراضی کا سبب بنتے ہیں اور اللہ تعالی اس کے لئے گناہوں اور خطاؤں سے توبہ کرنے اور نیک اعمال کرنے کی راہیں آسان کردے اور پھر اس کی موت اسی اچھی حالت پر واقع ہو جائے۔

جب انسان دنیا میں اپنے کام کا پابند ہے تو نیک کام کی توفیق ملنا اور موت تک اس پر پابند رہنا حسنِ خاتمہ کی علامت ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ: "اعمال کا دارومدار ان کے خاتمے پر ہے"، اس لئے ہر انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنے خاتمہ بالایمان کے لئے کوشش کرے اور نیک اعمال کے ساتھ اپنے رب سے ملاقات کی تیاری کرے، اور اسی طرح قرآن کریم نے بھی اس جانب ہماری توجہ دلائی ہے،

ارشاد خداوندی ہے: {فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا} "تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے"۔

پس جو شخص اللہ سے ڈرے، اس کے اوامر کی اتباع کرے اور نواہی سے اجتناب کرے تو اللہ تعالی اسے نیک عمل کی توفیق عطا فرماتا ہے اور پھر اسی حالت میں اس کی روح قبض کرتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: "اللہ تعالی جب کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے اس میں مصروف کر دیتا ہے"، عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول، اللہ تعالی اسے کیسے مصروف کرتا ہے؟، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "اللہ تعالی اس کے لئے موت سے پہلے نیک عمل کی راہیں ہموار کر دیتا ہے اور پھر اسی حالت میں اس کی روح قبض کرتا ہے"، اعمال میں اعتبار خاتمے کا ہیں، اللہ تعالی جسے عبادت و بندگی کی توفیق عطا فرمائے اور وہ نیکی کے کام پر دوام اختیار کرے تو اس کا خاتمہ بالایمان ہو گا اور وہ جنت کے حقدار ٹھہرنے والے خوش نصیبوں میں سے ہو گا، ارشاد خداوندی ہے: {وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ} "لیکن جو نیک بخت کئے گئے وہ جنت میں

ہوں گے جہاں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان وزمین باقی رہے مگر جو تیرا پروردگار چاہے، یہ بے انتہا بخشش ہے"۔

اور حج سے حاصل شدہ دروس واسباق میں سے ایک سبق اسباب اختیار کرتے ہوئے معاملہ کو مطلق اللہ کے سپرد کر دینا، اور انسان کا اس بات پر ایمان رکھنا ہے کہ سارا اختیار اللہ ہی کے لئے ہے، اور جو کام اللہ نے تقدیر میں لکھ دیا ہے وہ ہر حال میں ہو کر رہے گا، ارشاد خداوندی ہے: {وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا} "اور (دیکھو) کسی مومن مرد اور عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، (یاد رکھو) اللہ تعالی اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا"۔

{مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ} "اللہ تعالی جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے سو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں اور وہی غالب حکمت والا ہے"۔ {وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ

فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ} "اور اگر تجھ کو اللہ تعالی کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا دور کرنے والا سوا اللہ تعالی کے اور کوئی نہیں۔ اور اگر تجھ کو اللہ تعالی کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ اور وہی اللہ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے برتر ہے اور وہی بڑی حکمت والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے"۔

اپنا معاملہ مطلق اللہ کے سپرد کرنا در حقیقت ایمان کی علامات اور اسلامی کے قطعی حقائق میں شمار ہوتا ہے، اس مقصد کے پورا ہونے کے لئے انسان کا اللہ تعالی کے بارے میں حسنِ ظن رکھنا ضروری ہے، جب وہ اللہ کی تقدیر پر راضی ہو جائے گا، اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دے گا تو اللہ کی خوشنودی سے لطف اندوز ہو گا اور سکون واطمینان محسوس کرے گا۔

برادرانِ اسلام:

حاجی اس حال میں حج سے واپس لوٹتا ہے کہ اس کے گناہ کو بخش دیا جاتا ہے، اس کی محنت و کوشش کو قبول کر لیا جاتا ہے اور اس کے عمل کا اجر دیا جاتا ہے پس اسے اپنے بارے میں لوگوں کی تعریف وستائش کے فریب میں آنے سے بہت محتاط رہنا چاہیے، حج کوئی

لقب نہیں جسے آدمی حاصل کرتا ہے اور نہ ہی یہ لوگوں کے درمیان غرور اور فخر کرنے کا سبب ہے بلکہ حاجی کے لئے ضروری ہے کہ وہ حج سے واپسی کے بعد متواضع اور خوفِ خدا رکھنے والا ہو، حج ایک جلیل القدر فریضہ ہے اور اس کا اجر و ثواب بہت بڑا ہے، جو شخص اسے ادا کرے اور اس کی مشقت کو برداشت کرے وہ اپنے دل میں اس کی لذت کو محسوس کرتا ہے اور اس کا اثر اس کی زندگی میں ظاہر ہوتا ہے وہ اللہ اور اس کے بندوں کے سامنے عاجزی وانکساری کے ساتھ پیش آتا ہے، نہ تو اس کے دل میں تکبر داخل ہوتا ہے اور نہ ہی غرور اور خود پسندی اس کے بندگی اور فرمانبرداری پر غالب آتی ہے، مومن اخلاص اور صدقِ نیت کے ساتھ جو عبادت بھی ادا کرتا ہے وہ عبادت اسے دوسری عظیم عبادت کی طرف لے جاتی ہے، بندہ مومن مسلسل ایک عبادت سے دوسری عبادت تک اور ایک نیکی سے دوسری نیکی تک ترقی کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ درجہ احسان تک رسائی حاصل کر لیتا ہے اور یہ عبادت وفرمانبرداری کی قبولیت کی علامت ہے۔

اللہ رب العزت نے ذکر کیا ہے کہ جو اہلِ ایمان بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں وہ عمل کی قبولیت وعدم قبولیت اور حصولِ ثواب میں خوف ورجا کے مقام پر فائز

ہوتے ہیں، ارشاد خداوندی ہے: {إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ * وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ * وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ * وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَى رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ * أُولَئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ} "یقیناً جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔ اور جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں ۔اور جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل کپکپاتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو جلدی جلدی بھلائیاں حاصل کر رہے ہیں اور یہی ہیں جو ان کی طرف دوڑ جانے والے ہیں"۔

ابن کثیر رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ: یعنی جو لوگ اپنے احسان، اپنے ایمان، اور اپنے نیک عمل کے باوجود اللہ تعالی سے ڈرنے والے، اس سے خوف کھانے والے اور اپنی حالت کے بدلنے سے کپکپانے والے ہیں۔ سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول، اللہ کا فرمان ہے: {وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَى رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ} "اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل کپکپاتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں" کیا اس سے مراد وہ شخص ہے

جو چوری کرتا ہے، اور زنا کرتا ہے، اور شراب پیتا ہے، اور وہ اللہ سے بھی ڈرتا ہے؟ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "اے ابو بکر کی بیٹی، اے صدیق کی بیٹی، نہیں، لیکن یہ وہ شخص ہے جو نماز پڑھتا ہے، اور روزہ رکھتا ہے اور صدقہ کرتا ہے اور پھر بھی وہ اللہ سے ڈرتا رہتا ہے"؟۔

بندہ مومن عبادات اور نوافل کی کثرت کو اتنی اہمیت نہیں دیتا جتنی اہمیت وہ نیک عمل کے قبول اور عدمِ قبول اور اپنی زندگی پر ان عبادات کے ثمرات کو دیتا ہے، اللہ تعالی نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ وہ اطاعت وفرمانبرداری میں محنت وکوشش کیا کریں، وہ نہ تو کسی عمل کو چھوٹا سمجھتے ہوئے ترک کریں اور نہ ہی کسی عمل کو بڑا سمجھتے ہوئے اس پر تکبر اور غرور کریں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خود پسندی اور غرور نیک اعمال کو تباہ وبرباد کر دیتا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہلاک کر دینے والی چیزیں تین ہیں: انسان کا غرور وتکبر کرنا، بخل جس کی پیروی کی جائے، خواہشِ نفس جس کی اتباع کی جائے"۔

ماضی وحال کے تناظر میں ہجرت کا مفہوم

جب مکہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ظلم و ستم کی انتہا ہو گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے پانچویں سال انہیں حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا: "حبشہ کی سرزمین پر ایک بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا، پس تم اس کے ملک میں چلے جاؤ یہاں تک کہ اللہ کریم تمہارے لئے آسانی پیدا کر دے اور موجودہ صورتحال سے تمہارے لئے کوئی راہ نکال دے، تب بعض صحابہ ہجرت کر کے حبشہ کی سرزمین پر پہنچے، اور وہاں انہوں نے بہترین گھر اور بہترین پناہ میں قیام کیا، اپنے دین کے معاملہ میں انہیں مکمل امن نصیب ہوا اور انہوں نے بغیر کسی خوف کے اپنے رب کی عبادت کی یہاں تک کہ انہیں خبر پہنچی کہ اہلِ مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے تو انہوں نے واپس لوٹنے کا فیصلہ کیا اور ان میں اکثر واپس چلے آئے لیکن جب وہ افواہیں جھوٹی نکلیں اور انہوں ایک مرتبہ پھر ظلم و ستم کا سامنا کرنا پڑا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دوسری مرتبہ حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کی اجازت دے دی اور اس دفعہ ہجرت کرنے والوں کے سرپرست سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے"۔

جب قریش مکہ کو علم ہوا کہ صحابہ اس عادل بادشاہ کی پناہ میں امن وامان اور عزت کے ساتھ رہ رہے ہیں تو انہوں نے انہیں پھر واپس لانے کا فیصلہ کیا اور اپنے قاصد نجاشی کے پاس بھیجے جنہوں نے نجاشی کے پاس جا کر اس سے مطالبہ کیا کہ وہ ان لوگوں کو ان کے حوالے کر دے تو نجاشی نے کہا: اللہ کی قسم ایسا نہیں ہوگا یوں میں ان لوگوں کو ان کے حوالے نہیں کروں گا جنہوں نے میرے ملک میں پناہ لی ہے، دوسرے بادشاہوں کو چھوڑ کر میری پناہ کو پسند کیا ہے جب تک میں ان کو بلا کر ان کی بات نہ سنو۔ جب مسلمان نجاشی کے دربار میں پہنچے تو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قریش کے جھوٹ اور بہتان کا رد کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور کہا: اے بادشاہ: ہم لوگ بتوں کی پوجا کیا کرتے۔ مردار کھایا کرتے اور بدکاریاں کیا کرتے، رشتہ داروں کے ساتھ قطع تعلقی کرتے، پڑوسیوں کے ساتھ برا سلوک کرتے، ہم میں سے طاقتور، غریب کو کھا جاتا کرتا، ہمارا یہ حال تھا کہ اللہ تعالی نے ہماری طرف ہم میں سے ایک ایسا رسول بھیجا جس کے نسب کو بھی ہم جانتے ہیں، جس کی صداقت، امانت اور عفت سے بھی ہم اچھی طرح آگاہ ہیں اس نے ہمیں اللہ تعالی پر ایمان لانے کی دعوت دی کہ ہم اس کو وحدہ لاشریک مانیں، اور اسی کی عبادت کریں اور وہ بت اور پتھر جن کی پوجا ہم اور ہمارے

آباء واجداد کیا کرتے تھے ان کی بندگی کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکیں۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سچ بولیں۔ امانت میں خیانت نہ کریں، صلہ رحمی کریں، ہمسایوں کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آئیں، برے کاموں اور خون ریزیوں سے باز رہیں، اس نے ہمیں فسق وفجور، جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال کھانے، اور پاک دامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع کیا، اور ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف اللہ تعالی کی عبادت کریں، کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ بنائیں اور نیز اس نے ہمیں نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے اسلام کی تعلیمات کو گن گن کر بیان کیا پھر کہا: چنانچہ ہم نے اس رسولِ مکرم کی تصدیق کی، ہم اس پر ایمان لے آئے اور اللہ تعالی کے جو احکامات وہ لے کر ہمارے پاس آئے تھے ہم نے ان کی پیروی کی، ہم نے صرف اللہ وحدہ کی عبادت کی، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنایا، جن چیزوں کو اس نے ہمارے لئے حرام کیا ہم نے انہیں حرام سمجھا، جن کو اس نے حلال کیا ان کو ہم نے حلال سمجھا، جس کی وجہ سے ہماری قوم نے ہم پر زیادتیاں کیں، ہمیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں اور ہمیں اپنے دین سے رو گردانی کرنے کے لئے فتنوں میں مبتلا کیا تاکہ وہ ہمیں اللہ کی عبادت چھوڑ کر بتوں کی پوجا کی طرف واپس لوٹا دیں اور

جن ناپاک چیزوں کو ہم پہلے حلال سمجھتے تھے ان کو پھر حلال سمجھنے لگیں، جب انہوں نے ہم پر جبر و قہر اور ظلم و ستم کی انتہا کر دی اور ہم پر جینا حرام کر دیا اور ہمارے درمیان اور ہمارے دین کے درمیان رکاوٹ بن گئے تو ہم اپنا ملک چھوڑ کر آپ کے ملک میں آ گئے، دوسرے بادشاہوں کو چھوڑ کر ہم نے آپ کو پسند کیا اور آپ کی پناہ کو ترجیح دی، اے بادشاہ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

نجاشی نے کہا: کہ جو کتاب اللہ کی طرف سے آپ کے نبی پر نازل ہوئی ہے کیا اس کا کچھ حصہ تمہیں یاد ہے حضرت جعفر نے کہا ہاں مجھے یاد ہے نجاشی نے کہا مجھے پڑھ کر سناؤ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورتِ مریم کی ابتدائی آیتوں کی تلاوت شروع کی، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نجاشی اس قدر رویا کہ اس کی داڑھی بھیگ گئی اور اس تلاوت کو سن کر عیسائی علما بھی روئے اور پھر نجاشی نے کہا: بخدا یہ کلام اور وہ کلام جو عیسی علیہ السلام لے کر آئے تھے یہ ایک ہی شمع کی شعاعیں ہیں، پھر نجاشی نے ان دونوں قاصدوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: آپ یہاں سے چلے جائیں، میں ان لوگوں کو کبھی آپ کے حوالے نہیں کروں گا۔

جو شخص بصیرت کی نگاہ سے حبشہ کی طرف دونوں ہجرتوں میں غور وفکر کرتا ہے وہ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ پہلے مسلمانوں کی ہجرت دیارِ کفر سے دیارِ اسلام کی طرف ہجرت نہیں تھی، کیونکہ اصول یہ ہے کہ ملک کا دفاع کیا جائے اور اسے کسی ظالم وسرکش کے ذمہ کرم پر نہ چھوڑ دیا جائے بلکہ وہ دارِ خوف سے دارِ امن کی طرف ہجرت تھی، کیونکہ اس وقت تک نجاشی نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، لیکن وہ ایک عادل حاکم تھا جس کی پناہ میں لوگ اپنے دین، جان، اور مال کو محفوظ پاتے ہیں، اس لئے کہا گیا ہے کہ: اللہ عدل کرنے والے ملک کی مدد کرتا ہے چاہے وہ کافر ملک ہی ہو، اور ظلم کرنے والے ملک کو بے یار ومددگار چھوڑ دیا جاتا ہے چاہے مسلمان ملک ہی کیوں نہ ہو۔ کفر کے ساتھ تو ملک قائم رہ سکتا ہے مگر ظلم کے ساتھ ملک قائم نہیں رہ سکتا، ظلم کرنے والے ملک کو دوام نصیب نہیں ہو سکتا چاہے اس کا حکمران مسلمان ہی کیوں نہ ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عادل حاکم کو بلند مقام ومرتبہ عطا فرمایا ہے وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں سرِ فہرست ہو گا جن کو اللہ کریم اس دن اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائے گا جس دن اس کے سایہ رحمت کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا۔ حاکم کے عدل سے سارا معاشرہ سدھر جاتا ہے اور اس کے ظلم سے سارا معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔

جب اللہ تعالی نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام اللہ تعالی کی نصرت وتایید کے ساتھ ہجرت کے لئے نکلے کیونکہ وہ ہجرت ریاست کی بنیاد رکھنے، بھائی چارے، مل جل کر پُرامن طریقے سے رہنے اور اتحاد واتفاق کی فضا قائم کرنے کے لئے ایک مثبت تبدیلی تھی تاکہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام سارے جہانوں کے لئے اپنے رب کے پیغام کو لوگوں تک پہنچا سکیں۔

ہجرت کے آٹھویں سال اللہ تعالی کی توفیق سے مکہ فتح ہوتا ہے، لوگ گروہ در گروہ دین میں داخل ہونے لگتے ہیں اور ہجرت کا لفظ اپنے محدود معنی سے نکل کر ایک وسیع معنی کی شکل اختیار کر جاتا ہے جس کی کوئی حد نہیں ہے اور وہ زندگی کے تمام پہلوؤں کو شامل ہوتا ہے، فتح مکہ کے بعد ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کرنا ختم ہو جاتا ہے کیونکہ دوسری جگہ نقل مکانی کرنا کمزوری کے وقت مطلوب تھا، ارشاد خداوندی ہے:
{إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا} "جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو

پوچھتے ہیں، تم کس حال میں تھے؟ یہ جوات دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور اور مغلوب تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ تعالی کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ پہنچنے کی بری جگہ ہے"۔

فتح مکہ کے بعد ہجرت کا حکم تبدیل ہو گیا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمایا: "فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں ہے، لیکن جہاد اور نیت (باقی) ہے"۔

جب صفوان بن امیہ نے اسلام قبول کیا تو وہ مکہ کے بلائی حصہ میں رہتے تھے انہیں کہا گیا کہ: اس شخص کا دین نہیں ہے جس نے ہجرت نہ کی ہو، انہوں نے کہا میں اپنے گھر نہیں جاؤں گا جب تک میں مدینہ نہ پہنچ جاؤ، پس وہ مدینہ منورہ آئے اور سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ کے ہاں قیام کیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "اے اباوھب کس کام کے لئے آئے ہو؟" انہوں نے عرض کی کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ: اس شخص کا دین نہیں ہے جس نے ہجرت نہ کی ہو، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: اے اباوھب مکہ کی کشادہ وادیوں کی طرف واپس لوٹ جاؤ اور اپنے دین اسلام پر قائم رہو، ہجرت ختم ہو گئی ہے لیکن جہاد اور نیت (باقی) ہے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پکا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کردہ چیزوں کو ترک کردے"۔

جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف مکانی ہجرت کا سلسلہ فتح مکہ کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تو ہجرت کے تمام اعلی معانی باقی ہیں اور ان سے متصف ہونا ہم سب پر واجب ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصول بیان کر دیا کہ حقیقی ہجرت ہمیشہ بہتر اور افضل چیز کی طرف مثبت تبدیلی ہے جیسا کہ بے روزگاری اور سستی و کاہلی سے نکل کر محنت و کوشش کرنا اور کام کو سنجیدگی سے سرانجام دینا، ذاتی ترجیح، انانیت، جاہلانہ عصبیت کو ترک کر کے ایثار و قربانی، سچے انسانی بھائی چارے فروغ دینا، عقیدہ اختیار کرنے میں انسان کے حق، اور اس کی آزادی پر ایمان رکھنا، پڑوس سے اچھے تعلقات رکھنا، افراد کی ایمانی، علمی، فکری، اخلاقی اور معاشرتی لحاظ سے افراد تیار کرنے کے لئے کوشش کرنا، جو ملکوں اور تہذیبوں کی تعمیر و ترقی کا باعث بنیں، ساری انسانیت کی بھلائی کا سبب بنیں اور ایک انسان کی طرح انسان کی عزت و آبرو کی حفاظت کریں۔

حقیقی ہجرت کا صحیح مفہوم اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ جو ہجرت مرورِ زمانہ کے ساتھ ختم نہیں ہو گی اس سے مراد جہالت کو ترک کر کے علم کا راستہ اختیار کرنا، گمراہی کو

چھوڑ کر ہدایت کی راہ پر آنا، برے اخلاق کو ترک کر کے اچھے اخلاق کو اپنانااور فساد کو ترک کر اپنی اور دوسری کی اصلاح کے راستے کو اختیار کرنا ہے جو تہذیب کی تعمیر و ترقی اور اس کائنات کو آباد کرنے میں کردار کرتا ہے کیونکہ ہمارا دین ساری کائنات کی تعمیر و ترقی کا دین ہے۔ارشاد خداوندی ہے: { هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا } "اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی نے اس زمین میں تمہیں بسایا ہے"۔

ہر وہ مسلمان جو اپنے دین سے محبت اور اس پر فخر کرتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے دین کی سربلندی اور اپنے وطن کی عزت وناموس کی خاطر کام کرے اور ہر قسم کی لغزشوں اور انتہاپسندی سے دور رہے جیسا کہ باطل جھنڈوں تلے جھوٹے جہاد کے نام پر دہشت گرد جماعتوں میں شمولیت اختیار کرنا، یا غیر شرعی ہجرت کرنا جو ہلاکت یا ذلت ورسوائی کا سبب بنتی ہے اور قانونی اور شرعی طور پر جرم اور گناہ ہے کیونکہ کے ملکوں کا تقدس بھی گھروں کے تقدس کی طرح ہے، جس طرح کسی کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل ہونا جائز نہیں ہے اسی طرح شرعی اور قانونی ذرائع کے بغیر کسی ملک میں داخل ہونا بھی جائز نہیں ہے، جس طرح ایک شخص اپنے ملک میں دوسرے آدمی کے

غیر شرعی و قانونی طریقے سے داخل ہونے کو ناپسند کرتا ہے اسی طرح اسے بھی چاہیے کہ وہ دوسرے ملک کے حق میں ایسا نہ کرے۔

برادرانِ اسلام:

میں اس خوبصورت مناسبت پر اس بات کو ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ محرم الحرام کا مہینہ حرمت والے مہینوں میں ایک مہینہ ہے اس مہینہ میں کثرت سے روزے رکھنا مستحب ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "فرض نماز کے بعد افضل ترین نماز رات کے آخری تہائی حصہ میں ادا کی جانے والی نماز، اور ماہِ رمضان کے بعد افضل ترین روزے ماہ محرم الحرام کے روزے ہیں"، اور بالخصوص یومِ عاشورا کا روزہ رکھنا مستحب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اللہ تعالی سے امید رکھتا ہوں کہ یوم عاشورا کا روزہ سابقہ سال کا کفارہ ہوگا"، اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو یومِ عاشورا کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا، آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ ایک اچھا دن ہے، اس دن اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دی تھی تب موسی علیہ السلام نے اس دن کا روزہ رکھا، آپ نے فرمایا: ہم تم سے زیادہ موسی کے حقدار ہیں، آپ نے خود بھی اس

دن روزہ رکھا اور اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا تو صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول، یہود و نصاری اس دن کی تعظیم کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: ان شاءاللہ آئندہ سال ہم نویں محرم کا بھی روزہ رکھیں گے، دس محرم کا روزہ رکھنا سنت ہے لیکن نو اور دس محرم کا روزہ رکھنا مکمل سنت ہے۔

ہجرتِ مدینہ سے حاصل شدہ اسباق

رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمانا ایک ایسا عظیم تاریخی واقعہ ہے جس نے انسانی تاریخ کا دھارا بدل کے رکھ دیا، آج ہمیں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اس ہجرت سے حاصل شدہ ان تمام معانی سے راہنمائی حاصل کریں جو معاشرے اور تہذیب وتمدن کی تعمیر وترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، ہجرتِ مدینہ حق وباطل کے درمیان ایک خطِ امتیاز اور انسانی عزت وناموس کی حفاظت، مذہبی آزادی، مساوات اور عدل وانصاف پر مبنی اصول وضوابط پر قائم کی جانے والی ایک متمدن ریاست کی طرف ایک مثبت قدم تھا، اس ہجرت نے پُرامن باہمی رہن سہن کے مفہوم کو پختہ کیا اور فرزندانِ وطن کے درمیان اجتماعی روابط قائم کرنے، انسانی بنیادوں پر مشترکہ رہن سہن اختیار کرنے اور مختلف انداز اور صورتوں میں معاشی ترقی کے لئے مل جل کر کام کرنے کی بنیاد رکھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد اصول اور عناصر پر ریاست کی بنیاد رکھی، ان میں سے اہم اصول اور عناصر درج ذیل ہیں:

مسجد کی تعمیر: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے سب سے پہلے مسجد کی بنیاد رکھی، کیونکہ انسان کا اپنے خالق کے ساتھ تعلق ہی ہر چیز کے لئے پناہ گاہ ہے، صحیح دینداری ہی تخریب کاری اور توڑ پھوڑ کی بجائے تعمیر و ترقی کرنے والی ایک کامل شخصیت تیار کرنے کا بنیادی عنصر ہے، دین کے صحیح فہم سے انحراف اور اس کے غلط فہم کے مطابق ہی شخصیت سازی میں خلل واقع ہوتا ہے کیونکہ مسجد کا ایک علمی اور معاشرتی پیغام ہے جو معاشرے میں انسانی اقدار اور قطعی حقائق کو پختہ کرتا ہے اور معاشرے کی خدمت میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

معیشت کی بنیاد: مضبوط معیشت ریاست کی ایک اہم بنیاد اور اس کا مرکزی ستون ہے جس پر ریاست قائم ہوتی ہے، ایک دائمی مضبوط معیشت ریاستوں کو اپنی قومی اور بین الاقوامی ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر قادر بناتی ہے اور یہ اپنے شہریوں کے لئے باعزت زندگی کا باعث بنتی ہے، جب معیشت کمزور ہوتی ہے تو غربت اور بیماری عام ہو جاتی ہے، زندگی مضطرب ہو جاتی ہے، بحران گھیر لیتے ہیں، اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں، جرائم کثرت سے واقع ہوتے ہیں، اور ریاست پر گھات لگائے ہوئے دشمنوں اور اس کو تباہ

کرنے اور ایک ختم نہ ہونے والی لا قانونیت کی طرف دھکیلنے کے لئے سر گرم افراد کو موقع میسر آجاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ ریاست مدینہ ایک ایسی مضبوط معیشت کی مالک ہو جو اسے اپنے افراد کی ضروریات کو پورا کرنے، اپنا دفاع کرنے اور کائنات کو آباد کرنے اور امن و سلامتی کے اس پیغام کو پورا کرنے پر قادر بنائے جو پیغام دینِ متین لے کر آیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ایک مرکزی بازار قائم کرنے کے لئے کوشش کی تاکہ وہ تجارت اور حلال کمائی کا ذریعہ، اور ہنر مندوں اور صنعتکاروں کے لئے ایک مرکز ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ بازار کا نام "سوق المناخۃ" تھا، عطا بن یسار بیان کرتے ہیں کہ : " جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں بازار قائم کرنا چاہا تو آپ بنی قینقاع کے بازار میں تشریف لائے پھر آپ مدینہ کے بازار میں واپس تشریف لائے اور اپنا پاؤں وہاں مارتے ہوئے فرمایا: " یہ تمہارا بازار ہے، اس کو بند نہ کیا جائے "، کبارِ صحابہ نے مختلف تجارتی سر گرمیوں میں حصہ کیا اور اپنے انصار بھائیوں کی مالی معاونت پر زندگی بسر کرنے کو قبول نہ کیا، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ مدینہ آئے تو نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن بن عوف اور سعد بن ربیع رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا، سعد بن ربیع نے عبدالرحمن بن عوف سے کہا: میں انصار میں سے سب سے زیادہ مالدار ہوں، میں اپنے مال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہوں، عبدالرحمن بن عوف نے کہا: اللہ تعالی آپ کے اہلِ خانہ اور مال میں برکت عطا فرمائے، تمہارا بازار کہاں واقع ہے ؟۔ کیونکہ جو قومیں اپنی خوراک، اپنی غذا، اپنے لباس، اپنی دوا اور اپنے ہتھیار کی مالک نہیں ہوتیں وہ نہ تو اپنے ارادہ واختیار کی مالک ہوتی ہیں نہ ہی اپنی عزت وناموس کی مالک ہوتی ہیں، حکما نے کہا ہے: تو جس سے چاہے نیکی کر تو اس کا مالک بن جائے گا، اور جس سے چاہے مستغنی ہو جا تو اس کی مثل بن جائے گا اور جس کے آگے چاہے اپنی حاجت پیش کر تو اس کا غلام بن جائے گا، ہمارا دینِ متین نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے"، اور دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "دینے والا ہاتھ اوپر والا ہاتھ ہے اور لینے والا حصہ نیچے والا ہاتھ ہے"، بے شک یہ حدیث قوموں، اداروں، خاندانوں اور افراد سب پر صادق آتی ہے، ترقی کی منازل طے کرنے، باعزت زندگی

گزارنے کے ذرائع حاصل کرنے، افراد اور قوموں کی ترقی اور زندگی کے معاملات چلانے میں مال ودولت کی اہمیت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا، امیر الشعراء احمد شوقی نے سچ کہاہے کہ:

لوگ علم اور مال کے ذریعے اپنی بادشاہت قائم کرتے ہیں جہالت اور فقر پر کبھی کوئی بادشاہت قائم نہیں کی گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باہمی معاملات کے قواعد وضوابط مقرر کئے، اور لوگوں کو خرید وفروخت کرتے وقت نرمی، رواداری اور باہمی رضامندی کی ترغیب دی، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "اللہ کریم اس شخص پر رحم کرے جو خرید وفروخت کرتے وقت اور اپنے حق کا مطالبہ کرتے وقت نرمی سے پیش آیا"، آپ نے سچ بولنے اور امانت داری کا حکم دیا، آپ کا فرمان ہے: "سچا اور امین تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہدا کے ساتھ ہوگا"، آپ نے ذخیرہ اندوزی کو حرام قرار دیا، آپ کا فرمان ہے: "جس نے چالیس راتوں تک سامان خورد ونوش کو ذخیرہ کرکے رکھا تو وہ اللہ تعالی سے بری ہے اور اللہ تعالی اس سے بری ہے"، بلکہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام بذاتِ خود بازار کا چکر لگاتے، خرید وفروخت کی نقل وحرکت کا معائنہ کرتے، اور لوگوں کی

بہتر چیز کی طرف راہنمائی فرماتے، حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزر ہوا، آپ نے اپنا دستِ مبارک اس میں داخل کیا تو آپ کی انگلیاں گیلی ہو گئیں، آپ نے فرمایا: "اے تاجر! یہ کیا ہے؟"، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول، اس پر بارش کا پانی پڑا ہے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "تو نے اس حصے کو کھانے کے اوپر کیوں نہیں رکھا تاکہ لوگ اس کو دیکھ سکیں"، پھر آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔

دستورِ مدینہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے بعد ایک مضبوط ریاست کی بنیاد رکھی اور دستورِ مدینہ میں اس کے اصول وضوابط بیان کئے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے انصار ومہاجرین کے درمیان ہونے والے اختلافات وتنازعات کی وجہ سے صرف ان کے درمیان بھائی چارہ قائم کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ نے اس دستورِ مدینہ کو تیار کرتے ہوئے انسانیت کے مفہوم کو پیشِ نظر رکھا جو کہ انسانی تاریخ میں سب سے بڑا انسانی دستور شمار ہوتا ہے جس میں معاشرے کے تمام افراد کے حقوق وواجبات کو ذکر کیا گیا، اور ایک پہلو سے فرزندانِ وطن اور دوسرے پہلو سے انسانیت

کے درمیان پُرامن باہمی رہن سہن کے اصول وضع کئے گئے جس نے اسے باہمی رہن سہن کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے انسانیت کا سب سے بڑا دستور قرار دیا ہے، اس بات کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود مدینہ وغیرہ کے ساتھ طے پانے والا وہ معاہدہ ہے جس نے امن وسلامتی، آزادی اور مشترکہ دفاع وغیرہ جیسے مسلمانوں کے تمام حقوق یہود کو عطا کئے، اس دستور کی اہم شقوں میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمان جب تک حالتِ جنگ میں رہیں گے یہود ان کے ساتھ مل کر مصارف اٹھائیں گے، یہود بنی عوف، اور ان کے اپنے حلفاء اور موالی سب مل کر مسلمانوں کے ساتھ ایک جماعت متصور ہوں گے یہود اپنے دین پر ہوں گے اور مسلمان اپنے دین پر کاربند رہیں گے مگر جس نے ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کیا تو وہ اپنے آپ اور اپنے گھر والوں کو مصیبت میں ڈالے گا۔

یہ شق مذہبی آزادی، امن وسلامتی اور مدینہ پر حملہ آور ہونے کے خلاف مل کر دفاع کرنے کی ضامن ہے۔

اس کا مطلب ہے کہ ایک متمدن اسلامی ریاست مسلم اور غیر مسلم سب کو اپنے دامن میں جگہ دیتی ہے، ان کے لئے وہی حقوق وواجبات ہوں گے جو ہمارے لئے ہیں بشرط

کہ ان معاشرتی اصول وضوابط کی پابندی کی جائے جو سب کے حقوق وواجبات کی حفاظت کے ضامن ہیں اور ان میں سرِ فہرست امن وامان کی فضا قائم ہونا، کسی پر ظلم وزیادتی نہ کرنا، اور دستور کی ان شقوں کی پامالی نہ کرنا ہے جو تمام لوگوں کے درمیان تعلقات کو منظم کرتا ہے۔

تمام لوگوں کا پُرامن طریقے سے مل جل کر رہنا ایک دینی فریضہ اور معاشرتی ضرورت ہے جسے ان کے موجودہ حالات لازم قرار دیتے ہیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب تمام لوگ اس بات کا شعور رکھیں کہ وہ بغیر کسی دینی یا نسلی فرقہ واریت کے ایک وطن کے افراد ہیں اور ان کے ذمہ بھی وہی حقوق وواجبات ہیں، ارشادِ خداوندی ہے: {لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ}، "دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت گمراہی سے روشن ہو چکی ہے"۔

نبی کریم اور آپ کے اصحاب نے اس اصول کو عملی طور پر نافذ کیا، نہ تو انہوں نے کسی فرد کو اس دین پر داخل ہونے پر مجبور کیا اور نہ ہی کسی کلیسا یا یہودی عبادت گاہ یا کسی بھی عبادت گاہ کو مسمار کیا، بلکہ مسلمانوں کے ہاں عبادت گاہیں محفوظ اور قابلِ احترام تھیں کیونکہ اسلام نے تمام انسانوں کو عقیدے کی آزادی کی ضمانت دی ہے، اس تنوع اور

اختلاف کو نہ تو ماضی میں کوئی تبدیل کر سکا ہے اور نہ ہی مستقبل میں کوئی تبدیل کر سکے گا، کیونکہ یہ مشیت خداوندی کے مخالف ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: {وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ}، "اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے، تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں یہاں تک کہ وہ مومن ہی ہو جائیں"۔

اعتقادات اور حقوق وواجبات کا احترام کرنا ریاست کی تعمیر وترقی کا بنیادی رکن ہے، اور مختلف قوموں اور معاشروں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے میں اس کا اہم کردار ہے، ہر قوم کا ایک عقیدہ جسے وہ مقدس مانتی ہے اور اس کے کچھ اصول وضوابط ہیں جن کی وہ پابندی کرتی ہے اور وہ انہیں دوسروں کے عقائد اور اصول وضوابط سے اعلی وافضل شمار کرتی ہے، اسلام نے ہمیں دوسرے مذاہب کے لوگوں کے بارے ایسی بات کرنے سے منع کیا ہے جس سے انہیں تکلیف پہنچتی ہو یا ان کے اعتقاد پر حرف آتا ہو، کیونکہ تمام مذاہب انسان کی سعادت مندی کے لئے آئے ہیں، ارشادِ خداوندی ہے: {وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ}، "اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ لوگ

اللہ تعالی کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ براہِ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالی کی شان میں گستاخی کریں گے ہم نے اسی طرح ہر طریقہ والوں کو ان کا عمل مرغوب بنا رکھا ہے۔ پھر اپنے رب ہی کے پاس ان کو جانا ہے سو وہ ان کو بتلا دے گا جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے"۔

اسی طرح اسلام نے اپنے پیروکاروں کے قلوب واذہان میں غیر مسلموں کے ساتھ اچھے طریقے سے رہنے اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کے اصول کو پختہ کیا ہے، دینی نصوص اس اصول کی تاکید کرتی ہیں اور مسلم معاشرے میں اس کی عملی تطبیق کی وضاحت کرتی ہیں، ارشادِ خداوندی ہے: {لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ}، "جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالی تمہیں نہیں روکتا، بلکہ اللہ تعالی انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔

اسلام نے اپنے پیروکاروں کو غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے اور پڑوس یا بحث ومباحثہ کے وقت ان کے جذبات واحساسات کا لحاظ رکھنے کا حکم دیا ہے، اور انہیں

اس بات کی ترغیب دی ہے کہ بحث ومباحثہ عمدہ طریقے سے ہونا چاہیے، ارشادِ خداوندی ہے: {وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَإِلَهُنَا وَإِلَهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ}، "اور اہلِ کتاب کے ساتھ بحث ومباحثہ نہ کرو مگر اس طریقہ پر جو عمدہ ہو، مگر ان کے ساتھ جو ان میں ظالم ہیں اور صاف اعلان کردو کہ ہمارا تو اس کتاب پر بھی ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم پر اتاری گئی، ہمارا تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ ہم سب اسی کے حکم بردار ہیں"۔

اس سے واضح ہو گیا کہ دستورِ مدینہ انسانی عزت وناموس کی حفاظت کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ ہے جو ریاست اور تہذیب وتمدن کی تعمیر وترقی اور انسانی مفادات کے حصول کی خاطر قومی اتحاد واتفاق قائم کرنے کے لئے کام کرتا ہے۔

برادرانِ اسلام:

وطن کو بلند مقام ومرتبہ اور قدر ومنزلت حاصل ہے، اس کی محبت، اس سے نسبت اور اس کا دفاع کرنا انسانی فطرت میں شامل ہے، یہ ایک فرض ہے جس کو دینِ متین اور وطنیت بھی لازم قرار دیتی ہے اور تمام آسمانی شریعتیں بھی اس کی تاکید کرتی ہیں، نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وطن کی محبت، اس سے نسبت اور تعلق کی سب سے عظیم مثال پیش کی ہے، ہجرت کے وقت آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے پہلے وطن مکہ مکرمہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "اے شہرِ مکہ ! تو کتنا پاکیزہ ہے اور تو مجھے کتنا پیارا ہے۔ اگر میری قوم نے مجھے یہاں سے نہ نکالا ہوتا تو میں ہر گز یہاں سے نہ نکلتا"۔

اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور اس کو اپنا وطن بنایا تو آپ نے اللہ تعالی سے دعا کی کہ وہ اس دوسرے وطن کو ان کے لئے محبوب بنادے اور اسے امن وسلامتی اور استحکام نصیب فرمائے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: " اے اللہ ! مدینہ کو ہمارے لئے اس طرح محبوب بنادے جس طرح ہمیں مکہ محبوب ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ"۔

مذہب اور ریاست کے درمیان باہمی تکمیل کا تعلق قائم ہے نہ کے تضاد کا تعلق، وطنوں کی حفاظت کرنا ان بنیادی اور ضروری مقاصد میں سے ہے جن کی حفاظت کرنا ضروری ہے، دائمی امن وامان کے وجود کے بغیر معیشت کو کبھی بھی دوام نصیب نہیں ہو سکتا، وطن کی حفاظت کرنا اور اس کی خاطر قربانی دینا ہر اس شخص کے ذمہ قومی فریضہ اور شرعی فرض ہے جو آسمان تلے اس کی سرزمین پر زندگی بسر کر رہا ہے، وطن

کی محبت صرف جذبات واحساسات تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اسے ایک فرد اور معاشرے کے لئے نفع بخش عمل کی شکل دینا واجب ہے، اس لئے اس کو مضبوط اور عزیز تر رکھنے کے لئے قربانی پیش کرنا ضروری ہے۔

حقیقی قومیت صرف بلند کئے جانے والے نعرے یا الفاظ نہیں ہے بلکہ حقیقی قومیت ایمان، طرزِ عمل اور ایثار وقربانی کا نام ہے۔

فہرست موضوعات:

م	موضوع	صفحہ
1	مقدمہ	3
2	اللہ کی معیت کے اسباب اور اثرات	4
3	دینِ اسلام	14
4	ایمان کے فوائد و ثمرات	26
5	اچھے اور برے عمل کا مفہوم	37
6	انسانی نفوس کو راہِ حق پر قائم رکھنے میں اللہ کے ذکر کی اہمیت	52
7	قرآن کریم اور اخلاقی اقدار	62
8	سورۂ حجرات اور انسانی اقدار	78
9	سنتِ نبوی اور اس کی تشریعی حیثیت	86
10	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی: حقیقی اسلام کا عملی نمونہ	98
11	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے اصحاب کے بارے میں گواہی اور ان کی عظمت کا بیان اور اس سے حاصل شدہ اسباق	110
12	صحابہ کرام کی زندگی کے روشن پہلو	124
13	اسلام عمل اور کردار کا نام: تابعین کی زندگی سے چند مثالیں	136

14	نرمی اور آسانی اسلامی شریعت میں عظمت کے مظاہر	149
15	والدین اور رشتہ داروں کے حقوق	162
16	استاذ اور طالب علم کے فرائض	176
17	علم وتہذیب کی وارث امت: علمائے حق اور علمائے سوء کے تناظر میں	189
18	ذمہ داری	199
19	دورِ حاضر میں عہدِ امان کا مفہوم	213
20	مصلحتِ عامہ کی حفاظت	224
21	مارکیٹ کے اصول وضوابط اور آداب	238
22	باہمی کام کا جذبہ اور اس کے قواعد وضوابط	253
23	مصیبت و آزمائش کو دور کرنے کے ظاہری و باطنی اسباب اور حاکمِ وقت کی اطاعت کا وجوب	265
24	اسباب اختیار کرنا قانونِ قدرت ہے	271
25	عقیدے اور عمل میں نرمی و رواداری کے مظاہر	281
26	قوموں کی ترقی میں آداب عامہ کی اہمیت	293
27	ملکی تعمیر وترقی کے اسباب ومحرکات	305

28	معاشرے کے عام حقوق وآداب اور اس کی تہذیب کی تعمیر وترقی میں ان کا کردار	317
29	ریاستوں کی تعمیر وترقی کا مفہوم	331
30	مفادِ عامہ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں	344
31	شہادت کا مفہوم: حقیقت یا افسانہ	355
32	شہادت کا مفہوم اور شہداء کے درجات	368
33	شہادت کی فضیلت اور شہداء کے اہلِ خانہ کے متعلق ہمارا فرض	375
34	وطن کی خاطر جان کا نذرانہ پیش کرنے اور شہید ہونے کا مقام ومرتبہ	389
35	شخصیت سازی میں صحبت کا اثر	401
36	بلند عزم وارادہ ترقی یافتہ قوموں کا راز	415
37	قومی یکجہتی ہی قومی قوت کا راز ہے	427
38	نوجوانوں کے حقوق اور فرائض	437
39	افواہیں پھیلانے کے خطرات	447
40	نشہ آور اشیا کے فرد اور معاشرے پر برے اثرات	462
41	غرور وتکبر اور اللہ کے دین سے روکنے کے مظاہر	472
42	نفاق اور خیانت کے افراد اور ممالک پر خطرات	486

43	ماں کے ساتھ حسنِ سلوک دنیا میں حصولِ برکت اور آخرت میں رحمتِ خداوندی کاذریعہ	501
44	نیکیوں کاموسم	514
45	سورت الاسراءاور واقعہ معراج	527
46	واقعہ اسراءومعراج	533
47	تحویلِ قبلہ کے واقعہ سے حاصل شدہ پندونصائح اور اسباق	545
48	رمضان المبارک عبادت اور عمل کامہینہ	558
49	رمضان المبارک جہنم سے آزادی کامہینہ	571
50	رمضان المبارک جودوکرم اور سخاوت کامہینہ	584
51	رمضان المبارک ایمان اور افرادسازی کامہینہ	598
52	رمضان المبارک: نیکی، صلہء رحمی اور رحمت خداوندی کے حصول کامہینہ	614
53	ماہِ شوال کے بارے میں	627
54	خطبہء حجۃ الوداع سے حاصل شدہ دروس واسباق	641
55	حج کے بعد انسان کے معمولات کیاہونے چاہیے؟	652

56	ماضی وحال کے تناظر میں ہجرت کا مفہوم	666
57	ہجرتِ مدینہ سے حاصل شدہ اسباق	677